

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

کلیاتِ نسیم

از

اصغر علی خاں نسیم

ترجمہ

کلب علی خاں فائق

مجلس ترقی ادب - لاہور

قیمت

فہرست

مقدمہ

۱۔ حیات نسیم دہلوی : (از کاتب علی خان فائق وامپوری) ۱ تا ۲۹

- | | | | | | | |
|----|------------------|-----|-----|-----|-----|----|
| ۱۔ | اصغر علی خان | ... | ... | ... | ... | ۳ |
| ۲۔ | ورود لکھنؤ ۱۲۳۳ھ | ... | ... | ... | ... | ۵ |
| ۳۔ | خوش نوبسی | ... | ... | ... | ... | ۱۲ |
| ۴۔ | شادی اور اولاد | ... | ... | ... | ... | ۱۳ |
| ۵۔ | تجلیات | ... | ... | ... | ... | ۱۵ |
| ۶۔ | معاصرین | ... | ... | ... | ... | ۱۵ |
| ۷۔ | شاگردان نسیم | ... | ... | ... | ... | ۱۷ |

۲۔ اصغر علی نسیم دہلوی کی غزل :

(از پرویسر سید عابد علی عابد) ... ۳۰ تا ۷۰

کلیات نسیم دہلوی

۳۔ غزلیات :

صفحہ

(الف)

- | | | | | | |
|----|---|-----|-----|-----|----|
| ۱۔ | واہ کیا رتبہ ہے فکر طبع حق آگاہ کا | ... | ... | ... | ۷۵ |
| ۲۔ | ہوں عاشق دیوانہ جو معشوق خدا کا | ... | ... | ... | ۷۶ |
| ۳۔ | بزم ہم کو دیکھ کر دل غمخوار ہوا جلاذ کا | ... | ... | ... | ۷۷ |
| ۴۔ | منظور ہے تاہنا کمر کا | ... | ... | ... | ۷۹ |
| ۵۔ | صد چاک ہے مانند کتان چاک جگر کا | ... | ... | ... | ۸۱ |
| ۶۔ | ہم تک بچھے لایا تھا جوش اس دل مضطر کا | ... | ... | ... | ۸۱ |

- ۷۔ تنگ کرتا ہے بدل جانا یہ سو سو بار کا ... ۸۲
- ۸۔ بند کی شب آنکھ دھیان آیا جو روئے بار کا ... ۸۳
- ۹۔ بھر غلغلہ ہے آمد فصل بہار کا ... ۸۵
- ۱۰۔ سنگ تربت لال ہے میرے تن محروم کا ... ۸۶
- ۱۱۔ بس کہ ہوں عمو تصور ، شاہد مستور کا ... ۸۸
- ۱۲۔ ہر کڑی کرتی ہے غل محرومی تقدیر کا ... ۸۹
- ۱۳۔ کم نہیں وحشت میں بھی رتبہ سری توفیر کا ... ۹۰
- ۱۴۔ نکل آیا وہ گہیرا کر دل اس کا اس قدر دھڑکا ... ۹۱
- ۱۵۔ فصل گل آئی زمانہ ہے جنوں کے جوش کا ... ۹۲
- ۱۶۔ اس درجہ تھا قلق مجھے رد سوال کا ... ۹۳
- ۱۷۔ حریفوں کے سارے جوڑ بڑھا حسن رقم کا ... ۹۵
- ۱۸۔ آکھانا بار منت شاق تھا پیراں تن کا ... ۹۶
- ۱۹۔ اثر پیدا کیا ہے پیرہن نے جسم بے جاں کا ... ۹۸
- ۲۰۔ انہیں ہٹ تھی مجھے خواہش رہا جھگڑا نہیں ہاں کا ... ۹۹
- ۲۱۔ عروس فکر رنگیں کو خیال آیا جو تڑپیں کا ... ۱۰۰
- ۲۲۔ ماتم بہت رہا مجھے اشک چکیدہ کا ... ۱۰۱
- ۲۳۔ جو عاشق ہو تو کچھ سمجھے یہ نکتہ آشنائی کا ... ۱۰۳
- ۲۴۔ حیا بڑھنے نہیں دہنی ارادہ نوجوانی کا ... ۱۰۵
- ۲۵۔ سامنا ہونے نہ پائے اے خدا برسات کا ... ۱۰۵
- ۲۶۔ سرگ اخبار ، لب یہ لا نہ سکا ... ۱۰۶
- ۲۷۔ آباد غم و درد سے ویرانہ ہے اس کا ... ۱۰۸
- ۲۸۔ بگڑے وہ لاکھ طرح مگر غل نہ ہو سکا ... ۱۱۰
- ۲۹۔ ہے رخصت جاں ، حال میں پتلا نہیں سکتا ... ۱۱۰
- ۳۰۔ مختصر ہونے میں اے یار جو قابو ہوتا ... ۱۱۱
- ۳۱۔ چھپ چھپ کے وہ پردے سے نظارا نہیں ہوتا ... ۱۱۳
- ۳۲۔ شکوا ہے نہ غصہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا ... ۱۱۴
- ۳۳۔ گو طوق بڑا بوجھ مگر تن نہیں رکھتا ... ۱۱۴
- ۳۴۔ کوئی شیشہ نہیں اے رونق محفل ٹوٹا ... ۱۱۶

- ۱۱۶ ... وہ شعلے ہیں ہجوم آہ آتشناک سے پیدا ... ۳۵
- ۱۱۷ ... خدا جانے ہوا کس تفتہ دل کی خاک سے پیدا ... ۳۶
- ۱۱۹ ... دل ہی قابو میں نہیں زور چلے کیا میرا ... ۳۷
- ۱۱۹ ... وصل کے واسطے کل کہہ کیا جاننا میرا ... ۳۸
- ۱۲۱ ... مبدل بے سبب کب ہے احبا رنگ رو میرا ... ۳۹
- ۱۲۲ ... حشر کے روز اگر داد طلب دل ہوگا ... ۴۰
- ۱۲۳ ... اس سے مرنا مجھے اپنا قلی جاں ہوگا ... ۴۱
- ۱۲۵ ... زمانے میں کوئی ایسا نہ ہوگا ... ۴۲
- ۱۲۶ ... ہم یہ جو جو کچھ ہوا سب آپ پر کھل جائے گا ... ۴۳
- ۱۲۷ ... قصہ روز گزشتہ آنکھ کو سرمائے کا ... ۴۴
- ۱۲۸ ... ہاتھوں میں آج کی شب مہندی لگائیے کا ... ۴۵
- ۱۲۹ ... بڑھتے بڑھتے لاٹھری ، پنہاں بدن ہو جائے گا ... ۴۶
- ۱۳۰ ... چار دن کے بعد فرق درمیاں ہو جائے گا ... ۴۷
- ۱۳۱ ... رنگ کہا کہا نہ نئے چرخ جفا جو بدلا ... ۴۸
- ۱۳۲ ... مزا دیوانگی کا زیر شمشیر دودم نکلا ... ۴۹
- ۱۳۳ ... ہوس یہ رہ گئی دل میں کہ مدعا نہ ملا ... ۵۰
- ۱۳۳ ... ساغر ہلا کے بے خبر دو جہاں بنا ... ۵۱
- ۱۳۵ ... پوشیدہ ہے بہا ہوں سے ہر اک زخم تن اپنا ... ۵۲
- ۱۳۶ ... کسی صورت تو دل کو شاد کرنا ... ۵۳
- ۱۳۷ ... آن کے آنے کے بھروسے پر جو شاداں دل ہوا ... ۵۴
- ۱۳۸ ... چھوڑا جو میں نے بار کو سب میں خجل ہوا ... ۵۵
- ۱۳۸ ... یہاں تک اوج جنوں میں مجھے کمال ہوا ... ۵۶
- ۱۴۰ ... میں وہ ایذا دوست تھا راحت سے مجھ کو غم ہوا ... ۵۷
- ۱۴۱ ... خون ٹپک کر آنکھ سے پھر اشک تر پیدا ہوا ... ۵۸
- ۱۴۲ ... عاشقوں میں کون مجھ سا ناتواں پیدا ہوا ... ۵۹
- ۱۴۳ ... ہر حرف سے پیدا اثر جوش ہلا تھا ... ۶۰
- ۱۴۴ ... خلش نا آشنا گوہر عدو تھا ... ۶۱
- ۱۴۵ ... کھل گئی ہر ہر کڑی مجھ کو وہ انسوں یاد تھا ... ۶۲

- ۶۳- بل بے تیری کاوشیں جیسا مجھے دشوار تھا ... ۱۳۵ ...
- ۶۴- کب اس زمیں پہ مجھے آرمبہ ہونا تھا ... ۱۳۶ ...
- ۶۵- لب بستکی سے لطف عروسی سخن میں تھا ... ۱۳۸ ...
- ۶۶- بعد از فراخ روح بھی قیدِ عدو میں تھا ... ۱۳۹ ...
- ۶۷- کچھ خون میں تر تیر نظر تھا کہ نہیں تھا ... ۱۵۰ ...
- ۶۸- لو مسلمان مجھے وہ طفلِ برہمن سمجھا ... ۱۵۱ ...
- ۶۹- پیار سے دشمن کے وہ عالم ترا جانا رہا ... ۱۵۲ ...
- ۷۰- کب میں فارغِ قیدِ وحشت سے لڑکپن میں رہا ... ۱۵۳ ...
- ۷۱- بنائے سے یہ مطلب ہم نے پایا ... ۱۵۳ ...
- ۷۲- کب یہاں میں خلشِ غیر سے دل شاد آیا ... ۱۵۴ ...
- ۷۳- ہوئیں جب بند آنکھیں خوفِ پرسش کا بقیں آیا ... ۱۵۶ ...
- ۷۴- غرض کیا مے سے بھر مافیِ جو وہ مے کش نہیں آیا ... ۱۵۸ ...
- ۷۵- مجھ کو احسانِ نظر یاد آیا ... ۱۶۰ ...
- ۷۶- ہیروں کا بس و پیش جو سامانِ نظر آیا ... ۱۶۱ ...
- ۷۷- رخِ ہر جو ترے ساتھ کبسو نظر آیا ... ۱۶۲ ...
- ۷۸- گلے میں غٹ کے آن کا بھی کچھ فصدِ نکل آیا ... ۱۶۳ ...
- ۷۹- قلق سے دم لبوں پر خواہشِ دیدار میں آیا ... ۱۶۴ ...
- ۸۰- اہلا کیا خاکِ زیرِ خاک پایا ... ۱۶۵ ...
- ۸۱- بقیں کو اپنے عاشق نے ہمیشہ بے خلل پایا ... ۱۶۶ ...
- ۸۲- جہاں میں نقصِ پیری سے مفرِ ظالم نے کم پایا ... ۱۶۷ ...
- ۸۳- مقامِ شکر ہے جلاد سے گزرِ زخمِ تن پایا ... ۱۶۸ ...
- ۸۴- افتادگی نے اور ہی عالم دکھا دیا ... ۱۶۹ ...
- ۸۵- دل کسی مشتاق کا ٹھنڈا کیا ... ۱۷۰ ...
- ۸۶- شکایت سے غرض کیا مدعا کیا ... ۱۷۱ ...
- ۸۷- رحمِ سوسے خاطرِ ناشاد کیا ... ۱۷۳ ...
- ۸۸- وہ نہیں تم کو نہ ہو گے یاد کیا ... ۱۷۴ ...
- ۸۹- اے مرگ دیکھتی ہے انہیں بار بار کیا ... ۱۷۵ ...
- ۹۰- قالبِ ہوا خراب ترے غائبانہ کیا ... ۱۷۶ ...

- ۹۱- وہ نہ مانیں گے احبا اُن کو سمجھائیں گے کیا ... ۱۷۷
- ۹۲- اضطراب دل مرا آخر مزا دکھلا گیا ... ۱۷۹
- ۹۳- خندہ کیوں لب پر ترے او عو بے داد آ گیا ... ۱۸۰
- ۹۴- زخم ہالیدہ ہوئے دالحوں بہ جوین آ گیا ... ۱۸۰
- ۹۵- کیا آج جلد تیر نظر کام کر گیا ... ۱۸۲
- ۹۶- کس منہ سے کہتے ہو کہہ ترا وقت ٹل گیا ... ۱۸۳
- ۹۷- ٹھہری آکھڑ کے سانس برا وقت ٹل گیا ... ۱۸۴
- ۹۸- ہیبت سے سرخ روح بدن سے نکل گیا ... ۱۸۵
- ۹۹- جب اختیار قید سخن سے نکل گیا ... ۱۸۶
- ۱۰۰- دل کے آنے ہی بہ نقشا ہو گیا ... ۱۸۸
- ۱۰۱- مجھ کو سمجھاتا تھا یا تو آپ شیدا ہو گیا ... ۱۸۹
- ۱۰۲- تیری بالائی کا شہرہ سب سے بالا ہو گیا ... ۱۹۰
- ۱۰۳- جاں بہ لب ہوں جب سے وہ بے رحم بدظن ہو گیا ... ۱۹۱
- ۱۰۴- لو فراغت ہو کئی کیسا سبک جاں ہو گیا ... ۱۹۲
- ۱۰۵- التماس شکر میں دل رہ گیا ... ۱۹۳
- ۱۰۶- ہو رفیق بے کسی منزل بہ منزل رہ گیا ... ۱۹۴
- ۱۰۷- دونوں جانب شرم مطلب شوق پشہاں رہ گیا ... ۱۹۴
- ۱۰۸- میں نکا ہوں میں بہار زلف جاناں ہو گیا ... ۱۹۶
- ۱۰۹- پابند زیست تھا نہ اسیر مزار تھا ... ۱۹۷
- ۱۱۰- نہیں شکوہ جدا ہے گو کہ ہر بارہ مرے دل کا ... ۱۹۹
- ۱۱۱- عجب عالم ہے اس گل پیرہن کی یاد میں دل کا ... ۲۰۰
- ۱۱۲- مزدہ صحت منا دل دکھ گیا آزار کا ... ۲۰۲

(ب)

- ۱۱۳- بلبل سے کرفی کب ہے عروس چمن حجاب ... ۲۰۳
- ۱۱۴- جی میں آتا ہے دکھائیں مستیاں پی کر شراب ... ۲۰۴
- ۱۱۵- کیا دیکھتا ہے طائر ہسمل کا اضطراب ... ۲۰۵
- ۱۱۶- گر ابروے کشیدہ ہیں شمشیر کا جواب ... ۲۰۶
- ۱۱۷- جتنے قصے ہیں مرے شکوہ بے داد ہیں سب ... ۲۰۶

- ۱۱۸ - طرہ مشک بار ہے جلوۂ آب دار شب ... ۲۰۸ ...
 ۱۱۹ - پہنچے ہیں ٹھنڈے ہمارے دل دوستان قریب ... ۲۰۹ ...

(پ)

- ۱۲۰ - تیوری چڑھی ہوئی ہے کشیدہ نظر ہیں آپ ... ۲۱۰ ...
 ۱۲۱ - بھر خفا رہنے لگے عاشق ناچار ہے آپ ... ۲۱۲ ...
 ۱۲۲ - جانتے ہیں ہم سے شرمائیں گے آپ ... ۲۱۳ ...
 ۱۲۳ - بیٹھ رہے نہ مل ایسی کوئی جا دل چسب ... ۲۱۴ ...
 ۱۲۴ - لہرا رہے ہیں طرہ زلف دوتا کے سانپ ... ۲۱۵ ...

(ت)

- ۱۲۵ - چشم قلقلی سے بھی نہاں میں تو رہا رات ... ۲۱۷ ...
 ۱۲۶ - افزائشوں پہ تھا قلقلی دل تمام رات ... ۲۱۸ ...
 ۱۲۷ - تھا وصلت جنوں کا جو سامان تمام رات ... ۲۱۹ ...
 ۱۲۸ - غنچے نے تاج گل نے کیا پرہیز دوست ... ۲۲۰ ...
 ۱۲۹ - کعبہ نہیں ہے زاہد خائف نشان دوست ... ۲۲۲ ...
 ۱۳۰ - آنہ بن کر رہوں ہر وقت پیش روئے دوست ... ۲۲۳ ...
 ۱۳۱ - تاصحا لے راہ اپنی جاتے ہیں اب سوئے دوست ... ۲۲۵ ...

(ث)

- ۱۳۲ - میں بڑن ہوا عتوبت قاتل سے دل آچاٹ ... ۲۲۶ ...

(ث)

- ۱۳۳ - گل رخوں کی ہے ہوس اے دل ناشاد عبث ... ۲۲۸ ...
 ۱۳۴ - سہرابی ہے دم سرگ پہ اے بار عبث ... ۲۲۹ ...
 ۱۳۵ - بال آئینے میں آیا خود سمائی ہے عبث ... ۲۳۰ ...

(ج)

- ۱۳۶ - کہہ تو کیا اے چارہ گر تجھ کو ہوا منظور آج ... ۲۳۰ ...
 ۱۳۷ - ہوا جام منے چشم بناں آج ... ۲۳۱ ...

- ۱۳۸- حکم تھا روزِ گزشتہ میں کہ ہم آتے ہیں آج ... ۲۳۲
 ۱۳۹- بے خبر ہے الجبن بے ہوش ہے جاناں آج ... ۲۳۳
 ۱۴۰- جسم میں موجود ہے کیفیتِ مے خانہ آج ... ۲۳۶

(ج)

- ۱۴۱- نہیں دیکھے یہ تصور کی بھی زنجیر کے بیچ ... ۲۳۸

(ح)

- ۱۴۲- بھائی ہے جب سے دلبرِ عیار کی طرح ... ۲۳۸
 ۱۴۳- رکھتی ہے کب اعتبار اے جانِ روح ... ۲۳۹
 ۱۴۴- رہی ہمیشہ اسیری کے اختیار میں روح ... ۲۳۹
 ۱۴۵- تنِ ضعف سے کہاں کہ جو ہوتی بدن میں روح ... ۲۴۱

(خ)

- ۱۴۶- نہیں جلاد کی کچھ آستین سرخ ... ۲۴۳

(د)

- ۱۴۷- نہ جائے گی ترے وحشی کی رائگاں فریاد ... ۲۴۴
 ۱۴۸- ستارے کیا تمہیں بیمارِ ناتواں فریاد ... ۲۴۵
 ۱۴۹- اپنی ہستی پر نہ کہوں ہو منفعل ہر بارِ درد ... ۲۴۶
 ۱۵۰- نقابِ منہ سے اٹھا دے اگر ہمارا چاند ... ۲۴۸
 ۱۵۱- کمرِ قدرِ خاطرِ غم دینہ ہے دشوارِ ہست ... ۲۴۹

(ذ)

- ۱۵۲- ہوش باقی نہیں جس دم سے کہ دیکھا تعویذ ... ۲۵۰
 ۱۵۳- ڈورا بھی چاہیے ایسا جو ہو ایسا تعویذ ... ۲۵۱

(ر)

- ۱۵۴- صدقے ترے جاؤں مرے ہمارے مرے دلبر تو کہوں ہے منکدر ... ۲۵۲
 ۱۵۵- جس نے دیکھی ہو ترے رخسارِ روشن کی جہاز ... ۲۵۳

- ۱۵۶- پھر شجر سرسبز ہیں کہتے ہیں آتی ہے بہار ... ۲۵۵
- ۱۵۷- آنسو نہیں ہیں یہ مڑا اشک بار ہر ... ۲۵۷
- ۱۵۸- ہوں میں عاشق جان جانی ہے مری اس نور ہر ... ۲۵۸
- ۱۵۹- گل اگر آہیں کرہیں گے خاک پر ... ۲۵۹
- ۱۶۰- جا ہے قطرۂ خون جگر شمشیر دشمن ہر ... ۲۶۱
- ۱۶۱- رحم آ جاتا ہے دشمن کی ہریشانی ہر ... ۲۶۲
- ۱۶۲- غیر ممکن ہے کہ ہو ہجر میں اے یار سحر ... ۲۶۳
- ۱۶۳- زخم تیغ یار نے بخشا دھاں بالائے سر ... ۲۶۵
- ۱۶۴- ہے بلندی میں بھی ہستی کا نشان بالائے سر ... ۲۶۶
- ۱۶۵- مر گئی انیسوس اے بابل نہ کیوں سر توڑ کر ... ۲۶۷
- ۱۶۶- جس طرح آہو نہ آئے دشت اے جان چھوڑ کر ... ۲۶۸
- ۱۶۷- خلصی ہائے بلا سے دل مضطر کیوں کر ... ۲۷۰
- ۱۶۸- عضو تن میرے دھکتے رہے اٹکر ہو کر ... ۲۷۱
- ۱۶۹- کبھی ہوتا ہوں ظاہر جلوۂ حسن نکو ہو کر ... ۲۷۳
- ۱۷۰- میں جو بے خود ہوں کسی کا روئے زیبا دیکھ کر ... ۲۷۵
- ۱۷۱- میں مر گیا ہوں تیرے خربدار دیکھ کر ... ۲۷۶
- ۱۷۲- اشک آملے تہ دامن سے ٹپک کر باہر ... ۲۷۸
- ۱۷۳- قربان ہو رہی ہے مری جان ادھر ادھر ... ۲۷۹

(ز)

- ۱۷۴- کیوں کر اٹھائے طرۂ زلف دوتا کے تاز ... ۲۸۰
- ۱۷۵- باقی ہے شوق قاتل شمشیر زن ہنوز ... ۲۸۱

(ح)

- ۱۷۶- گل چھری ہائیں گے جتنے ہیں اسیران قفس ... ۲۸۲

(ش)

- ۱۷۷- صاف طینت کو کدورت ہے بدن کی خواہش ... ۲۸۳

(ص)

۱۷۸- آ دیکو لے بے تابی ہسمل کا ذرا رقص ... ۲۸۶

(ض)

۱۷۹- اے دل سچہ نہ پاس عزیز و یگانہ فرض ... ۲۸۷

(ط)

۱۸۰- قاصد جو پڑھ چکیں وہ مرا ماجراے خط ... ۲۹۰

(ظ)

۱۸۱- پاک ہے لذت عشرت سے زبان واعظ ... ۲۹۲

(ع)

۱۸۲- ہجر میں میرے سہ خانے کی رکھ پروانہ شمع ... ۲۹۲

۱۸۳- حسن معشوق میں ہیں رکھتی ہیں ناسور شمع ... ۲۹۳

۱۸۴- سرو عفل کہیں رکھتی ہے جو یہ دستور شمع ... ۲۹۵

۱۸۵- اس فروغ چند ساعت پر نہ ہو مغرور شمع ... ۲۹۷

(غ)

۱۸۶- دل میں رہتا ہے ضیاء داغ سے روشن چراغ ... ۳۰۰

۱۸۷- باعث بے رونقی ہے جاے ویران میں چراغ ... ۳۰۱

۱۸۸- ہاں کیوں نہ پیش ہزم رہے بے سخن چراغ ... ۳۰۲

(ف)

۱۸۹- لائے نصیب کھینچ کے بے داد کی طرف ... ۳۰۳

۱۹۰- بھلا وہ کیا ہو مرے حال زار سے واقف ... ۳۰۴

۱۹۱- میں دیکھ کر یہ طول نہ کیوں ہوں ندائے زلف ... ۳۰۵

(ق)

۱۹۲- ہم شریبوں کو بھی مل جاتے ہیں پیمانہ عشق ... ۳۰۶

(ک)

- ۱۹۳- پہنچی ہو دم شوق نظر ہار کے سر تک ... ۳۰۸ ...
 ۱۹۴- خدا را لئے چلو ہارو مجھے آس شوق بد ظن تک ... ۳۰۹ ...
 ۱۹۵- حجاب ابر مانع ہے گزر کیوں کر ہو کشن تک ... ۳۱۱ ...

(گ)

- ۱۹۶- پہنچی برون سینہ سلگ کر جگر میں آگ ... ۳۱۳ ...

(ل)

- ۱۹۷- کس منہ سے کہتی ہے کہ میں ہوں آشنائے گل ... ۳۱۴

(م)

- ۱۹۸- دیکھ او قاتل بسر کرتے ہیں کس مشکل سے ہم ... ۳۱۶ ...
 ۱۹۹- زورگر و حداد خوش ہوں ، وہ کریں تدبیر ہم ... ۳۱۷ ...
 ۲۰۰- اچھا کریں وہ افسی وہ زن تو نہیں ہم ... ۳۱۷ ...

(ن)

- ۲۰۱- بدلی نہ گالوں سے کہہی ہار کی زبان ... ۳۱۸ ...
 ۲۰۲- بھلی سی کوند آٹھے جو کھلیں سیم تن کے پاؤں ... ۳۱۹ ...
 ۲۰۳- جب تیر نظر تابہ جگر جائیں گے لاکھوں ... ۳۲۰ ...
 ۲۰۴- بھولوں سمجھیں ، وہ بشر نہیں ہوں ... ۳۲۰ ...
 ۲۰۵- یہاں تک طول تھا اے ہم نفس گل ہجر کی شب میں ... ۳۲۱ ...
 ۲۰۶- لطف کہاں اب وہ ملاقات میں ... ۳۲۲ ...
 ۲۰۷- تم کو بھی مشکل بڑے گی عاشقوں کی داد میں ... ۳۲۲ ...
 ۲۰۸- دل جگر باہم علف ہوں سینہ غنچیر میں ... ۳۲۳ ...
 ۲۰۹- مے عجب تاثیر ہے ہوشی ہمارے حال میں ... ۳۲۴ ...
 ۲۱۰- وہ کسی ڈھب سے اگر آنے کہیں قابو میں ... ۳۲۵ ...
 ۲۱۱- سر چمکے جس پر کہ مرنا تھا ہمیں ... ۳۲۵ ...
 ۲۱۲- سمجھ کے تازہ خریدار گرم جوش ہمیں ... ۳۲۵ ...

- ۲۱۳- غرق بحر اشک ہیں کیا حاجت دامن ہمیں ... ۳۲۶
- ۲۱۴- موت کاٹھ کو قیامت تک اب آئے گی ہمیں ... ۳۲۷
- ۲۱۵- سب ستم سارے وہ سامان مصیبت یاد ہیں ... ۳۲۷
- ۲۱۶- یہ لب جو سے ہوئے کیوں کر نہیں ہیں ... ۳۲۸
- ۲۱۷- رہی دو چار دن کی سیر اب بستر اٹھاتے ہیں ... ۳۲۹
- ۲۱۸- الفاظ و معانی کی کڑوٹ جو بدلنے ہیں ... ۳۲۹
- ۲۱۹- کرشمے ، طعنے سب او فتنہ عالم سمجھتے ہیں ... ۳۳۰
- ۲۲۰- کیوں حوصلہ ستم کا مری جان نہیں رہا ... ۳۳۰
- ۲۲۱- اے بجزہ گر! معاف یہ احسان کر نہیں ... ۳۳۱
- ۲۲۲- میرے مرنے کی خبر سن کر وہ کچھ شاداں نہیں ... ۳۳۲
- ۲۲۳- اظہار مدعا مری تقریر میں نہیں ... ۳۳۳
- ۲۲۴- شوق شراب خواہش جام و سیو نہیں ... ۳۳۳
- ۲۲۵- تم سے کیا تشبیہ دوں فکر دوئی یک سو نہیں ... ۳۳۳
- ۲۲۶- جو کہ بسک ہیں کسی کو دل میں جا دیتے نہیں ... ۳۳۵

(و)

- ۲۲۷- دوستی رکھتے ہیں کس درجہ برابر آنسو ... ۳۳۵
- ۲۲۸- مرگ آفت نے یہ دی راحت کمال مجھ کو ... ۳۳۶
- ۲۲۹- کس سے مثال دوں بدن لا مثال کو ... ۳۳۷
- ۲۳۰- غور کرنا دوستو مجھ ناقوان کے حال کو ... ۳۳۸
- ۲۳۱- اور چندے صبر کر دل ، ہے فنا ہر کام کو ... ۳۳۹
- ۲۳۲- دی ہے عجب تاثیر خدا نے کچھ میرے افسانے کو ... ۳۳۹
- ۲۳۳- ڈرنا ہوں آپ کی غفکی کا سبب نہ ہو ... ۳۴۰
- ۲۳۴- اے جان کیوں نہ عاشق مغرور بل میں ہو ... ۳۴۰
- ۲۳۵- عجب سے کیا احساں دیکھتے ہو ... ۳۴۱
- ۲۳۶- مزہ مطامع کا دے ، فکر دو چار ہو تو ایسی ہو ... ۳۴۱

(ہ)

- ۲۳۷- کس کو غرض رہے جو اسیر بلا کے ساتھ ... ۳۴۲

- ۲۳۸- ہستی چھٹی ہوئی ہے عدم کی خبر کے ساتھ ... ۳۴۴
- ۲۳۹- ہو اہل کرم ، کیا میں کہوں تم سے زیادہ ... ۳۴۴

(مے)

- ۲۴۰- راحت ہے جو تکلیف کی تاثیر بدل جائے ... ۳۴۵
- ۲۴۱- بے تابی فراق سے عالم بدل نہ جائے ... ۳۴۶
- ۲۴۲- کیا دل میں ارادہ ہے جو باندھے کمر آئے ... ۳۴۷
- ۲۴۳- جواب دیکھئے کب لے کے نامہ بر آئے ... ۳۴۸
- ۲۴۴- لو دل کی دہی دل میں ، حسرت نہ بر آئی ... ۳۴۸
- ۲۴۵- آیا ہے خیال بے وفائی ... ۳۴۹
- ۲۴۶- اب وہ گلی جائے خطر ہو گئی ... ۳۵۰
- ۲۴۷- ہم نفس بھرا آہ و زاری ہو گئی ... ۳۵۱
- ۲۴۸- الطاف جو وہ آپ کے ہائے نہیں جانتے ... ۳۵۱
- ۲۴۹- اے جان لڑکپن کی تری مت نہیں جانی ... ۳۵۲
- ۲۵۰- کب آ کے مرے پاس وہ برہم نہیں ہوتے ... ۳۵۲
- ۲۵۱- ہم قاب سوال لب سائل نہیں رکھتے ... ۳۵۳
- ۲۵۲- ماننے کے نہیں نشان ہمارے ... ۳۵۳
- ۲۵۳- اب تک تو نہ ہکڑے تھے گرفتار سمھارے ... ۳۵۵
- ۲۵۴- لڑکپن میں یہ ضد ہے جاتی سمھاری ... ۳۵۶
- ۲۵۵- شکایت کے عوض ہم شکر کرنے ہیں صنم تیرے ... ۳۵۶
- ۲۵۶- پہلو کو چہر کلش مرا دل نکل ہڑے ... ۳۵۷
- ۲۵۷- برہم ہیں وہ غیر بے حیا ہے ... ۳۵۸
- ۲۵۸- خالی نہیں فلک بھی جنوں کے عذاب سے ... ۳۵۹
- ۲۵۹- کیا سب کیوں چپ ہیں زخموں کے دھن تصویر سے ... ۳۶۱
- ۲۶۰- اے ہم نفس شب وصل کی گزرے گی خاک آرام سے ... ۳۶۲
- ۲۶۱- بزمِ بین جاتی ہے مقتل تری مہجوری سے ... ۳۶۳
- ۲۶۲- ہوتا ہے حسنین کے مقابل کئی دن سے ... ۳۶۴
- ۲۶۲- ہے ہر سر مرگن سے چکان اشک تو ایسے ... ۳۶۵
- ۲۶۳- باہم بلند و پست ہیں کیف شراب کے ... ۳۶۶

- ۲۶۵- زائد نے خاک لطف آٹھائے شباب کے ۳۶۷
- ۲۶۶- ہنس رہے ہیں شور سن سن کر مری فریاد کے ... ۳۶۸
- ۲۶۷- ارمان نکل جائیں کچھ عاشق مضطر کے ۳۶۹
- ۲۶۸- تا فلک پہنچے ہیں شہرے یار کے ۳۷۰
- ۲۶۹- ہو گئے سب عضو تن سیدھے قرے رنجور کے ... ۳۷۱
- ۲۷۰- تھے شب ہجر میں کیا کیا دھڑکے ۳۷۲
- ۲۷۱- نہ سمجھے مگر کے آنسو ہیں اس غارت گر جاں کے ۳۷۲
- ۲۷۲- کہتے ہیں سن کے تذکرے مجھ غم رسیدہ کے ... ۳۷۳
- ۲۷۳- اشک آنکھوں میں ڈر سے لا نہ سکے ۳۷۴
- ۲۷۴- اب آنے ہو صدا سن کر کجری ۳۷۵
- ۲۷۵- کرتی ہے بے قرار صدا بے قرار کی ۳۷۶
- ۲۷۶- بس کہ ہے دل میں ہوس نظارہ ہائے یار کی ... ۳۷۷
- ۲۷۷- تھی سزا کتنی حلاوت زا مری تصویر کی ۳۷۸
- ۲۷۸- ناصح مشفق یہ مشق تازہ فرمانے لگے ۳۷۸
- ۲۷۹- فصل گل آتی ہے گل اور ہی ساماں ہوں گے ... ۳۷۹
- ۲۸۰- وصل کی رات ہے آخر کیہیں عرباں ہوں گے ... ۳۸۱
- ۲۸۱- یہ وہ قالے ہیں جو لب تک آئیں گے ۳۸۱
- ۲۸۲- اشک عدو میں دیکھو جاں تک گنوا ہی دیں گے ۳۸۲
- ۲۸۳- جب اور کسی پر کوئی بے داد کرو کے ... ۳۸۳
- ۲۸۴- صفائی دیر میں قاتل سے ہوگی ۳۸۴
- ۲۸۵- تا عرش تیری شورش بے داد جائے گی ۳۸۵
- ۲۸۶- حقیقت سے زباں آگاہ کر لے ۳۸۶
- ۲۸۷- لازم ہے کہ آغاز ہو انجام سے پہلے ۳۸۷
- ۲۸۸- دیکھی دل دے کے نبردانی ۳۸۸
- ۲۸۹- عزت دیوانگی بخشی مجھے تقدیر نے ۳۸۹
- ۲۹۰- کچھ سمجھتے ہیں جو اس ظالم کو سمجھائے ہوئے ۳۹۰
- ۲۹۱- سوال طرز سخن سے تمھارے پیدا ہے ۳۸۸

- ۲۹۰۔ وہی تو نے دیکھا کہ جو دل کہا تھا
 نہ ہو اس پہ شیدا کہ وہ بدبلا ہے ... ۳۸۱
- ۲۹۳۔ شب وصات میں گھڑ پالی ہمیں کیا کیا ولاتا ہے ۳۸۱
- ۲۹۴۔ رنج باہم میں زباں پر جو گلا آتا ہے ... ۳۹۰
- ۲۹۵۔ گنگ ہیں جن کو خموشی کا مزا ہوتا ہے ... ۳۹۰
- ۲۹۶۔ چار غنچکی دیتا ہے جو دل خستہ ہوتا ہے ... ۳۹۲
- ۲۹۷۔ دکھاتا ہے چہری بھر مزدے بے داد دیتا ہے ... ۳۹۳
- ۲۹۸۔ یہ حالت ہے تشفی کیا تو اے دم باز دیتا ہے ... ۳۹۴
- ۲۹۹۔ نفس پر دوش صیاد جفا طینت کا پھیرا ہے ... ۳۹۴
- ۳۰۰۔ محض مانع مے ہے ہمیں ، دیوانہ ہے ... ۳۹۵
- ۳۰۱۔ نئے ڈھب کا کچھ جوش سودا ہوا ہے ... ۳۹۵
- ۳۰۲۔ بڑے ہیں مے گناہ یہ قصد ثواب ہے ... ۳۹۷
- ۳۰۳۔ لب پر اک پردہ نشیں کا شکوہ بے داد ہے ... ۳۹۷
- ۳۰۴۔ عجب تیر نگہ میں کچھ اثر ہے ... ۳۹۹
- ۳۰۵۔ راز مخفی لب تلک آئے کہاں مقدر ہے ... ۳۹۹
- ۳۰۶۔ پاس ہو کر کچھ دنوں ہم چشم بے عمل میں رہے ... ۴۰۰
- ۳۰۷۔ کس قدر قید تعلق سے طبیعت پاک ہے ... ۴۰۲
- ۳۰۸۔ سفر ہے دشوار خواب کب تک بہت بڑی منزل
 عدم ہے ... ۴۰۳
- ۳۰۹۔ یہ نہ سمجھے حائے یہ آغاز بد انجام ہے ... ۴۰۴
- ۳۱۰۔ تو ضعف سے اب یہ حال تن ہے ... ۴۰۴
- ۳۱۱۔ سوز فرقت سے یہ گرمی یہ سرا شیون ہے ... ۴۰۵
- ۳۱۲۔ بلا ہے کون جان پر ہو سکے ، آفت کا۔ اسیان ہے ... ۴۰۶
- ۳۱۳۔ کہیں کیا دست وحشت کا کہاں تک ہم یہ احسان ہے ... ۴۰۶
- ۳۱۴۔ وصل کے نام سے آزدہ جو تو اے جاں ہے ... ۴۰۸
- ۳۱۵۔ اثر احسب کی سرکشگی کا سر میں ہے ... ۴۰۸
- ۳۱۶۔ اس گل کا جلوہ گر جو سراہا نظر میں ہے ... ۴۰۹
- ۳۱۷۔ بلندیوں پر ہے اپنی پستی یہ اوج کس خاکسار میں ہے ... ۴۱۰

- ۳۱۸- مخلص کب ہے کہ سرخ روح قید تن میں ہے ... ۳۱۱
- ۳۱۹- کشت نہ کر ادھر ادھر بے خبری جہاں میں ہے ... ۳۱۳
- ۳۲۰- نہیں ہیں اس درجہ بے ادب ہم کہیں جو آن کے
- دھن نہیں ہے ۳۱۳
- ۳۲۱- ہم کہیں دینے ہیں زحمت خوردہ ہے ۳۱۴
- ۳۲۲- سن لے یہ التماس مرا دوستانہ ہے ۳۱۵
- ۳۲۳- مست کس درجہ نگاہ ساقی مستانہ ہے ۳۱۶
- ۳۲۴- کلے ہر آج رکھ کر فیح قاتل نے آٹھائی ہے ... ۳۱۶
- ۳۲۵- کھلی ہے آنکھ جوش انتظار ہار جانی ہے ۳۱۷
- ۳۲۶- دینے ہو بوسہ تو کہیں لاؤ بھی ۳۱۸
- ۳۲۷- پھر اس کے پھندے میں جا رہے ہیں کہ جس کے
- پھندے میں جا چکے تھے ۳۱۸
- ۳۲۸- خوف مانع ہے ترا او ستم ایجاد مجھے ۳۱۹
- ۳۲۹- ملا ہے دل بھی محبت سے داغ دار مجھے ۳۱۹
- ۳۳۰- کہے سجدے ہوئے کانٹہ نہ کچھ دل میں
- ذرا سمجھے ۳۲۰
- ۳۳۱- مری جان رنج گھٹائیے قدم آگے اب نہ بڑھائیے ... ۳۲۰
- ۳۳۲- نہ یوں نیچی کہے گردن کو چلیے ۳۲۱
- ۳۳۳- آجائے موت بلبل ناشاد کے لیے ۳۲۱
- ۳۳۴- جو چوٹ ہے اے دل تری خالی نہیں جاتی ... ۳۲۲
- ۴ - متفرقات (اشعار غزل) ۳۲۵ تا ۳۲۹

۵ - محاسن :

- ۱ - بوسہ دینے میں غضب لائیے گا ۳۳۴
- ۲ - حکم ہو چھیں گے تو فرمانیے گا ۳۳۷
- ۳ - کچھ خبر دیتی ہے فرہاد عنادل باغ میں ۳۳۱

۶۔ رہاویات :

- ۱۔ تن آتش غم سے بے جلائے نہ رہوں ... ۴۴۵ ...
 ۲۔ انسان کا جو کذب پر شعار آتا ہے ... ۴۴۷ ...

۷۔ قصائد :

- ۱۔ پیرہن میں ہے مرا شاعر مضمون پنہاں ... ۴۵۱ ...
 ۲۔ ہر ترقیب سخن دو حرف بھی ممکن کہاں ... ۴۵۸ ...
 ۳۔ کیوں نہ گنجائش مضمون میں نظر آئے خلل ... ۴۶۵ ...
 ۴۔ شوخیان کرتی ہے کہا کہا دم دہدار نظر ... ۴۷۲ ...
 ۵۔ برشتگی ہے نگہ میں یہ گرم ہے جویں ... ۴۷۶ ...
 ۶۔ کہاں ہے ایک طرح پر یہ دور لیل و نهار ... ۴۸۰ ...
 ۷۔ دیکھ تو رفعت انسون بتان طرار ... ۴۸۳ ...
 ۸۔ بعد مدت فکر کا کرتے ہیں ہم آج امتحان ... ۴۸۷ ...
 ۹۔ کثرت عیش سے یہ بے خبری ہے ہر دم ... ۴۹۲ ...
 ۱۰۔ یہ وقعت کلام کسی کے ایسے کہاں ... ۴۹۷ ...
 ۱۱۔ تحریر کا وقت آگیا لکھ نام آدمس اے قلم ... ۵۰۰ ...
 ۱۲۔ ذرا تو چین دے او دل تھپے خدا کی قسم ... ۵۰۲ ...
 ۱۳۔ بہار آئی کھلے ہیں لہجے زمر دہیں ہے چمن کا سامان ... ۵۰۶ ...
 ۱۴۔ مانند شانہ ہے خلشوں پر جو روزگار ... ۵۰۹ ...
 ۱۵۔ اے فلک انوس کیوں کرتا ہے ہم سے امتحان ... ۵۱۲ ...
 ۱۶۔ درہقا کہ یہ دور لیل و نهار ... ۵۱۵ ...

۸۔ مثنوی تاریخ طبع تذکرۂ سراپا سخن ... ۵۱۹ ...

۹۔ مثنوی تاریخ تولد لرزلہ ارجمند منشی لول کشور ... ۵۲۲ ...

۱۰۔ قطعات تارضی فارسی :

- ۱۔ قطعۂ تاریخ بنائے امام باڑہ حکیم یعسوب ... ۵۲۲ ...
 ۲۔ قطعۂ تاریخ مثنوی نالہ تسلیم ... ۵۲۳ ...

- ۳- قطعہ تاریخ بتائے مسجد و سی علی خان ... ۵۲۳
- ۴- قطعہ تاریخ وفات محمد مصطفیٰ علی خان ... ۵۲۳
- ۵- قطعہ تاریخ تولد فرزند محمد عبدالرحمان خان ... ۵۲۳
- ۶- قطعہ تاریخ طبع دیوان قبول ... ۵۲۵
- ۷- مثنوی تاریخ طبع دیوان قبول ... ۵۲۶
- ۸- قطعہ تاریخ کدخدائی فرزند نواب شرف الدولہ بہادر ... ۵۲۷
- ۹- قطعہ (مثنوی) تاریخ طبع گلستان سعدی ... ۵۲۷
- ۱۰- قطعہ تاریخ وفات خواجہ وزیر ... ۵۲۹
- ۱۱- قطعہ تاریخ طبع دیوان وزیر ... ۵۲۹
- ۱۲- تاریخ (مثنوی) طبع اخلاق محسنی ... ۵۳۰
- ۱۳- تقریظ از منشی امیراللہ تسلیم لکھنوی ... ۵۳۳
- ۱۴- قطعات تاریخ وفات نسیم از مختلف شعرا ... ۵۳۵
- ۱۵- خاکبہ الطبع ... ۵۳۰
- ۱۶- قطعات تاریخ طبع کلیات نسیم دہلوی ... ۵۳۲
- ۱۱- 'تشریحات ... ۵۳۹
- ۱۲- ضمیمہ (۱) ... ۵۵۶
- ۱۳- ضمیمہ (۲) : مثنوی سرور ولادت حضرت خاتم الرسالت ... ۵۶۹
- ۱۴- حرف آخر ... ۵۹۸

مقدمہ

حیات نسیم دہلوی

(از کاپ علی خان فائق)

اصغر علی نسیم دہلوی کی غزل

(از سید عابد علی عابد)

حیات نسیم دہلوی

اردو کے مشہور شعرا میں نسیم دہلوی بھی شمار کیے جاتے ہیں۔ یوں تو مومن کے بعض شاگردوں نے بہت شہرت پائی اور اساتذہ میں شمار کیے جاتے ہیں مثلاً نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، میر حسین تسکین، حکیم مولا بخش قلی وغیرہ، لیکن سلسلہ مومن کو آگے بڑھانے میں زیادہ ہاتھ نسیم کا ہے۔ حسرت موہانی اسی سلسلے کی کڑی تھے۔ لیکن یہ اس حیرت انگیز ہے کہ نسیم کے حالات زندگی تاریکی میں رہے۔ تذکروں میں جو کچھ حالات ملتے ہیں ان کا خلاصہ بالاتفاق یہ ہے :-

- ۱۔ نندہ عندلیب، صفحہ ۲۵۷ - تذکرہ سراپا سخن، صفحہ ۴۲۰ - سخن شعرا، صفحہ ۵۱۹ - تذکرہ طورکام، صفحہ ۱۱۶ - تذکرہ بزم سخن، صفحہ ۱۱۲ - تذکرہ نادر، صفحہ ۱۶۴ - مجموعہ سخن، صفحہ ۱۰۴ - تذکرہ گل رعنا، صفحہ ۳۹۲ - تاریخ ادب اردو یعنی ہسٹری آف اردو لٹریچر، صفحہ ۲۷۹ - تاریخ ادب اردو مرتبہ ادارہ ادبیات اردو، صفحہ ۱۱۷ - قاموس المشاہیر، ج ۲، صفحہ ۲۵۷-۲۵۸ - انتخاب زریں، صفحہ ۷۷ - آب حیات، صفحہ ۴۹۴ - مطبع مجبائی دہلی ۱۸۹۹ء - لکھنؤ کا دبستان شاعری طبع اول صفحات ۲۰۸-۲۱۲ - دلی کا دبستان شاعری طبع اول صفحہ ۲۶۲، ۲۶۳ - رسالہ زمانہ فروری ۱۹۱۹ء صفحات ۹۰ تا ۹۷ - تذکرہ شمیم سخن، صفحہ ۲۳۹، ۲۴۰ - تذکرہ یادگار شمیم، صفحہ ۴۰ - تذکروں کا تذکرہ سمبر 'نگار' ۱۹۶۴ء - تواریخ نادرالعصر، مؤلفہ نول کشور صفحات ۱۶ تا ۲۰ - جلوۂ داغ، صفحہ ۱۷، ۱۸ - حیات جاودانی معروف حیات تسلیم مصنفہ عرش گیاوی، صفحات ۱۸ تا ۵۵ -

- ۱۔ نسیم کے والد کا نام آقا (آغا) علی خان تھا۔
- ۲۔ نام اصغر علی خان تخلص پہلے اصغر پھر نسیم ہوا
ولادت ۱۲۱۳ء بہ مقام دہلی۔
- ۳۔ نسیم کے تین بھائی اور تھے اکبر علی خان (بڑے بھائی)
محمد حسین خان۔ احمد حسین خان۔
- ۴۔ آقا علی خان کے انتقال پر نسیم کا اپنے بھائیوں سے
تقسیم جائداد پر جھگڑا ہوا اور رنجش اتنی بڑھی کہ
نسیم بڑے بھائی اکبر علی خان کو ساتھ لے کر
واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے عہد حکومت (فروری
۱۸۳۷ء تا فروری ۱۸۵۶ء) یا آخر عہد حکومت میں
لکھنؤ آ گئے۔
- ۵۔ نسیم اور ان کے بڑے بھائی اکبر علی خان وضع داری
سے لکھنؤ میں زندگی گزارنے لگے۔ گھر پر
لونڈیاں تھیں۔
- ۶۔ نسیم مطبع مصطفائی میں (عہد نامعلوم) خوش نویسی
کرتے تھے۔
- ۷۔ نسیم منشی نول کشور کے مطبع میں ملازم تھے اور
الف لیلہ جلد اول منظوم کرتے تھے۔ منشی نول کشور
کے ہاں کام جلد ختم کرنے کی تاکید کی گئی تو
ملازمت ترک کر دی۔
- ۸۔ کچھ عرصے بعد نسیم ۱۲۸۲ء (بقول بعض ۱۲۸۳ء)
میں انتقال کر گئے۔
- ۹۔ دو بیویاں تھیں جن سے دو لڑکے یادگار رہے۔ اسماعیل
مع اپنی بیوی کے حج کو گئے، پھر کر نہ آئے۔
دوسرا لڑکا پاگل ہے۔

۱۔ کلام بے شمار تھا۔ بے پرواہی اور عدم توجہی سے برباد ہوا۔ کچھ کلام شاگردوں نے جمع کر کے ”دقترشگرف“ کے نام سے چھپوا دیا (۱۲۸۵ھ)

۱۱۔ شاگرد لکھنؤ میں بے شمار تھے۔ عبداللہ خان مہر، شیخ اشرف علی اشرف، مرزا مجھو بیگ عاشق، منشی احمد حسین عرف امیر اللہ تسلیم، خیراتی لال شکنتہ وغیرہ

ایسے مشہور استاد کے حالات زندگی جب کہ تسلیم حیات تھے، تفصیلی طور پر نہ بتا سکے۔ حسرت موہانی کی دست رس میں تمام تذکرے تھے اور ان کے ملاقاتیوں میں نسیم کے شاگرد بھی تھے۔ اگر ان چند باتوں کے سوا جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور کوئی ایسی بات جو نسیم کے حالات کو واضح کرتی نہ لکھ سکے۔

مصنف کے سوانح حیات وہی مستند سمجھے جاتے ہیں جو اس نے خود بیان کیے ہوں۔ بیان کی عدم موجودگی میں معاصرین کی شہادتیں دیکھی جاتی ہیں۔ نسیم کے حالات کے ذیل میں صرف اس کے شاگرد رشید تسلیم کے بیان پر انحصار کیا گیا ہے۔ دوسرے معاصرین نے اس کے حالات زندگی قلم بند کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس لیے بعض ایسی روایتیں بھی نسیم کے سوانحی حصے میں داخل ہو گئی ہیں۔ جن کا اثبات کسی دستاویز سے نہیں ہوتا اور کلام نسیم سے ان کی تردید ہوتی ہے۔ میں نے بحث کو مختصر کر کے صرف کلام نسیم سے اس کے سوانحی حالات مرتب کرنے کی کوشش کی ہے اور پہلی مرتبہ روایات کو نظر انداز کر کے خود نسیم کے بیانات سے مستند حالات پیش کر رہا ہوں۔ قیاسات سے بھی کام لیا گیا ہے لیکن بہت کم۔ اب نسیم کے حالات کچھ اس کی اور کچھ تسلیم کی زبانی سنئے :-

اصغر علی خان | نسیم کی ولادت ۱۲۱۴ھ (مطابق ۱۷۹۹ء) ، ۱۸۰۰ء) میں دہلی میں ہوئی۔ باپ آقا علی خان قدیم اسرا میں سے تھے اور نواب کا خطاب رکھتے تھے۔ اگرچہ اسرا کی مالی حالت مغل حکومت کے زوال کی وجہ سے بتلی ہو چکی تھی مگر پھر بھی اپنی ساکھ قائم رکھنے کے لیے ہر اس پرانی وضع داری کو نبھا رہا تھا۔ نسیم نے بھی قدیم شرفاء کی طرح ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔ فارسی کی درسی کتابوں کے علاوہ خوش خطی بھی سیکھی۔ عربی کی متداولہ کتابیں بھی پڑھیں۔ جب ذرا ہوش آیا تو دلی کے مشاعروں کی رودادیں سن کر اور ہم صحبت نوجوانوں سے متاثر ہو کر شعر و شاعری کا بھی چسکا ہو گیا۔

مومن ، غالب اور ذوق بزمِ سخن کو گرما رہے تھے۔ اصغر علی خان نے بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔ شاعری کا شوق کس سن میں ہوا اس کا تعین دشوار ہے البتہ بیس سال کی عمر میں شوق شعر و سخن ہونا قرین قیاس ہے۔ مومن کی شاعری نو مشقی سے گزر کر پختہ مشق تک پہنچ چکی تھی۔ ۱۲۳۴ھ کے لگ بھگ استاد ی اور شاگرد ی کا سلسلہ قائم ہوا ہو گا۔ نسیم کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلے اصغر تخلص کرتے تھے ، پھر نسیم تخلص اختیار کیا۔ آزاد مرحوم کو اشتباہ ہوا تھا اور آب حیات میں اصغر علی خان اصغر رام پوری شاگرد مومن کو نسیم دہلوی سمجھتے ہوئے ذکر کیا کہ ”آہاں کے لیے“، طرح مقرر ہوئی اور مومن خان خود اس شاعرے کی دعوت دینے آئے تھے۔ اصغر علی خان اصغر جنہوں نے بعد میں نسیم تخلص اختیار کیا ، ان کے یہاں مشاعرہ تھا۔ جلوۂ داغ میں احسن مارہروی بھی داغ کے حوالے سے نسیم کے یہاں مشاعرہ

منعقد ہونا اور داغ کا اس میں شامل ہونا بیان کرتے ہیں۔
لیکن دیوان ذوق میں آزاد نے اس اشتباہ کو دور کر دیا۔ اور
داغ کی غلط فہمی کو بھی رفع کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں :

۱۸۳۵ء میں نواب اصغر علی خاں کے ہاں رام پور کے بعض
خوانین آئے۔ بڑی دھوم دھام سے شاعرہ کیا تھا۔ وہاں
یہ غزل پڑھی گئی تھی۔ نواب موصوف، نواب عبداللہ خاں
صدرالصدور میرٹھ، کے بیٹے تھے۔ (دیکھو صفحہ ۹۸)
اصغر علی خاں، مومن خاں سے اصلاح لیتے تھے۔ انہیں ساتھ
لے کر اتحاد مرحوم کے پاس آئے۔ اور بڑے اصرار سے
مشاعرے میں آنے کا اقرار لیا۔ اللہ اکبر، یاد ایام، استاد
میرے والد مرحوم کے بغیر مشاعرے میں نہ جاتے تھے ان
کے پاس آئے۔ والد نے کہا دل افسردہ ہو گیا، میں ادھر
نہیں جانا تم جاؤ۔ مگر جاؤ گے تو سنو گے کسے اور سناؤ
گے کسے؟ استاد نے کہا جی تو میرا بھی نہیں چاہتا مگر
کیا کروں، وہ دونوں آئے تھے۔ میں نے بھی ان کے اصرار
سے وعدہ کر لیا ہے۔ تم نہ جاؤ گے تو میں بھی نہ جاؤں گا۔
بندۂ آزاد اس وقت تک ایسے جلسوں میں نہ جاسکتا تھا۔
جب تک کوئی ایسا ہی بزرگ ساتھ نہ ہو۔ اور شاعرہ
کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں نے بھی والد مرحوم سے کہا۔
غرض کہ مشاعرے میں گئے۔

ثبات کب ہے زمانے کے عز و شان کے لیے

کہ ساتھ روح کے ہستی ہے آسمان کے لیے

(دیوان ذوق مرتبہ آزاد مطبع رفاه عام لاہور ۱۹۲۲ء) نیز

دیکھئے صفحات ۱۹۹ تا ۲۰۱۔ مومن، صفحات ۱۲۷ تا ۱۳۱۔

مؤلفہ راقم۔

نسیم کے مکان پر مشاعرے منعقد ہونے کا ثبوت جلوۂ داغ سے فراہم نہیں ہوتا۔ معاصر تذکرے جو نسیم کی حیات میں دہلی میں لکھے گئے۔ یعنی گلشن بے خار (شیفتہ) طبقات الشعراء (کریم الدین) اور گلستان سخن، وہ نسیم کے ذکر سے خالی ہیں۔ نسیم کی مشق سخن اگر دہلی میں معراج کمال کو پہنچ چکی تھی اور اس کے اشعار نے قبولیت عامہ حاصل کر لی تھی، تو ان تذکروں میں اس کا کلام کیوں بار نہ ہا سکا۔ اس کا کوئی شافی جواب نہیں۔ شیفتہ استاد بھائی ہیں، نسیم کسی مجہول خاندان سے نہیں، پھر شیفتہ نے انہیں کس بنا پر نظر انداز کر دیا۔ کریم الدین کے تذکرے میں ہر درجے کے شاعروں کے حالات ملتے ہیں لیکن نسیم کو بھلا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح صابر، جن کے تذکرے کو صہبائی کا تذکرہ بھی کہا جاتا ہے، وہ نسیم کی زندگی یعنی ۱۲۷۱ھ میں دلی کے شعرا کو زندہ جاوید کرنے اٹھتے ہیں اور نسیم کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ اس عہد میں لکھنؤ میں نسیم، علم استادۃ بلند کیے ہوئے تھے۔

اس بحث سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نسیم، گلشن بے خار کی تالیف ۱۲۳۸ھ تا ۱۲۵۰ھ کے وقت دہلی میں نہ تھے۔ کریم الدین اور صابر کی نظر سے بھی، نہ ان کا کلام گزرا نہ انہیں ان کے حالات معلوم ہوئے۔ اسی وجہ سے وہ حالات اور کلام پیش نہ کر سکے۔ جب غالب نے گل دستہ اودھ اخبار میں نسیم کا کلام دیکھا تو منشی نول کشور سے وضاحت چاہی۔ انہوں نے نسیم سے حالات دریافت کر کے لکھے تو غالب کو لکھنا پڑا ”کہ رہا جسم، عقیق یاقتم“۔

ورود لکھنؤ ۱۲۲۲ھ نسیم کس سن میں دلی کو چھوڑ کر
لکھنؤ پہنچے اس کا تعین تسلیم نے دہاچہ دفتر شگرف (صفحہ ۲، ۳)
میں کیا ہے۔ ان کا بیان ہے :-

شیخ امیر اللہ تسلیم ارباب سخن کی خدمت میں التماس آرا
ہے اغنی ۱۲۳۳ھ ۲۸ ۱۸۲۹ء میں شاعر رنگین
بیان نکتہ ور رشک سبحان ہم بایہ قدسی و کلیم جناب میرزا
محمد اصغر علی خان نسیم ابن نواب آقا علی خان قاجار شاگرد
جناب حکیم محمد مومن خان خطہ پاک دہلی سے لکھنؤ میں
تشریف فرما ہوئے غلطہ شیوا بیانی، آوازہ نکتہ دانی بلند ہوا۔
اکثر صفار و کبار و امرا نے روزگار فیض یاب تلمذ
حضرت والا ہوئے۔ ہر طرف شاعری کی دھوم ہوئی۔
معاملہ بندی کی حقیقت معلوم ہوئی۔ فصاحت نے سب کی
زبان پر زھر کھایا۔ بلاغت نے زمین شعر کو آسمان بنایا۔ واقعی
چشتی بندش میں کچھ کلام نہیں، زوائد کا کہیں نام نہیں،
اس بیان سے نہ صرف لکھنؤ جانے کی تاریخ متعین ہو جاتی
ہے بلکہ نسیم کے پہنچنے پر لکھنؤی شعرا کے تلامذہ کا ان کے
کلام سے متاثر ہو کر اپنے قدیم اساتذہ سے انحراف کرنا اور ان
کی شاگردی میں آنا بھی واضح ہو جاتا ہے۔ تسلیم کے
سنہ ولادت ۱۲۳۵ھ کو نظر میں رکھتے ہوئے اس بیان کو
شیدہ شہادت کا درجہ دینا پڑے گا۔ تسلیم ۱۲۶۰ھ کے لگ بھگ
ان کے تلامذہ کے زمرے میں داخل ہوئے اس لیے قدیم تلامذہ میں
حکیم محمد ابراہیم حکیم - خیراتی لال شکفتہ وغیرہ ہیں۔ ناسخ اور
آتش کی استادی کا سکھ عوام اور خواص کے دلوں پر جا ہوا تھا
نسیم نے اس فضا کو اپنی صلح پسند طبیعت سے ہموار کیا۔ ناسخ
اور آتش کی استادی کو تسلیم کرتے ہوئے اور ان کی اصلاح زبان

کی تجاویز قبول کرنے ہوئے رنگ مومن کو پیش کیا۔ غالب، مومن اور ذوق زبان کے مسئلے میں اس وقت تک قدامت پرستی کے قائل تھے اور لکھنؤ کی اصلاحات کو قبول کرنے میں متامل تھے۔ لیکن نسیم نے پیش قدمی کی۔ اس کا رنگ سخن نوجوان طبقہ نے قبول کیا اور رفتہ رفتہ نسیم کے لیے لکھنؤ میں فضا موافق ہو گئی۔ نسیم کے سواغ نکار لکھتے ہیں کہ باب کے انتقال پر بھائیوں سے جھگڑا ہوا اور نسیم اپنے بڑے بھائی اکبر علی خاں کو ساتھ لے کر لکھنؤ آ گئے۔ جائداد انہوں نے بھائیوں کے لیے چھوڑ دی۔ کچھ دن بعد ان کے بھائیوں (احمد حسین خاں - محمد حسین خاں) کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور واپسی کے لیے ۵۰۰ روپے بطور زادہ بھیج کر بلایا۔ لیکن انہوں نے باوجود شکستہ حالی یہ رقم قبول نہ کی اور وطن جانے کا نام نہ لیا۔

ان کی دلی میں زندگی، ایرانہ ٹھاٹ سے گزرتی ہوئی۔ اس کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے کہ دو لونڈیاں دردانہ اور موق نام تھیں انہیں غربت میں بھی علاحدہ نہ کیا اور جب ان کے بھائی اکبر علی خاں گھر سے نکلتے تو غلام ساتھ ہوتا۔

آخر ضروریات نے تنگ کیا تو انہوں نے اسراے وقت کا سہارا تلاش کیا۔ شرف الدولہ محمد ابراہیم خاں خلف خواجہ عبدالحکیم کشمیری النسل تھے۔ ان کی مدح میں قصائد لکھے۔ ان کا عہد وزارت ۱۸۳۸ء سے ۱۸۴۲ء تک ہے۔ اور ان کو محمد علی شاہ کے وزیر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ دو قصیدوں میں ان کی وزارت کا ذکر موجود ہے۔ اس لیے یہ بات متیقن ہے کہ وسط ۱۸۳۸ء اور ۱۸۴۲ء کے درمیان نسیم نے یہ قصیدے لکھے۔ اس سے پہلے کسی اور امیر سے وابستہ ہوئے ہوں، اس کا ثبوت موجودہ دیوان سے نہیں ملتا۔ اسباب معاش کی فراہمی کی کوشش

ضرور کی ہوگی۔ بڑے بھائی تو خانہ نشین ہو چکے تھے اس لیے ضروریات زندگی کی فراہمی کا انحصار صرف نسیم پر تھا۔ اس نے جو کچھ بھی کیا، اس کا پتا اس حد تک ملتا ہے کہ جب شرف الدولہ اور ظفر الدولہ اس کی مالی مشکلات کو حل نہ کر سکے تو اس نے اپنی ذاتی صلاحیت سے فائدہ اٹھایا اور خوش نویسی شروع کر دی۔ عبداللہ خان مہر اس کے شاگرد تھے اور ان کے والد نے مطبع مصطفائی قائم کیا تھا۔ نسیم نے اسی مطبع میں کتابت شروع کر دی۔ اشرف علی اشرف کسمنڈوی مقیم لکھنؤ (شاگرد نسیم) بھی اسی مطبع میں کتابت کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے تھے۔ اس طرح نسیم کو گزر بسر کا سہارا مل گیا۔ تسلیم بھی اسی جماعت میں آکر شامل ہو گئے اور اب کتابت اور شاعری کی وجہ سے نسیم کا چرچا جا بہ جا ہونے لگا۔

نسیم نے شاعری بہ طور تفریح طبع اختیار کی تھی لیکن یہی آس کا فن ٹھہر گیا۔ ناسخ اور آتش کے شاگرد لکھنؤ کی ادبی فضا پر چھائے ہوئے تھے۔ کسی دھلوی شاعر کا اس مجمع عام میں نغمہ سرائی کرنا دشوار تھا۔ لیکن نسیم نے بہت جلد فضا ہموار کر لی۔ آس کے شاگردوں کی تعداد بڑھنے لگی اور لکھنؤ کی کلیوں میں ایک دھلوی شاعر کا کلام گونجنے لگا۔ نسیم نے سرلیجیاں صریح طبع ہائی تھیں، اس لیے لکھنؤی اساتذہ کا ذکر احترام سے کرتے اور آں کی شاعری کا اعتراف کرتے۔ ملاحظہ ہو اپنے معاصرین ناسخ اور آتش کا ذکر کس محبت سے کرتے ہیں:

ناسخ مغفور تھا استاد یکتا اے نسیم
لکھنؤ والوں میں وہ سب سے نرالا ہو گیا

مصرع ناسخ پسند طبع والا ہے نسیم
ماہ' ہے اک خال رخسار شب دیچور کا

کلام آتش مرحوم سے بھی نالہ پیدا ہے
نسیم آگاہ تھا، کچھ وہ بھی درد آشنائی کا

اپنے اشعار کا آتش نے دیا آپ جواب
معارض ہو جیسے تو قابل ایراد ہیں سب

پد علی شاہ اور امجد علی شاہ کو شعر و شاعری سے
چندان شغف نہ تھا، لیکن بعض شاعر اپنی شہرت اور آسرا سے
وابستگی کی بنا پر دربار تک رسائی پا چکے تھے، اور بعض اپنی ذاتی
صلاحیتوں سے سرکاری اعلیٰ خدمات انجام دے رہے تھے۔ نسیم کا

۱۔ مولانا آزاد کا بیان ہے :-

”لکھنؤ سے شیخ ناسخ کی غزل اس طرح میں آئی۔ شہر میں چرچا
ہوا کہ ان شعروں پر شعر نہیں ہو سکتے۔ شاہ نصیر مرحوم استاذ وقت
تھے، ان کی صحبت میں بھی یہ باتیں پہنچیں۔ استاد مرحوم کی
اصلاح بند ہو چکی تھی مگر آداب شاگردانہ کی آمد و رفت جاری
تھی۔ یہ ان کی خدمت میں گئے، انہوں نے فرمایا، ”میاں ابراہیم
تم نے بھی وہ غزل دیکھی، یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟“
عرض کی ”حضرت سنا ہوں۔ ایسی تو نہیں جیسی لوگ کہتے
ہیں“ فرمایا۔ ”پھر تم نہیں کہتے؟“ کہا ”جو ارشاد ہو“ انہوں
نے فرمایا کہ ”ہم بھی کہیں گے، تم کیوں نہیں کہتے، دیکھو
تو وہ کیا کہتے ہیں۔“ جب ہی استاد نے یہ غزل کہی تھی۔ وہ
غزلیں پھر لکھنؤ گئیں۔ وہاں بھی تعریفیں ہوئیں۔“

(دیوان ذوق، مرتبہ آزاد مطبعہ رفقاہ عام لاہور، ۱۹۴۲ء صفحہ ۵۰)

چند نوجوان شعرا کو اپنے گرد جمع کر لینا بھی اہم کارنامہ ہے۔ ”خوش معرکہ زیبا“ (سعادت خاں ناصر) کا قطعہ تاریخ نسیم نے ۱۲۶۲ھ میں کہا ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۲۶۲ھ میں وہ مشہور ہو چکے تھے اور ناصر نے انہیں قطعہ تاریخ تذکرہ لکھنے کی دعوت دی۔ ۲۶- صفر ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۳- فروری ۱۸۴۷ء کو امجد علی شاہ کا انتقال ہوا اور واجد علی شاہؒ کو اودھ کی ریاست کی سربراہی سپرد کی گئی۔ واجد علی شاہ شعر و سخن اور دیگر فنون لطیفہ کے دل دادہ تھے۔ شاعری میں اختر تخلص کرتے تھے۔ شعرا کی بن آئی۔ نسیم نے اس شاعر بادشاہ کی مدح میں قصیدے کہہ کر اپنا جوہر کمال دکھایا۔ نسیم کو صلے سے نوازا گیا یا نہیں، دیوان نسیم اس بارے میں خاموش ہے، مگر واجد علی شاہ کی محتوعات میں سے حضور محل کی خدمت میں بھی نسیم نے قصیدہ پیش کیا تھا لیکن نسیم کی شاہی دربار تک رسائی نہ ہوئی۔ اودھ کے دربار میں تمام شاعر مقامی تھے اور نسیم دہلوی مولد اور موطن کی وجہ سے اجنبی، اس لیے یہ قول منیر ”شرمندہ ہوں میں اپنے کمالوں کے سامنے“، ناکام رہے۔ مرزا وحسی علی خان، علی اصغر خان اصغر اور رکن الدولہ کی مدح میں جو قصائد کہے ہیں، غالباً ان کا انجام وقتی مالی امداد پر منحصر رہا۔

۱- تذکروں کا تذکرہ بمبر سالنامہ ۱۹۶۳ء، نگار پاکستان، صفحہ ۱۸۹۔

”اسیر، اٹلہر اور نسیم کے قطعات فارسی میں ہیں اور ان سے ابھی

۱۲۶۲ھ تکنا ہے۔“

۲- تواریخ اودھ جلد دوم، صفحہ ۲ مؤلفہ سید کمال الدین حیدر مطبع

نول کشور ۱۹۰۷ء

خوش نویسی | عبداللہ خاں مہر کے والد محمد مصطفیٰ خاں نے مطبع مصطفائی جاری کیا اور نسیم کے آڑے اس کی خوش نویسی آگئی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے نسیم جون توں اپنی زندگی اس فن شریف کی بدولت گزارتے رہے۔ واجد علی شاہ فروری ۱۸۵۶ء میں مسند ریاست سے اتار دیے گئے اور ہزاروں شریف خاندان فاقہ کشی پر مجبور ہو گئے۔ نسیم کے شاگرد نواب محمد تقی خاں افسر نہ صرف اپنے استاد کی خدمت کرتے تھے بلکہ انہوں نے عرش خلف میر کی امداد بھی اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ تسلیم کی تنگ دستی میں بھی انہیں کی امداد آڑے آئی۔ جب تحریک آزادی وطن دشمن افراد کی مخالفت کی وجہ سے ناکام ہو گئی اور اودھ پر دوبارہ انگریزوں نے قبضہ کیا تو منشی نول کشور نے آخر ۱۸۵۸ء میں پریس قائم کیا اور اس میں قابل اور ذہین افراد ملازم رکھے؛ ان میں نسیم بھی تھے۔ خوش نویسی کے علاوہ نسیم کے سپرد الف لیلہ کا ترجمہ منظوم کیا گیا۔ نسیم دل جمعی سے اس منظوم ترجمے کی طرف متوجہ ہوئے۔ منشی نول کشور کاروباری آدمی تھے۔ جب منشی نول کشور نے ان پر تقاضا کیا کہ ترجمہ جلد کیا جائے تو نسیم اس پر برہم ہو گئے۔ پہلی جلد ختم کر چکے تھے، وہیں ہاتھ روک لیا اور کام کرنے سے انکار کر دیا۔ ۱۸۶۳ء تک منشی نول کشور کی ملازمت میں تھے۔ غالباً ۱۸۶۳ء میں یہ واقعہ پیش آیا، اس لیے دوسری جلد کا ترجمہ طوطا رام شایاں نے کیا اور چوتھی جلد کا ترجمہ شادی لال چمن شاگرد نسیم نے، جو ۱۸۶۵ء میں چھپا۔ نسیم نے اس کے بعد اپنی ضرورتوں

کی فراہمی کے لیے خوش نویسی اختیار کی یا خانہ نشین ہو گئے ،
اس کے متعلق کوئی واضح شہادت نہیں ۔ قریباً دو سال بعد
۱۳ رمضان ۱۲۸۲ء (مطابق ۳۱ جنوری ۱۸۶۶ء) کو نسیم
جہان فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے ۔

قطعات رحلت جو دیوان نسیم میں شامل ہیں ، ان میں سے
اسپر کا یہ قطعہ قابل ذکر ہے :

میرزا آن کہ بود کشور دہلی وطنش
صاحب علم و زبان دان و خرد مند و فہم
رفت از دار فنا جانب فردوس بریں
باد در مرتبہ قرب خداوند علیم
سال تاریخ وفاتش قلم کرد رقم

شد بہ حوران ارم از چمن دھرنسیم (۱۲۸۲ء)

شادی اور اولاد | شادی کی تاریخ متعین نہیں ، نہ کسی
تذکرہ نگار نے ذکر کیا ۔ عرش گیاوی کا بیان اس سلسلے میں
معلومات افزا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

سفر دہلی کے موقع پر میں نے خاندان مومن و نسیم کے
رہے لوگوں کی بہت تفتیش کی مگر کہیں کچھ پتا نہ ملا ۔
تنگ و ناچار سر پیٹ کر رہ گیا ۔ حضرت تسلیم فرماتے ہیں

”مومن و نسیم دونوں کے لڑکے تھے ؛ معلوم نہیں کہاں
ہیں ، کیا ہوئے ۔ نسیم مرحوم کا ایک لڑکا محمد اسماعیل بیگ
عرف بڑے سرزا منکوحہ بی بی سے تھا ۔ اپنی دلہن کو لے کر
حج کے لیے گیا ، پھر واپس نہیں آیا ۔ ایک دوسری عورت

مسافہ بتولن کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ یہ لڑکا ابتدا ہی سے مجنون و دیوانہ تھا، اب تک لکھنؤ میں ہے۔ کیا کہوں کہ اس سو برس میں کس کس طرح زمانے کا ورق اٹا اور کیا کیا ہوا۔ اب بوجہ کبر سن و ضعف دماغ کچھ یاد بھی نہیں رہا۔

(حیات جاودانی، معروف بہ حیات تسلیم، مصنفہ مولوی ضمیرالدین احمد عرش مقیم گیا مطبوعہ اردو پریس علی گڑھ صفحہ ۱۸، ۱۹)

اس بیان سے نسیم کی دو بیویاں ثابت ہوتی ہیں۔ پہلی بیوی کا نام معلوم نہیں، البتہ اس کے بطن سے جو لڑکا ہوا اس کا نام چد اسماعیل تھا۔ تسلیم کے اس بیان کی تائید مجموعہ مخزن نعت مطبوعہ مطبع گلشن چندی مارچ ۱۸۹۳ء سے ہوتی ہے۔ اس کے مرتبین ہمسر لکھنوی اور هنر لکھنوی اور مولوی اسماعیل شمیم ہسر اصغر علی خان نسیم دہلوی تھے۔

(نسخہ مملوکہ لائبریری پنجاب یونیورسٹی محبوب عالم کلیکشن۔) نسیم نے کس سنہ میں شادی کی، اس کا تعین دشوار ہے۔ بظاہر اس کی ولادت ۱۷۹۹ء کے پیش نظر دہلی سے روانہ ہونے سے پیش تر شادی کا ہونا قیاس چاہتا ہے۔ لکھنؤ میں نسیم کا قیام قریباً ۳۸ سال رہا۔ اس اڑیس سال کے عرصے میں کتنی اولادیں ہوئیں، اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں مولوی چد اسماعیل عمر میں تسلیم سے چھوٹے تھے اس لیے روانگی حج کے سلسلے میں تسلیم نے نسیم کی بہو اور مولوی چد اسماعیل کی بیوی کو دہن کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ روانگی حج کا واقعہ ۱۸۹۳ء (طباعت مجموعہ مخزن نعت) کے بعد پیش آیا ہوگا اور شمیم کی ولادت ۱۸۵۰ء کے لگ بھگ ہوتی ہوگی۔ تسلیم کے بیٹے نجمل حسین

کا سال ولادت ۱۸۸۹ء بتایا گیا ہے۔ شمیم غالباً تھیل حسین کے ہم عمر تھے اسی لیے اُن کی بیوی کو تسلیم نے دلہن کہا۔

اس شہادت کے سوا اور کوئی شہادت میسر نہ آ سکی۔ مولوی محمد اسماعیل شمیم سے نسیم کا سلسلہ چل رہا ہے یا منقطع ہو گیا، یا مسابہ بتولن دوسری بیوی سے نسیم کا سلسلہ نسب جاری ہے یا نہیں، اس بارے میں کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔

تصانیف | نسیم دھلوی اپنے کلام کو جمع کر کے نہ رکھتے تھے، اس لیے شاگردوں کے تقاضے کے بعد وہ ترتیب دیوان سے مجتبہ رہے۔ آخر شاگردوں نے کچھ کلام جمع کر کے نسیم کو دکھایا۔ نسیم نے اس مجموعے کو بھی نا پسند کیا۔ اُن کی وفات کے بعد نواب محمد تقی خان افسر کی مالی امداد سے شاگردوں نے وہی مجموعہ چھپوا دیا جو ”دفتر شگرف“ کے تاریخی نام سے موسوم ہوا۔ اس کے سوا الف لیلہ کی جلد اول کی ۲۰۱ راتیں نسیم نے منشی نول کشور کی فرمائش سے نظم کی ہیں؛ اس میں تخمیناً سولہ ہزار ایک سو اشعار ہیں۔

”الف لیلہ“ کی جلد اول میں بلند پایہ ساقی ناسے اور غزلیں بھی ملتی ہیں۔ جو کلام ضائع ہو گیا اس کا اندازہ نہیں۔ کچھ قطعات تاریخی اور قصائد متفرق کتابوں سے برآمد کر کے ”دفتر شگرف“ میں شامل کیے جا رہے ہیں۔ آئندہ شاید اور اشعار بھی دست یاب ہو سکیں۔

سردست الف لیلہ جلد اول منظوم اور ”دفتر شگرف“ کے سوا اور کوئی تالیف نسیم کی نہیں ہے۔

معاصرین | نسیم کے نمایاں معاصرین حسب ذیل ہیں : رنگین، شاہ نصیر، حافظ عبدالرحمان احسان، میر نظام الدین مٹنوں، محمد ابراہیم ذوق، مفتی صدرا الدین آزرده، مرزا اسد اللہ خان غالب

و اسد اور حکیم محمد مومن خان مومن - مندرجہ بالا اساتذہ دہلی کے بعض شاگرد جو درجہ دوم کے شعرا شمار کیے جاتے تھے ، لیکن استادی کے درجے تک پہنچ چکے تھے۔ مثلاً نواب مصطفیٰ خان شیفہ میر حسین تسکین وغیرہ۔ جب دہلی سے ۱۸۲۹ء کے متصل لکھنؤ پہنچے تو ناسخ اور آتش کی استادی کا عام چرچا تھا۔ ان کے سوا مصحفی ، سوز ، میر ، انشا اور جرات کے شاگرد بھی میدان سخن میں موجود تھے۔ نسیم نے مومن سے مشق سخن کی تھی۔ اس کا مذاق ، تراکیب کی ندرت ، بلندی خیال اور معنی یابی اور بندش چست کی طرف تھا۔

دہلوی اساتذہ اصلاح زبان کی طرف متوجہ نہ تھے جب کہ اودہ کے شعرا کو یہ خیال دامن گیر ہو گیا تھا کہ بعض دہلوی ہونا وجہ تفاخر نہیں ، اس لیے تہذیب اور ثقافت اور علم اور ادب کے ہر میدان میں دہلوی اساتذہ باکمال سے انحراف ضروری سمجھتے تھے۔ ایک طرف دہلوی باشندوں کی نسل صرف اپنے آبائی سرمایے پر اترا رہی تھی اور میدان کمال سے پیچھے ہٹ رہی تھی ، دوسری طرف اودھی باشندے ترقی کی ذہن میں ہر قدیمی روش کو چھوڑنے پر آمادہ تھے۔ اس کشمکش میں بلہ اہل اودہ کا بھاری تھا۔ حکومت کی تائید انہیں حاصل تھی۔ نسیم دہلوی کی جوانی کا زمانہ تھا ، وہ اساتذہ دہلی کی صحبتیں اٹھا چکے تھے۔ قدرت نے طبع سلیم عطا کی تھی اس لیے اپنے وطنی محاسن کلام کو باقی رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے اساتذہ لکھنؤ کی اصلاحات زبان کو قدر کی نگاہ سے دیکھ کر اپنایا۔ اس کوشش میں وہ کام یاب ہوئے اور انہوں نے دہلوی رنگ سخن اور لکھنؤ کی ترقی یافتہ اصلاحات کو اپنا کر ایسا دلیویز اور دلکش مرصع کلام پیش کیا کہ کا ملان اودہ کو بھی ان کی قادر الکلامی کو تسلیم کیے

بغیر چارہ نہ رہا۔ لکھنؤ میں ان کے شاگردوں کی کثرت ان کے مقبول عام کلام کی گواہ ہے۔

شاگردان نسیم |

۱۔ ادب تخلص احمد حسین خان نام، رمضان علی خان کے بیٹے قوم سید نواب تاج محل کے بھائی تھے۔ نسیم دہلوی سے اصلاح شعر حاصل کرتے تھے۔

(تذکرہ نادر، صفحہ ۲۳۔ سخن شعرا، صفحہ ۱۹)

۲۔ اشرف تخلص، نام اشرف علی، شیخ مظہر علی کے بیٹے اور قصبہ کسمندوی تواب لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ بقول حسرت موہانی بہ استثنائے عہد طفلی قیام لکھنؤ میں رہا۔ اور وہیں ۱۹۰۲ء میں انتقال ہوا۔ دائرۂ علم وسیع نہ تھا لیکن شاعری کے لیے کافی تھا۔ اول درجے کے خوش نویس تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر ۳۰ برس تک منشی نول کشور کے مطبع سے تعلق رہا۔ وضع دار تھے۔ تسلیم کے قدیم دوستوں میں سے تھے۔ تسلیم کی زبانی معلوم ہوا کہ :

۶۰ برس تک اشرف اور تسلیم بھی لکھنؤ میں موجود ہوتے تھے تو اشرف و تسلیم دونوں ایک وقت مقررہ پر چوک سے گزرتے تھے اور کسی صاحب کی دوکان پر جن کا نام یاد نہیں رہا، بلا ناغہ کچھ دیر ضرور قیام ہوتا تھا۔

اشرف نے تمام عمر شادی نہ کی۔۔۔۔۔ اشرف بحیثیت انسان وضع قدیم کی آخری یادگاروں میں سے ایک ممتاز یادگار تھے۔۔۔ وہ لکھنؤ کے جدید طرز تکلف کی بہ نسبت دہلی کے قدیم، سادہ انداز کے زیادہ گرویدہ معلوم ہوتے ہیں، سنیے :

جوش کرم سے بڑھ گئی امید مغفرت

رحمت نے تیری مجھ کو گنہگار کر دیا

جنبش محال کا ہش پیہم سے ہو گئی
بستر کو ہم نے وقف تن زار کر دیا
’جوش کرم‘ اور ’کاہش پیہم‘ خاص خاندان مومن کی
ترکیبی ہیں۔

اشرف اپنے استاد کے بہت گرویدہ نظر آتے ہیں، کہتے ہیں :
مضمون نیا، زمین نئی، طرز بھی نیا
اشرف یہ ہے نسیم سے استاد کے لیے
بقول حسرت شاگردان نسیم میں یہ اعتبار ترتیب اشرف کا
دوسرا درجہ ہے اور تسلیم کا اول۔ اشرف کے دو دیوان غیر
مطبوعہ یادگار ہیں۔ (اردو سے معلول ستمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۶۱ تا ۱۶۲)

۳۔ آغا تخلص نام سید آغا، سید صاحب علی جاشی کے
بیٹے تھے۔ لکھنؤ میں قیام تھا اور نسیم کے شاگرد تھے۔
(تذکرہ سراپا سخن، صفحہ ۶۳)

۴۔ افسر تخلص، محمد تقی (نواب) نام، نواب صادق علی خان ولد
نواب اصغر علی خان خلف نواب محمد علی خان بہادر
سالار جنگ۔ اودھ کے وثیقہ باب امرا میں سے تھے
شعر و سخن کے دل دادہ تھے اور نسیم سے فیض سخن
حاصل کیا تھا۔ اپنے مکان پر بزم مشاعرہ بھی منعقد
کرتے تھے، اور شعرا سے سلوک بھی کرتے تھے، جن
میں عرش خلف میر، مرحوم، نسیم اور تسلیم قابل ذکر ہیں۔
نسیم کے دیوان کی طباعت بھی ان ہی کی کوشش سے
ہوئی۔ ۱۲۹۲ء میں جہان فانی کو وداع کیا۔ تاریخ وفات
تسلیم لکھنوی کے اس مصرع سے برآمد ہوتی ہے۔
”سر ناز پر بستر گل نہاد“ (۱۲۹۲ء)

۵۔ امیر ، تخلص جوالا شنکر کا ہے ۔ نسیم کے دیوان کی طباعت کا قطعہ کہا ہے مصرع آخر قاریج ہے :-

مطلع خورشید ہے ہاتھ نے مجھ سے یہ کہا

۶۔ پسرل تخلص ، علی حسین خان نام ، نواب زادے ہیں ، معلوم نہیں کس کی نسل میں ہیں ، نہ اور کچھ حال دریافت ہوا ۔ اور اصغر علی خان نسیم دہلوی کے شاگرد ہیں ۔ یہ بیان ضیفم کا ہے ۔

(یادگار ضیفم ، صفحہ ۶۷)

۷۔ بلیغ تخلص ہے جوالا پرشاد کا ، نسیم دہلوی کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں ۔ ہشاش کا یہ بیان ہے ۔

(تذکرہ شعرائے ہند ، صفحہ ۲۰)

مؤلفہ دیبی پرشاد ہشاش)

۸۔ بے خود تخلص ، عبدالرحمان نام ، پیشہ جراحی ، مسکن رام پور ، عظیم اللہ کے بیٹے تھے ۔ نسیم دہلوی سے اصلاح لیتے تھے ۔ ستائیس برس کی عمر میں ۲۲ رجب

۱۲۸۸ھ کو رحلت کی ۔ (انتخاب یادگار ، صفحہ ۸۱)

۹۔ تسلیم تخلص ، احمد حسین نام عرف امیر اللہ ، مولوی

عبدالصمد کے بیٹے ۔ منگلپسی مضافات فیض آباد میں ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم فیض آباد میں

ہوئی ۔ باپ زمیندار تھے انقلاب زمانہ سے انہیں فوج میں ملازمت کرنی پڑ گئی ۔ یہ قول حسرت موہانی

پلٹن^۱ میں آ جانے کے سبب سے آغاز شباب ہی میں آپ کا نام سپاہیوں کی فہرست میں شامل ہو گیا تھا ۔ ہلا

خدمت تنخواہ ملنے لگی تھی۔ جب آپ کے باپ کا ضعف بڑھ گیا تو بادشاہ کی خدمت میں عرضی پیش کی کہ میں لائق خدمت نہیں رہا ہوں، میرا لڑکا امیر اللہ نوجوان اور بڑھا لکھا ہے، میری نوکری پر عوض مقرر کیا جائے۔ ہد علی شاہ نے دست خاص سے یہ حکم لکھا کہ ”موافقاً سوال سائل یہ عمل آئندہ، چنانچہ دفتر شاہی میں آپ کا نام یہ عہدہ اوش داری درج کر دیا گیا، اور وہی تیس روپے ماہوار جو ان کے والد کو ملتے تھے ملنے لگے۔

صاحب تذکرہ کاملان رام پور کا بیان شاعری کے بارے میں یہ ہے :

پندرہ سال (۱) کی عمر میں یہ بھی ہلٹن شاہی میں ملازم ہو گئے۔ لیکن تعلیم جاری رکھی اور خود بھی پڑھاتے

۱۔ تذکرہ کاملان رام پور کے مؤلف نے جو تسلیم کے احباب میں سے تھے، ان کی ملازمت فوج کے وقت عمر پندرہ سال لکھی ہے سنہ ولادت ۱۸۰۸ء شادی کا سنہ ۱۸۲۸ء اور سنہ ولادت فرزند قہرل حسین ۱۸۳۹ء لکھا ہے۔ چون کہ تسلیم اپنی عمر سو سال کی بتاتے تھے اس لیے مؤلف تذکرہ کو دھوکا ہوا۔ سنہ ولادت ۱۸۲۰ء صحیح ہے اگر یہ بیان صحیح مانا جائے تو ۳۵ء ۱۸۳۵ء کے لگ بھگ فوج میں داخل ہوئے ہوں گے۔ (یہ عہد نصیر الدین حیدر) اور باپ کی جگہ ۱۸۳۸ء یا ۱۸۳۹ء میں یہ عہد ہد علی شاہ حاصل کی ہوگی۔ ہد علی شاہ کا دست خاص سے لکھنا مشتبہ ہے۔ ہد علی شاہ فالج کے مریض تھے انہیں کھانا بھی رفیق الدولہ کھلاتے تھے۔

(دیکھئے تواریخ اودہ جلد اول، صفحہ ۳۵۹۔ تذکرہ کاملان

رام پور صفحہ ۶۳)

تھے۔ اسی ہلٹن میں کوئی صاحب وارث علی نامی صاحب سخن تھے۔

یہ بھی اُن کے پاس نشست و برخاست کی یہ دولت شاعری پر متوجہ ہوئے۔ جو کچھ لکھتے ماں وارث علی کو سناتے اور کسی کو خبر نہ تھی۔۔۔۔۔ لکھنؤ میں مصطفیٰ خان کے مطبع میں کاپی نویسی کر کے بھی کچھ پیدا کر لیتے تھے۔ اسی مطبع کے کام کی یہ دولت نسیم سے ملاقات ہوئی، اور آپ نے اُن کی شاگردی کلام نظم میں اختیار کی۔ (تذکرہ کابلان رام پور، صفحہ ۶۴)

تسلیم کے سنہ ولادت ۱۸۲۰ء کے پیش نظر ۱۸۳۵ء کے لگ بھگ شاعری کی طرف رجحان طبع ہوا ہوگا اور ۱۸۳۸ء کے بعد جب ضروریات زندگی شادی کی وجہ سے بڑھ گئیں تو نسیم نے مطبع مصطفائی لکھنؤ میں کاپی نویسی شروع کی ہوگی۔ یہاں نسیم دہلوی سے تسلیم کا تعارف ہوتا ہے اور شاعری کا نیا دور محمد علی شاہ کے عہد ریاست میں ۱۸۴۰ء کے لگ بھگ شروع ہوا۔ اشرف علی اشرف سے (جن سے تسلیم کی ساٹھ سالہ دوستی کہی جاتی ہے) اسی مطبع میں تعارف ہوا اور عبداللہ خان سہر مالک مطبع کے بیٹے سے بھی شناسائی اسی عہد میں ہوئی۔ ۱۰ جنوری ۱۸۴۹ء اور ۵- اکتوبر ۱۸۵۳ء کے مابین کرنل سلیم رزیدنٹ لکھنؤ کی شکایت پر تسلیم کی ہلٹن برخاست ہوگئی اور تسلیم تین سال بے کار رہے۔ آخر مقبول الدولہ کی سفارش پر واجد علی شاہ اختر نے ان کی تنخواہ مقرر کر دی اور فکر معاش سے چھوٹے۔ لیکن کچھ مدت بعد فروری ۱۸۵۶ء میں اودھ کی ریاست ختم کر دی گئی اور تسلیم پھر بیکار ہو گئے۔ جب جنگ آزادی

شروع ہوئی تو ان کی بلٹن بھی دوبارہ ملازم ہو گئی اور تسلیم کو روزگار مل گیا۔ لیکن تحریک آزادی ناکام رہی اور جان بچانے تسلیم ۱۸۵۸ء میں رام پور پہنچے۔ چند ماہ بعد جب لکھنؤ میں امن ہو گیا تو واپس آ کر نول کشور پریس میں ملازم ہو گئے۔ لکھنؤ سے نواب رام پور نے طلب کیا اور بقیہ عمر وہیں گزار کر مئی ۱۹۱۱ء میں چل بسے۔ نظم ارجمند، نظم دل افروز، دفتر خیال، ان سے یادگار رہے کچھ غیر مطبوعہ کلام بھی شاگردوں کے پاس رہ گیا۔ حسرت موہانی ان ہی کے سلسلے کے نمائندے تھے۔

۱۔ چمن تخلص، شادی لال نام، قوم کاہستہ۔ مؤلف تذکرۂ شعرائے ہند (حصہ دوم، صفحہ ۳۸) کا بیان ہے، منشی رام سہائے رونق کے بھتیجے اور آردو، فارسی کے شاعر تھے۔ انہوں نے الہی جان طوائف کی محبت میں ایک مطلع کہا تھا جو مشہور ہے :

سر نام صنم نام خدا ہے۔ انہی جان کا رتبہ بڑا ہے
الف لیلہ کی آخری جلد (۳) کی ڈھائی سو راتیں بھی انہوں نے نظم کی تھیں جو ۱۸۶۵ء میں چھپی تھیں۔

نسیم کے شاگرد تھے، نسیم کی وفات کا قطعہ تاریخ بھی چمن نے کہا ہے، جو دیوان نسیم میں شامل ہے۔ گل دستہ شعرا ضمیمہ انوار الاخبار یکم ستمبر ۱۸۷۶ء میں ان کی گیارہ شعر کی فارسی غزل چھپی ہے جس کا مطلع یہ ہے :

شکر تو نا کجا بکنم اے خدائے ما

شد آشنا بہ ما بت نا آشنائے ما

۱۱۔ حکیم تخلص، مجد ابراہیم نام، حکیم یعقوب لکھنوی کے بیٹے تھے اور لکھنؤ کے رہنے والے، بڑے ہائے کے

حکیم تھے۔ مؤلف اخبار الصنادید کا بیان ہے کہ :

حکیم محمد ابراہیم نصیر الدین حیدر اور قدسیہ محل کے معالج رہے تھے رام پور میں تقریر ستمبر ۱۸۶۵ء میں ہوا۔ دو سو روپے سے لے کر چار سو روپے تک تنخواہ پائی۔ (اخبار الصنادید جلد دوم ، صفحہ ۲۰۸) حافظ احمد علی خان مؤلف تذکرۃ کلانوام پور ان کے شاگرد حکیم سید محمد یحییٰ عرف مٹامیاں کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں :

انہوں نے (حکیم سید محمد یحییٰ) پچیس برس تک حکیم محمد ابراہیم کے مطب میں نسخہ نویسی کی اور حکیم موصوف نے اپنے والد حکیم محمد یعقوب اور استاد حکیم محمد مرتعش کا مطب (مخطوطات) ان کے حوالے کر دیا تھا۔ شاگرد نے اپنے استاد کی ہدایت کے مطابق مطب کی نقل ان کے بیٹے حکیم عبدالعلی کو کرادی تھی۔ حکیم نے ان شعر میں نسیم سے اصلاح حاصل کی۔ تذکرۃ سراپاسخن میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ حکیم محمد یعقوب سے نسیم کے بھی ذاتی تعلقات تھے۔ ان کے امام باڑہ کی تاریخ تعمیر نسیم نے ۱۲۶۳ء میں کہی ہے۔ ۱۲۸۷ء میں حکیم یعقوب چل بسے اور ۱۲۹۹ء میں حکیم محمد ابراہیم ، ان کے بیٹے حکیم عبدالعلی رام پور سے بھوپال میں منتقل ہو گئے تھے ، انسر الاطبا تھے۔ حکیم ، نسیم کے ابتدائی شاگردوں میں سے ہیں۔

(کلیات تسلیم ، صفحہ ۳۶۲ کلیات قدر بلغرامی صفحہ ۳۰۹ کل رعنا ، حاشیہ ۱ صفحات ۲ تا ۵ طبع چہارم)

۱۲۔ حیدر تخلص ، محمد حسین نام (سید) ۱۷ جون ۱۸۶۰ء کے کل دستہ شعرا (مطبع اودھ کڑٹ) میں ان کی ایک غزل چھپی تھی جس میں انہیں شاگرد نسیم دہلوی کہا گیا ہے۔

نغمہ پرداز چمن کی نہیں تقریر پسند
تیرے دیوانے کو ہے نالہ زنجیر پسند

(تاریخ صحافت اردو جلد دوم، صفحہ ۱۳۴)

۱۴۔ دولہ تخلص، علی نقی (مرزا) نام، صاحب سخن شعرا
نے انہیں مقیم لکھنؤ اور شاگرد نسیم ظاہر کہا ہے۔
(سخن شعرا، صفحہ ۱۶۳)

۱۵۔ شکوہ تخلص، نام محمد حسین (آغا) احمد حسین احمد
کے بیٹے اور مرزا امیر امیر تخلص فارسی گو کے ہوتے
تھے۔ نسخا نے ان کے تذکرۂ حدائق الشعرا کا ذکر کیا
ہے ۱۲۸۵ء کے متصل کلکتے میں مقیم تھے۔ شعلہ جوالہ
میں ان کا واسوخت شامل ہے۔ نسیم دہلوی کے
شاگرد تھے۔

(سخن شعرا، صفحہ ۲۵، شعلہ جوالہ، صفحہ ۵۸۵)

۱۶۔ شگفتہ تخلص تھا اور خیراتی لال نام، لکھنؤ کے رہنے والے،
استعداد علمی معقول تھی۔ ریاست اودھ کے آخری دور
میں سر رشتہ دار دیوانی چکلبائے نظامت کے عہدے پر
سرفراز تھے۔ اودھ کی ریاست ختم ہونے کے بعد
کوشہ نشین ہو گئے۔ بہترین خوش نویس تھے۔ ان کے کلام
پر نسیم کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے۔ عشق بڑی ہوتی تھی۔
بے شمار شاگرد تھے۔ ۱۳۱۶ء مطابق ۱۸۹۹ء
میں ۷۸ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اردو کے کئی دیوان،
انشائے حالہ علوم اور فارسی کی چند اور تصانیف ان
سے یادگار رہیں۔ اس مصرع سے نسیم کی تاریخ وفات
نکل ہے۔

استاد شفیق و مہربان ہاے

(صفحہ ۱ تا ۳ اردو سے معلیٰ علی گڑھ اگست ۱۹۰۷ء)

۱۶۔ شوقِ تخلص ، فضل علی خان نام عرف لالائے صاحب ،

نواب ذکاء الدولہ بہادر کے بیٹے تھے ، نسیم سے مشورہ

سخن کرتے تھے ۔ ضیغ کا بیان ہے :-

شعر و سخن سے کمالِ شوق ہے ؛ مدت تک اپنے مکان میں

بزمِ مشاعرہ ترتیب کرتے رہے ؛ اپنے رنگ میں اچھا کہتے

ہیں ، قطعہ تاریخِ وفات نسیم بھی انہوں نے کہا ہے ۔

(ہاد گور ضیغ ، صفحہ ۱۸۸)

۱۷۔ شوکتِ تخلص باسط علی (مولوی) ، محد بھوانی گنج

لکھنؤ میں رہتے تھے نسیم دہلوی کے شاگرد تھے ۔

(تذکرہ سراپا سخن ، صفحہ ۲۳۶ سخن شعراء ، صفحہ ۲۵۸)

۱۸۔ صغیرِ تخلص نوزند علی (سید) نام ، باشندہ ہلکرام اور

نسیم دہلوی کے شاگرد تھے ۔ گل دستہ شعراء (لکھنؤ) کی

۱۷ جون ۱۸۹۰ء کی اشاعت میں ان کی غزل چھپی ہے۔

ایک شعر ملاحظہ ہو :

غیر دیکھیں جو مرے پاس کہیں جلد چھپاؤں

دل سے سینے میں رکھوں تم کو جگر کی صورت

(تاریخ صحافت اردو جلد دوم ، صفحہ ۱۳۵)

۱۹۔ عاشقِ تخلص ، محمد مرتضیٰ (مرزا) نام عرف مرزا بھو بیگ

لکھنؤ کے قدیمی باشندے تھے ۔ بقول مرتب شعلہ جوالہ

مرزا اچھو بیگ بانکے کے بیٹے اور محمد مصطفیٰ خان

مالک مطیع مصطفائی کے عزیز تھے ۔ ان کی ولادت

حسرت موہانی کے نزدیک ۱۸۳۱ء میں ہوئی ۔ مورث

اعلیٰ مرزا عطاء اللہ بیگ معروف بہ نواب حسین علی خان

انک سے لکھنؤ آئے تھے۔ نانا مرزا اسد علی بیگ شاہی فوج میں کمندان تھے۔ یہ نانا کے ساتھ ۲۲ سال کی عمر تک رہے۔ اور سپاہ گری مشغلہ رہا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد تحصیل علم کی طرف توجہ ہوئی اور اتنی مہارت ہم پہنچائی کہ اردو زبان کے اساتذہ اور محققین میں شہرہ کئے جانے لگے۔ دراز قامت، قربہ اندام اور گندمی رنگ تھا۔ لکھنؤ کی وضع مرغوب تھی۔ کبھی کوٹ بتلون بھی بہن لیتے تھے۔ لکھنؤ کی زبان اور محاورات پر جتنی تحقیق عاشق مرحوم کو تھی اس کا اندازہ ان کی تالیف ”بہارِ ہند جلد اول“ سے ہو سکتا ہے۔ چشمہ بصیرت کے نام سے ان کے مضامین کا مجموعہ چھپ چکا ہے۔ میلاد شریف (نظم) اور نیرنگ خیال کے علاوہ ایک دیوان ضخیم بھی ان سے یادگار ہے۔ ان کے شاگردوں میں حافظ، عبدالاحد، ماہ خلف، عبداللہ خان، امیر مرزا امیر، شیخ اصغر حسین اصغر وغیرہ تھے۔ ان کے بیٹے صدیق پد صادق بھی ان کے شاگرد تھے۔ ان کے کلام سے نسیم دہلوی کا رنگ سخن ظاہر ہوتا ہے۔ ۱۸۹۳ء میں انتقال ہوا۔ صاحب دیوان گذرے ہیں۔

(اردو سے معلیٰ نومبر ۱۹۱۰ء از حسرت موہانی)

صفحہ ۳ تا ۸ شعلہ جوالہ، صفحہ ۱۶۳۔

۲۔ عالی تخلص، نام غلام مرتضیٰ، قوم مغل، باشندہ لکھنؤ،

نسیم دہلوی کے شاگردوں میں سے تھے۔ تذکرہ یادگار

ضیفم کی تالیف کے وقت ۱۳۰۵ھ میں زندہ تھے اور

لکھنؤ کے خوش گو شعرا میں شمار ہوتے تھے۔

(یادگار ضیفم، صفحات ۲۳۹، ۲۵۰)

۲۱۔ قاسم تخلص ، نام معلوم نہیں گلدستہ شعرا لکھنؤ کے شمارہ
۱۷ جون ۱۸۶۰ء میں ان کی غزل چھپی تھی شاگرد
نسیم دہلوی ظاہر کیا گیا تھا ۔ ایک شعر ملاحظہ ہو :
خاک آئے مجھے ناصح تری تقریر پسند
نوجوانوں کو نہیں سرزنشیں پسند

(تاریخ صحافت اردو ، جلد دوم ، صفحہ ۱۳۵)

۲۲۔ قدیم تخلص ، جواہر لال نام لکھنؤ کے رہنے والے اور
سررشتہ تعلیم ضلع کھیری میں محرر اول تھے ! نسیم
دہلوی کے شاگرد تھے۔ ان کا ذکر 'بشاش' نے کیا ہے ،
(تذکرہ شعراء ہند ، حصہ دوم ، صفحہ ۱۱۴)

۲۳۔ قمر تخلص ، جعفر علی (شیخ) نام باشندہ لکھنؤ ۔ نسیم
دہلوی کے شاگردوں میں تھے ۔ تذکرہ سراپا سخن
(صفحہ ۲۷۹) اور سخن شعرا (صفحہ ۳۸۹) میں ان کا
ذکر ہے ۔

۲۴۔ گوہر تخلص ، اصغر علی بیگ نام ، نسیم دہلوی کے
شاگردوں میں سے تھے ۔ نسیم کی وفات کا قطعہ تاریخ ان
کا کہا ہوا ، دیوان نسیم میں شامل ہے ۔

۲۵۔ ملال تخلص ، نام محمد حسین (شیخ) نسیم کے شاگردوں
میں شمار ہوتے تھے ۔ مراتب شعلہ جوالہ ان کا ذکر اس
طرح کرتے ہیں :-

ملال تخلص ہے ، شیخ محمد حسین کا ، صاحب دیوان ہیں ۔
شاعر خوش فکر ، رنگیں طبع ہیں ۔ شاگرد ہیں مرزا محمد
اصغر علی خاں نسیم دہلوی کے ، مولد اور مسکن ان کا
اور ان کے بزرگوں کا ہمیشہ سے لکھنؤ ہے ۔

(شعلہ جوالہ ، جلد دوم ، صفحہ ۸۳۶)

۲۶۔ سہر مخلف ہے ، مجد کامیاب خان عرف عبداللہ خان ابن حاجی مصطفیٰ خان خلف حاجی مجد روشن خان کا ۔ سہر کے والد مصطفیٰ خان نے لکھنؤ کی سکونت اختیار کر لی تھی ۔ ان کی کچھ جاگیریں خلع بھڑاچے میں تھیں ، اور تجارت بھی کرتے تھے ۔۔۔ حاجی مجد حسین کے مطبع کے مقابل میں انھوں نے مطبع مصطفائی قائم کیا تھا ۔ جس کی شاخ واجد علی شاہ کے عہد ریاست میں کانپور میں قائم کی تھی ۔ عبداللہ خان کی علمی استعداد معقول تھی ۔ خوش نویسی میں بھی ”دسترس“ تھے ۔ اور ”بہترین“ سنگ ساز تھے ۔ شاعری کا شوق ہوا تو میر ناصر علی نصیر ، شاگرد ناسخ سے اصلاح حاصل کی : لیکن جب نسیم کی شاعری کا رنگ دیکھا تو نصیر کو چھوڑ کر نسیم کے زمرہ تلامذہ میں داخل ہو گئے ۔ حسرت موہانی نے ان کا سن ولادت ۱۲۵۳ھ قرار دیا ہے ۔ کلکتے اور ڈھاکے کا سفر مولوی رشید الدینی وحشت (وفات ۱۲۷۴ھ) کی زندگی میں کرنا اور ان سے چشمک کا ذکر بھی کرتے ہیں ۔ اس لحاظ سے حسرت کا بیان تعین سن ولادت درست نہیں ۔ شرف الدولہ کی پیش کاری مسترد کرنے کا واقعہ بھی محل نظر ہے ۔ اس لیے کہ شرف الدولہ مجد ابراہیم خان ، مجد علی شاہ کے وزیر تھے واجد علی شاہ کے وزیر ۔ نہ تھے جیسا کہ حسرت موہانی لکھتے ہیں ۔ تذکرہ سراپا سخن جس کا سن تالیف ۱۲۶۹ھ ہے اس میں ان کی غزلیں درج ہیں ۔ یہ نسیم دہلوی کے قدیم تلامذہ میں سے تھے ۔ بنول حسرت نسیم دہلوی انھیں اپنا شاگرد رشید سمجھتے تھے ۔ ان کی غزلیں دیکھنے وقت

اکثر ارشاد فرمایا کرتے کہ :

بنانے اور بتانے میں صرف ایک نقطے کا فرق ہے۔ بعض غزلیں ایسی ہوتی ہیں۔ جنہیں دراصل بنانا پڑتا ہے لیکن تمھارے کلام کی نسبت صرف بتا دینا کافی ہے کہ اسے یوں درست کرلو تو خوب ہو۔

مہر بہترین ہتنگ بناتے تھے ، مصوری اور نقاشی میں بھی مہارت تھی۔ اپنے استاد کی وفات پر کتنا پر درد شعر کہا ہے :

کہو اے مہر اب داد سخن ہم جا کے لیں کس سے

خدا بخشے ، نسیم دہلوی نے ، ہائے رحلت کی

۱۳۱۳ھ میں۔ یہ بھی اپنے استاد کی خدمت میں پہنچ گئے۔

دو دیوان قلمی (اردو) اور ایک کتاب مطبوعہ ”ہدیۃ احباب“

ان کی تالیفات سے یادگار ہیں۔

(اردوئے معلیٰ علی گڑھ ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۱۰ء۔ شعلہ جوالہ ،

جلد دوم ، صفحہ ۷۷۷۔ سخن شعرا ، صفحہ ۷۷۳)

۲۔ واجد تخلص ، نام واجد علی خان ، لکھنؤ کے رہنے والے

اور نسیم دہلوی کے شاگرد تھے۔ تذکرۂ سراپا سخن

میں ان کی غزل درج ہے جس کا مطلع یہ ہے :

خنجر نظر ہڑا کبھی شمشیر ہاتھ میں

رکھتا ہے کچھ نہ کچھ بت بے ہیں ہاتھ میں

(تذکرۂ سراپا سخن ، صفحہ ۱۹۸)

چند اور شعرا کے تخلص حسرت نے اردوئے معلیٰ میں

شاگردان نسیم دہلوی کے ذیل میں درج کیے ہیں لیکن ان کے

ذکر سے تذکرے خالی ہیں۔ یہ فہرست شاگردان نسیم کی مکمل

نہیں ہے۔ پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے پہلے اتنی

مفصل فہرست شاگردان نسیم کی کسی نے پیش نہیں کی۔

اصغر علی نسیم دھاوی کی غزل

(۱)

مومن کا خاندانہ شعری اپنی روایات کی جلالت و عظمت کی بنا پر اردو کی ادبی روایات میں مشہور و معروف ہے۔ آشفته، تسکین، سالک، شیفته، قلق اور نسیم دھلوی، جن کا نام عنوان کلام ہے، مومن ہی کے شاگرد ہیں۔ یہ کہنا کہ مومن کے شاگردوں میں شیفته کے سوا صف اول کے اور بھی غزل نگار موجود ہیں کچھ زیادتی ہوگی، ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان کے تمام شاگردوں میں اپنے استاد کی سی انفرادیت کسی نہ کسی رنگ میں ضرور ظاہر ہوتی ہے، اور دوسرے درجے کے صف اول میں ان کے اکثر شاگردوں کا شمار ہوتا ہے۔

الطاف حسین حالی جن کی انتہائی بصیرت کے جھنڈے گڑے ہوئے ہیں، دیوان قلق کی تقریظ میں لکھتے ہیں کہ مومن مرحوم کے طریق غزل گوئی کے دو اسلوب ہیں۔ ایک تو وہی ہے جو میر و میرزا کا ہے اور دوسرا ایک اسلوب مخصوص، کہ شاہراہ عامہ سے ہٹا ہوا ہے، یہی اسلوب ہے جس کی بنا پر ہندوستان کے طول و عرض میں مومن کی نازک خیالی اور دقت آفرینی کی شہرت ہے۔ مومن نے قلق میں وہ جوہر خاص دیکھا، جو انہیں اپنی انفرادیت میں نظر آیا تھا۔ چنانچہ ان کی تربیت شعری خاص طور پر کی۔ آخر یہ حال ہو گیا تھا کہ

قلق غزل بڑھتے تھے تو مومن کی پختگی ، انفرادیت اور نکتہ طرازی صاف ظاہر ہوتی تھی ۔ دوسرے غزل سراؤں کے مقابلے میں قلق کو مشاعرے میں بہت داد ملتی تھی^۱۔

مومن کی مشہور غزل ہے ، اور واقعاً ایک کارنامہ ہے :

ٹھانی تھی دل میں اب نہ کسی سے ملیں گے ہم
ہر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم
ہنسنے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم
منہ دیکھ دیکھ روئے ہیں کس بے کسی سے ہم
اسی زمین میں قلق نے یہ شعر کہے ہیں :

یاد آ گئیں جو شب کو تری بے حجابیاں
ساٹے میں اپنے چھپ گئے شرمندگی سے ہم
کیا ابسے ہی ذلیل تھے پہلے بھی چاہ کے
احوال اپنا ہو چھتے ہیں آپ ہی سے ہم
ہے رحم کی جگہ جو کچھ انصاف دل میں ہو
دامن ترا پکڑتے ہیں کس سادگی سے ہم

مراد یہ ہے کہ نسیم کا مقام شیفتہ اور قلق کے بعد ہے ۔ جیسا کہ

میرے فاضل رفیق کار کلب علی خاں قائق صاحب نے بہ تحقیق متعین کر دیا ہے ، وہ دہلی میں پیدا ہوئے ، مومن کی شاگردی اختیار کی ، معرکے کے مشاعروں میں شرکت کی ، لیکن آخر عمر میں لکھنؤ چلے گئے ، کہ خانگی تنازعات سے مجبور ہو گئے تھے ۔ اس وقت کیفیت یہ تھی کہ لکھنؤ اور دہلی میں ایک قسم کی رقابت کی فضا قائم تھی ، لیکن نسیم نے اپنے آپ کو رقابتی

۱۔ ترجمہ تقریباً حالیؔ بہ تلخیص ، کاپات اردو قلق مطبع انصاری

دھڑے بندیوں سے بچائے رکھا اور جب لکھنؤ میں ان کا رنگ
 جم گیا تو لکھنؤ والوں کو مخاطب کر کے کہا :
 نسیم دھلوی ہم موجد باب فصاحت ہیں
 کوئی اردو کو کیا سمجھے گا جیسا ہم سمجھتے ہیں
 حسرت موہانی نے صراحت سے لکھا ہے کہ نسیم کے شاگرد
 امیر اللہ تسلیم کے ذریعے مجھے فیض بخش پینچا - خود تسلیم
 کہتے ہیں :

میں ہوں اے تسلیم شاگرد نسیم دھلوی
 مجھ کو طرز شاعران لکھنؤ سے کیا غرض
 اور حسرت کہتے ہیں :

حسرت تری شگفتہ کلامی بہ آفریں
 یاد آ گئیں نسیم کی رنگیں بیاباں

میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح نسیم نے دہلی کا اسلوب
 غزل پرانی لکھنؤ تک پہنچایا اور لکھنؤ کی زبان کی سلاست اور
 شیرینی پر عبور حاصل کیا ، اس کے بعد مومن کے خانوادہ شعری
 کا یہ جزو دہلی اور لکھنؤ کی روایات شعری کا وارث ہو گیا -
 حسرت نے تو بڑی وضاحت سے یہ کہہ دیا :

غالب و مصحفی و میر و نسیم و مومن

طبع حسرت نے اٹھایا ہے ہر استاد سے فیض

نسیم کے دیوان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود دار
 تو ضرور تھے ، لیکن خواہ مخواہ جھگڑوں میں الجھنے کی طرف
 بالکل مائل نہ تھے - انہوں نے دھلوی ہونے کے باوجود اپنے
 اسلوب کی خصوصیات قائم رکھنے ہوئے لکھنؤ میں اپنی
 دھاک بٹھا دی - یہاں تک کہ اچھے اچھے نکتہ طراز شاعران
 کی شاگردی کا دم بھرنے لگے -

اتفاق سے نسیم کے دیوان میں ایک غزل ہے ، جس سے ان کی طبیعت ، اسلوب سخن سرائی ، نظریہ شعر اور روش زیست پر روشنی پڑتی ہے ۔ اس غزل کے کچھ شعر سن لیجئے ، کہ انتقاد میں ان کے مطالب پیش نظر رہیں گے تو نسیم کے اسلوب غزل سرائی کی بہت سی گرہیں کھل جائیں گی :

اے دل سمجھ نہ پاس عزیز و یگانہ فرض
عاشق کے واسطے نہیں رسم زمانہ فرض
ناصر کی طنز ، طعنہ احباب سن چکے ،
کرتے نہیں کسی کو ہم اپنا یگانہ فرض
کرتے ہیں ہم وہی کہ جو آنا ہے ذہن میں
کرتے نہیں ہیں طاعت رسم زمانہ فرض

۱۔ ظاہر ہے کہ لکھنؤ میں بیٹھ کر (میں فرض کر رہا ہوں کہ یہ غزل لکھنؤ میں کہی گئی ہے ، آگے اندرونی شہادت سے اس بات کو تقویت ملے گی) تجربات زندگی نے نسیم کو سمجھا دیا ہوگا کہ جو لوگ اپنے بنتے ہیں ، وہ بھی دراصل اپنے نہیں ہوتے ، اس لیے وہ عاشق کی آڑ میں یہ صراحت کر گئے ہیں کہ ریاکاری ہم پر ضروری نہیں ۔ رسم زمانہ سے مراد عام اسلوب زیست ہے ، جس کا ایک جزو عظیم ریاکاری ہے ۔

۲۔ ہند میں ایک سرد مہری ہے اور وہ بھی اچھی نہیں لگتی ۔ احباب محبت کے پردے میں جو طعنے دیتے ہیں وہ خلوص کی آڑ لیتے ہیں ، لیکن جسے طعنے دیے جاتے ہیں وہ حقیقت حال کو پہچانتا ہے ۔ اسی لیے نسیم کو کہنا پڑا کہ ہم کسی کو اپنا یگانہ فرض نہیں کرتے ۔
۳۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ شاعر بد اخلاق کی تبلیغ کرتا ہے ، یا اے ایسی تبلیغ کا حق پہنچتا ہے ، البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آرٹ اور اخلاق کے باہمی تعلق کے سلسلے میں یوں (بنایا اگلے صفحے پر)

کیوں کر نہ تیرے در پہ رہیں جبہ سائیاں
عشاق کو ہوا ادب آستانہ فرض

(گزشتہ صفحہ کا باقی حاشیہ)

سمجھنا چاہیے کہ :

آرٹ نہ تو Immoral ہے نہ Moral ہے ، بلکہ Amoral ہے ، یعنی ماورائے اخلاق ۔ خود شاعر قطعاً ایک ضابطہ اخلاق کا باندہ ہوتا ہے الا ماشاء اللہ اور شعر Immoral اس معنی میں نہیں ہوتا کہ عالمگیر اقدار کی تردید نہیں کرتا اور Moral یا نامحاذیہ اس معنی میں نہیں ہوتا کہ یہ اس کا منصب ہی نہیں کہ کسی ضابطہ اخلاق کی تبلیغ کرے یا اس کے ضوابط پیش کرے ۔ نسیم کا یہ کہنا کہ ہم طاعت رسم زمانہ فرض نہیں جانتے صاف اس بات کا اظہار ہے کہ مذہب و اخلاق کے ساتھ جو توہمات ملوث ہو جاتے ہیں اعلیٰ درجے کا فن کار انہیں خاطر میں نہیں لاتا اور نہ انہیں جزو مذہب و اخلاقی گردانتا ہے ۔

۱۔ نہایت اچھا شعر ہے ۔ تصوف میں فرض کر لیا جاتا ہے کہ تمام طالبان حقیقت ، حقیقت مطلقہ کی جستجو میں سرگرداں ہیں ۔ جہاں بھی اس حقیقت کی کوئی علامت نظر آتی ہے وہ ارباب تصوف کی نظر میں محترم گردانی جاتی ہے ۔ مثلاً آستان ہار ہے ، آستان یاز کا احترام فرض ہے کہ در حقیقت آستانے پہ جو سجدہ کیا جائے گا ، وہ وہیں پہنچے گا جہاں اسے پہنچنا چاہیے ۔ غالب نے بات بڑی وضاحت سے کہی ہے :

ما را عرض ز دیور و حرم جز حبیب نیست
ہر جا کنیم سجدہ بدان آستان رسد

آسی کا ایک شعر بھی یاد آگیا ہے ، حافظے پر اعتماد کرتا ہوں ،

مکن ہے پہلا مصرعہ صحیح نہ ہو ، لیکن مفہوم یہی ہے :

بتکلمے میں سینکڑوں سجدے ہیں اور کلمے میں ایک
کنو تو اسلام سے بڑھ کر ترا گرویدہ ہے

مضمون کے بھی شعر اگر ہوں تو خوب ہیں
کچھ ہو نہیں سکتی غزل عاشقانہ فرض

۱۔ اس شعر کے مفہوم پر اچھی طرح غور کر لینا چاہیے۔ میرے خیال میں یہ شعر اس بات کی اندرونی شہادت مہیا کرتا ہے کہ نسیم اس غزل کی تصنیف کے وقت لکھنؤ میں ہیں؛ وہاں زیادہ تر صنائع و بدائع، زبان کا چشماور، ضلع جگت، سلاست اور شیرینی اور ایسی باتوں پر زور دیا جاتا تھا؛ بہت زیادہ ہوا تو غزل میں معاملہ بندی یا وقوع کوئی کا عنصر داخل کر دیا گیا اور سمجھ لیا گیا کہ اب غزل عاشقانہ ہو گئی ہے۔ نسیم بصراحت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ غزل میں صرف معاملہ بندی اور وقوع کوئی ہی تغزل کی ضامن نہیں، غزل کا دامن بہت وسیع ہے۔ تصوف، اخلاق، عرفان، فلسفہ، حقیقت اور مجاز کا امتزاج، مختلف فنون عاشقانہ، کہ دراصل کوائف زہست ہیں، غزل میں سموئے جا سکتے ہیں اور سموئے گئے ہیں۔ سعدی کی غزلیں کی غزلیں ایسی ہیں جن میں تغزل کا رسمی رنگ بالکل موجود نہیں؛ مثلاً رائے درویشان اور جانے درویشان۔ اسی طرح شمس تبرہز کا ہزار صفحے کا دیوان رسمی تغزل سے خالی ہے۔ عرفان اور تصوف کے مضامین اس طرح پیش کیے گئے ہیں کہ غزل کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اقبال نے تو تعقلات کو جذبات میں سمو کر اس طرح پیش کیا کہ غزل کا ساتھ ہی بدل گیا۔ استادوں کی ایک پرانی زمین ہے۔ زمان کے لیے۔ کہاں کے لیے، اس زمین میں غالب اور مومن نے بہت اچھے شعر کہے ہیں، لیکن اقبال کی غزل سب یہ بھاری معلوم ہوتی ہے:

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
رہے گا راوی و نیل و نیرات میں کب تک
ترا سفینہ کہ ہے بحر بیکراں کے لیے
مرے گلو میں ہے اک نغمہ جبرئیل آشوب
سنبھال کر جسے رکھا ہے لا مکاں کے لیے

نسیم نے اپنے کہنے پر عمل بھی کیا ہے ، اور جن اشعار کو وہ مضمون کے شعر کہتا ہے وہ بھی خوب خوب کہے ہیں ۔
مثلاً :

زاهد کی کچھ پسند نہیں برگزیدگی
باہر ہے عشق کے ورق انتخاب سے

صفائی دہر میں قاتل سے ہوگی
یہ آسانی بڑی مشکل سے ہوگی
محبت ہو کسی سے یا عداوت ؟
مزادے جائے گی جو دل سے ہوگی
(۲)

مومن کی دقت نظر ، لطافت بیان ، حیرت انگیز پیچیدگی اور تراکیب نو کا اختراع یہ تمام باتیں اس کی خصوصیات میں شمار

۱۔ یہاں اقبال کی طرح عشق طریقت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور زاهد کو شریعت کی علامت بنا دیا گیا ہے ۔ زاهد نے جسے برگزیدگی سمجھا ہے ، وہ صرف وظائف شرعیہ رسمہ کے ادا کرنے سے عبارت ہے ۔ عشق اس کے مقابلے میں برگزیدگی کا مقام سالک کو اس وقت عطا کرتا ہے کہ وہ اجبار اور تحکیم کے دائرے سے نکل جائے اور شریعت کے حقائق کو اپنے تہ قلب میں محسوس کرے ۔ یہی اصل طریقت اور یہی اصل برگزیدگی ہے ۔
۲۔ غالب کہتا ہے :

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی صبی

لیکن بلاشبہ نسیم کے ہاں جو شعر کی نوک ہلک ہے وہ غالب کے شعر کو نصیب نہیں ہوئی ۔

کی جاتی ہیں۔ ترکیب آفرینی پر بات ذرا کھول کر کرنی چاہیے کیوں کہ اگرچہ نسیم کو موسن کی لطافت طبع اور نزاکت خیال تو نصیب نہیں ہوئی، لیکن انہیں اختراع تراکیب تازہ کا ذہب ضرور آ گیا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ تراکیب دراصل قصیدے سے مخصوص ہوتی ہیں کہ ان کے استعمال سے انداز میں طمطراق اور اسلوب میں شان و شوکت پیدا ہو جاتی ہے، یہ بات غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ترکیب تازہ مرکب ہے لیکن وہ زبان کے ذخائر میں اضافہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اضافہ مفردات میں بھی ہو سکتا ہے اور مرکبات میں بھی۔ اصولاً زبان بڑی کفایت شعار ہے۔ ایک مطلب ادا کرنے کے لیے ایک خاص لفظ یا کلمہ ہی مخصوص کرتی ہے۔ جہاں تک کہ زبان کے نکتہ شناسوں نے کہہ دیا کہ مرادفات تو ایک زبان میں ہوتے ہی نہیں، مترادفات ضرور ہوتے ہیں، اور فن کار کی نکتہ طرازی اور زبان دانی اسی مقام پر کھلتی ہے کہ وہ مترادف کلمات کے درمیان جو خطوط امتیاز ہیں ان کی نوعیت و اہمیت سے واقف ہے یا نہیں۔ اب اس کے ساتھ اس بات پر غور کیجیے کہ الفاظ ساختہ ذہن انسانی ہیں۔ خیالات، تصورات، تعلقات، مختصر یہ کہ واردات ذہنی الفاظ کے دوائر سے ماورا ہیں۔ فن کار ایسی ایسی پیچیدہ اور نازک بات سوچتا ہے کہ الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ مجبوراً اسے یا تو اپنے مضمون کے کسی جزو سے دست بردار ہونا پڑتا ہے یا اپنے مطلب کو یوں ادا کرنا پڑتا ہے کہ ابلاغ کا منصب پورا نہیں ہوتا اور شعر ناقص ہو جاتا ہے۔ یعنی پیراہن الفاظ کہیں کہیں سے بھٹ جاتا ہے اور عریاں معانی بھٹے ہوئے پیراہن سے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ پروفیسر رچرڈز نے بڑے سلیقے کی بات کی ہے کہ شعر برا نہیں ہو سکتا، نا شعر ہو سکتا ہے۔

اگر شعر ہوگا تو وہ ضرور اچھا ہی ہوگا۔ ہاں معانی اور مطالب کے اعتبار سے عظیم و جلیل ہو سکتا ہے یا ابلاغ و اظہار کے اعتبار سے مکمل و ناقص۔ فن کار ہمیشہ اس بات کی شکایت کرتے چلے آئے ہیں کہ جو کچھ وہ کہنا چاہتے ہیں وہ کلیۃً نہیں کہہ سکتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ الفاظ کا محدود ذخیرہ ان کا ساتھ نہیں دیتا۔ مثلاً :

در نایاب معانی نے کیا مجھ سے گریز
جب اے تار تخیل میں پرونا چاہا

لفظ کے روپ میں ڈھلتے نہیں وہ ہنگامے
جو سری بزم تصور میں بیا ہوتے ہیں
لفظ کے محمل زرقار میں خوبان خیال
کبھی مستور کبھی چہرہ کشا ہوتے ہیں

شعر کی ترتیب، تالیف اور تدوین میں جو محنت بڑی ہے، اس کا ذکر بھی اکثر شعرا نے کیا ہے۔ مثلاً آتش کہتا ہے :

بندش الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کلم ہے آتش مرصع ساز کا
اور مشہور شعر ہے :

خشک سروں تن شاعر میں لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرعہ تر کی صورت

اس مہید کے بعد اب یہ عرض کر دینے کا مرحلہ آ گیا ہے کہ اختراع تراکیب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو بات شاعر مفردات کے سہارے نہیں ادا کر سکتا وہ مرکبات کی مدد سے ظاہر ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نیا مرکب ایک نیا کلمہ ہے؛ نئی ایمانی دلاتی اور رموز اپنے اندر مخفی رکھتا ہے۔

اس لیے شاعر کے ذہن میں جو رموز پرفشاں تھے اور جو دلاتے
 دقیق تھے، وہ سرکیات کے سانچوں میں بعض اوقات ڈھل کر
 شاعر کا مفہوم قاری تک بوجہ احسن پہنچا دیتی ہیں۔
 تراکیب تازہ کے اختراع میں فارسی میں عرفی اور اردو میں غالب
 اس سلسلے میں بہت ہاکال تصور کیے جاتے ہیں۔ دونوں کے
 ہاں اختراع تراکیب کی وجہ کسی پیچیدہ خیال یا کسی دقیق
 حقیقت کا ابلاغ ہے۔ عرفی نے ایک قصیدے میں کچھ قسمیں
 کھائی ہیں: ان میں تراکیب تازہ کا ایک جہان مخفی ہے۔ کچھ
 اشعار من لیجیے:

ہرقع منہ کنعان کہ بود حسن آباد
 بہ حجلہ گاہ زلیخا کہ بود یوسف زار
 بہ آن متاع کہ گوہر فروش کنعانی
 بمصر برد لبالب ز حسن شد بازار
 بہ تیشہ کہ ہر اطراف صورت شیریں
 ہمہ کرشمہ تراشیدہ ریخت ہر کہسار
 بہ نم فروشی آسودگان شکوہ طراز
 بتازہ روئی ہوسردگان شکر گزار
 بگرم چشمی من در نظارۂ معنی
 بشرمکینی من در افادۂ اشعار
 بہ منبلے کہ بہ گلزار حسن می روید
 نہ از میانہ گلشن نہ کوشتہ گلزار
 بہ عندلیب چمن کز نوائے گوناگون
 لباس ہوقلموں دوخت ہر قد گلزار

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ نسیم عرفی ، مومن اور غالب کا مد مقابل ہے لیکن اس کے ہاں جو اختراع تراکیب نو کا اسلوب ہے ، اس کا مطالعہ کرنے سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ وہ خیال کی لطافت کو ، مضمون کی پیچیدگی کو اور مطلب کی دقت کو ترکیب تازہ کے ذریعے قاری تک پہنچانا چاہتا تھا اور اکثر کامیاب ہوتا تھا ۔ حسرت موہانی نے ترکیب تازہ کے اختراع میں خانوادہ مومن کی بہت تعریف کی ہے اور تسلیم و نسیم کو بہت سراہا ہے ۔ بہر حال اب نسیم کی کچھ آیات کمال دیکھیے :

بے پیرہن نہیں ہے پس از مرگ میری روح
دامنِ سپہر کا ہے گریباںِ ہلال کا

عروس فکر رنگیں کو خیال آیا جو تڑپیں کا
شکافِ خامہ شانہ بن گیا زلفِ مضامین کا
نام فراقِ پھر نہ لیا میں نے عمر بھر
تھا ذائقہ زباں پہ عذابِ چشیدہ کا۲

۱۔ یہ بالکل لکھنؤی انداز ہے ، لیکن شعر کا تو ہم حروف کی تکرار اور من حیث المجموع مطلع کا آہنگ دیدنی و شنیدنی ہے ۔
۲۔ عذابِ چشیدہ کوئی غیر معمولی تازہ ترکیب نہیں ، لیکن نہایت کاشفِ راز ہے ۔ مراد یہ کہ میں نے کہیں دعویٰ کر دیا تھا کہ جدمہ فراقِ برداشت کر لوں گا ، انہوں نے آزمایا ۔ مجھ پہ جو کچھ بیت گئی اس کی تلخی اب تک نوکِ زباں پر رکھی ہے کہ کسی طرح جاتی ہی نہیں یہ پہلو چشیدہ عذاب میں غنی ہیں ۔ نظیری کا ایک شعر اس سلسلے میں قیامت ہے :

ابنِ گوشال درخورِ ماہست از فراق
نامِ جدائی تو دلیرانہ بردہ ایم

دن رات ہے یہ مسکن انوار تصور
سینہ جسے کہتے ہیں پری خانہ ہے اس کا

ہوشیدہ ہوں ، جس طرح ارادہ ترے دل کا
ڈھونڈے بھی اگر کوئی مجھے پا نہیں سکتا ،

جھکے شیشے ، کھلے آغوش ساغر ، دخت رز چمکی
اٹھو مستو ہوا ہے آفتاب افلاک سے بیدار

۱۔ مسکن انوار تصور بڑی بلیغ ترکیب ہے ۔ جو تصویر یہ ترکیب پیدا کرتی ہے ، اس کی صورت یہ ہے کہ سینہ تصور محبوب سے ہر وقت یوں انوار تصور بنا رہتا ہے جیسے پری خانہ ہو یعنی جہاں پریاں ہر وقت بیٹھی رہیں ۔ اس اعتبار سے مسکن کا کلمہ نہایت معنی خیز اور بلیغ واقع ہوا ہے ۔

۲۔ اس شعر میں اختراع ترکیب تازہ کا لطف نہیں ، البتہ تشبیہ کی تازگی جو اختراع ترکیب کے قریب ہے ، موجود ہے ۔ نسیم اپنی حقیقت کو ایسی ہی ہر اسرار بیان کرتا ہے جیسا دل محبوب کا ارادہ ہے کہ یہ کہنا مشکل ہے کس وقت وہ کیا کریں گے ۔ دوسرا نکتہ اس تشبیہ میں یہ ہے (جو دوسرے مصرع سے ظاہر ہے) کہ انسان وہ عالم اسرار ہے کہ کوئی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے کسی دوسرے شخص کی طبیعت کی گروہیں پوری طرح نہیں کھل سکتیں ، اور اس کی حقیقت واضح نہیں ہو سکتی ۔

۳۔ پہلے مصرع میں جو مضمون تصویر کی طرح سامنے آتا ہے ۔ کوئی مصور اسے کیا پیش کرے گا ۔ کس ترتیب سے شیشے جھکنے ہیں ، آغوش ساغر وا ہوتی ہے اور شراب زریں پیراھن بلور سے جھمکنی ہوئی برآمد ہوتی ہے ۔ یہاں بھی اختراع ترکیب تشبیہ سے ہم آہنگ ہے ۔

حشر کو کاغذ اعمال دکھائیں گے ہشر
میرے ہاتھوں میں فقط آہلہ دل ہوگا

نسیم کا ایک شعر ہے جس کا تعلق اگرچہ اختراع ترکیب تازہ سے تو نہیں، لیکن جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے خانوادہ جلیل کی نسبت سے اردو اور فارسی غزل کی روایات شعری کا رازدار تھا۔ وہ کہتا ہے :

آج غنچوں نے صدائیں جو نہیں دیں شاید
کچھ صبا کو ادب خواب عنادل ہوگا

مفہوم تو واضح ہے کہ غنچے نہیں چٹکے، یہ انھوں نے گویا صدائیں نہیں دیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ ہوائے بلبلوں کو محو خواب رہنے دیا ہے، جکایا نہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون لکھنوی خیال آفرینی کا ایک کوشش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ نسیم نے کہا ہے اس کا پس منظر خالص اہرائی ہے۔ ہندوستان میں تو وہ بلبل شیریں کلام جس کے ہر رنگا رنگ ہونے ہیں اور جسے غالب قفس رنگ کہتا ہے ہوتی ہی نہیں اس لیے گلاب پر عاشق ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سخن دان فارس میں آزاد نے اپنی سیاحت ایران کے ضمن میں صراحت سے لکھا ہے کہ بلبل گلاب کے بھول پر اس

۱۔ ہاتھ میں آہلہ دل کا ہونا بالکل نئی بات ہے اور مطلب واضح ہے کہ لوگ اپنے اعمال کا جواز پیش کریں گے اور میں صرف آہلہ دل دکھاؤں گا کہ سمٹا جائے ناآسودہ سے میری کیا صورت ہوتی ہے۔ غالب یاد کیجیے :

آتا ہے داغ حسرت دل کا حساب یاد
مجھ سے میرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

طرح جان دیتی ہے اور اس کی ٹہنی پہ بیٹھ کر اس طرح چہکتی ہے کہ دل بیتاب ہو ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بلبل کی نغمہ سرائی سن کر میں اتنا بے قرار ہوا کہ کئی بار تالی بجا کر اسے اڑا دیا۔ رات کو بھی بلبل کی نغمہ سنجی گلاب کی ٹہنی پر جاری رہتی ہے اور آزاد کے الفاظ میں آسمان کا کالا گنبد پڑا گونجتا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ نسیم کیا کہنا چاہتا تھا۔ بلبلیں رات بھر گلاب کی شاخوں پر بیٹھیں چہکتی رہی ہیں، نغمہ سرائی میں مصروف رہی ہیں، ابھی بہت سویرا ہے، ہوا سنکنے کا وقت آ گیا ہے، لیکن باد صبا یہ سوچ کر کہ بلبلیں رات بھر کی جاگی ہوئی ہیں چلنے سے انکار کر دیتی ہے، کہ غنچے ضرور چٹکیں گے، بلبلیں چہکیں گی اور اپنی تیند پوری نہ کر سکیں گی۔ گل و بلبل کے علائم و رموز اس وقت تک ہندوستان کے شعرا پر واضح رہے جب تک ایرانی یا اصطلاحاً تازہ وارد ولایتی اس ملک میں آئے جاتے رہے، جب یہ ارتباط کم ہو گیا تو یہ رموز بھی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے اور آج غالب کا یہ شعر محل نظر ہے :

قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ

اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے

۱۔ غالب کے شعر کا مفہوم میری ناقص رائے میں یہ ہے کہ عشق کے گوناگون روپ ہیں، متنوع رنگ ہیں، یہ ایک ہزار شیوہ طلسم ہے۔ مثال کے طور پر قمری سرو پہ عاشق ہے اور بلبل گلاب پر۔ دونوں میں عشق وجہ اشتراک ہے، لیکن باوجود اس کے کہ دونوں عشق میں جل بہن کر خاک ہو گئیں، پیراہن کی صورت مختلف رہی۔ قمری جلی تو کف خاکستر ہو گئی، کہ اس کا رنگ ہی خاکستری ہوتا ہے، وہ بھی عاشق، بلبل عشق میں جلی تو قفس (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(۳)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لطافت بیان اور خوبی ابلاغ مومن اور غالب کی خصوصیت ہے وہ نسیم کے ہاں نہیں پائی جاتی، لیکن مومن کا خانوادہ شعری جذبات انسانی کی تصویر کشی میں عجاظ طور پر مشہور ہے اور نسیم بھی گاہ گاہ اس سلسلے میں خوبی و محبوبی کے ایسے ایسے دل رہا بخونے پیش کرتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ حیرت اس لیے کہ وہ بہ قطع و یقین اپنے معاصروں میں صف اول کے شاعر نہیں ہیں؟ صف دوم کے نہایت اونچے درجے کے سخن پردازوں میں ان کا شمار البتہ ہوتا ہے اور اس کے وہ حق دار ہیں۔ ایسے اشعار جن میں جذبات کی گیرائی اور کھرائی کا تجزیہ بہ پیرایہ خاص کیا گیا ہو اونچے درجے کے شعرا کے یہاں بھی کم نظر آتے ہیں، لیکن اس سلسلے میں مدار سخن

(گزشتہ صفحے کا باقی حاشیہ)

رنگ ہو گئی۔ بلبل بہت خوش رنگ پرندہ ہے اور لغات دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ اس کے ہروں میں متنوع رنگ ہوتے ہیں، وہ بھی عاشق۔ تو معلوم ہوا کہ عشق میں پیراہن کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں جو چیز ثبوت عشق دیتی ہے وہ آہ و نالہ ہے، یہ صدائے درد ناک ہے، ساز فغاں ہے۔ ان دونوں چیزوں میں قمری اور بلبل اشتراک رکھتی ہیں۔ مراد یہ ہونی کہ جگرسوختہ کا نشان آہ و نالہ سے ملتا ہے، پیراہن سے نہیں ملتا۔ پیراہن کسی رنگ کا پن لے۔ عاشق اور صوفی، سادھو اور چوگی مختلف رنگوں کے پیراہنوں میں دیکھے جاتے ہیں، لیکن شناخت پیراہن سے ہوتی بلکہ اس لگن سے ہوتی ہے جو تصوف سے مخصوص ہے۔ اسی طرح قمری اور بلبل میں وجہ اشتراک یعنی اصطلاحاً وجہ شبہ آہ و نالہ ہے، رنگ، صورت، شکل، پیراہن نہیں، کہ ان چیزوں سے سوختگی جگر کا کوئی تعلق نہیں۔

کمیت نہیں بلکہ کیفیت ہے - نسیم کے ان اشعار پر غور فرمائیے :

آپ کو آزاد دکھلا کر کیا اور دل کو قید
میں وہ صید خیرخواہ خاطر صیاد تھا
جب قریب نخل آیا ٹر کے بھر پرواز کی
طائر خائف کی صورت آشیان برباد تھا

دوسرے شعر میں نفس انسانی کی ایک نہایت دقیق کیفیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بعض اوقات انسان کسی ایسے حادثے سے دوچار ہوتا ہے کہ اس کی یاد عمر بھر کے لیے سرمایہ خوف و تحیر بن جاتی ہے۔ خیالات متلازمہ اس کا ذہنی توازن بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں اور وہ اپنے خوف، اپنی حیرت اور سرگردانی کے محور و مرکز کو توہرتو ہردون میں یوں غنی و مستور کر لیتا ہے کہ نفسیاتی الجھن کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں عموماً اور دوسری جنگ عظیم میں خصوصاً مسلسل بمباری سے سپاہیوں کے ذہن جس طرح ماؤں اور متاثر ہونے پر بڑی خوفناک اور دل کداز داستان ہے۔ بعض اوقات تو یہ صورت پیدا ہوتی تھی کہ بم کی آواز کی جو گونج ذہن کے گوشے میں ہوشیدہ تھی وہ کسی آواز کا روپ دھار کر ظاہر ہوتی تھی اور اچھا بھلا انسان چیخنے چلانے لگتا تھا، یہاں تک کہ اسے ہسٹیریا کے دورے پڑنے لگتے تھے۔ نسیم نے اس شعر میں ایک ایسے خوف زدہ طائر کی داستان کی طرف اشارہ کیا ہے، جس کا آشیان برباد ہو چکا تھا، اب اس کی ذہنی کیفیت یہ ہو چکی تھی کہ جب کسی درخت کے قریب آتا تھا تو انکار و تصورات متلازمہ کا فشار اسے خوف زدہ کر دیتا تھا وہ نخل سے آشیان بربادی کے تصور کو مربوط کر لیتا تھا۔ اور خوف کے عالم میں بھر وہاں سے پرواز کر جاتا تھا، یہاں تک کہ کوئی درخت اسے پناہ دینے کے قابل نہ رہا تھا۔ ظاہر

ہے کہ طائر غائب یہاں دھشت زدہ انسان ہے اور آشیان بربادی اس حادثے سے عبارت ہے جس نے طائر کا توازن ذہنی غارت کر کے رکھ دیا تھا (یعنی انسان کا)۔ اس شعر کی نزاکت خیال اور دقت نظر کی داد نہیں دی جا سکتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فن کار کو واقعاً مکشوفات سے سابقہ پڑتا ہے، اور وہ تجربات کے کسی سلسلے کا مطالعہ کرتے ہوئے کسی ایسی حقیقت عمومی کی ماہیت تک جا پہنچتے ہیں جو عوام تو کیا خواص کی دسترس میں بھی نہیں ہوتی :

کمال بے ادبی سے یہ عرض کرتے ہیں
ہمیں سے اے قد جاناں کشیدہ ہونا تھا
نہ برگ و گل نہ ٹمر، سب سے پاک دامن ہوں،
مرے نصیب میں شاخ بریدہ ہونا تھا

۱۔ اس شعر میں ترکیب کمال بے ادبی، نہایت بلیغ واقع ہوئی ہے۔ عالم ادب میں انسان آنکھیں جھکا کے رکھتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ مضمون سے آنکھیں چار نہ ہوں، لیکن یہاں یہ صورت پیدا ہوئی ہے کہ قد جاناں کشیدہ ہو گیا ہے۔ مراد کشیدہ قامی ہے۔ اب اگر اس کشیدہ قامی کا معائنہ مدنظر ہو تو ادب و احترام کا ترک لازم آنے کا کہ چاہنے والے کو آنکھیں اٹھا کر دیکھنا پڑے گا ورنہ کشیدہ قامی کی نوعیت اور اہمیت نظر سے غائب رہے گی۔ اس شعر میں کلمہ کشیدہ کو محور بنا کر جو کہل کہلا گیا ہے، وہ بظاہر ضلع جکت معلوم ہوگا لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ایسا نہیں ہے۔

۲۔ ظاہر ہے کہ شاخ بریدہ جب تک جزو آ درخت سے پیوستہ رہے اشیاء حیات کے امکانات باقی رہتے ہیں اور اس کا با برگ، با گل اور با ٹمر ہونا ممکن رہتا ہے لیکن جوں ہی شاخ درخت سے کلیۃً منقطع (بلیہ اگلے صفحے پر)

کہاں ربط میں ہوتی ہیں سینکڑوں باتیں،
 نہ اس قدر تمہیں ہم سے کشیدہ ہوتا تھا
 سخت جانوں کے لیے موت کہاں او ظالم
 سم بھی دے گا مرے حق میں تو وہ درماں ہوگا

یہ شعر غالب کے مشہور شعر کی یاد دلانا ہے :

تاب ہنگامہ درد آرم و گویم ہیہات
 چہ کم تا غم ہجر تو یقین تو شود

غالب کی مراد یہ ہے کہ ہجر میں جو مصائب مجھ پر
 گزرتے ہیں انہیں میں ہی جانتا ہوں لیکن یہ بھی سمجھتا ہوں
 کہ مرنا میرے شایان شان نہیں۔ فانی کہتا ہے :

نہیں ضرور کہ مر جائیں جاں نثار قرے
 یہی ہے موت کہ جینا حرام ہو جائے

(گذشتہ صفحے کا ہائی حاشیہ)

ہو گئی یہ امکان بھی رفع ہو گیا۔ اس کیفیت خاص کو نسیم نے یوں
 کہا کہ شاخ بریدہ ہونے کی بنا پر پاک دامن ہو گیا ہوں کہ
 فیض رسانی میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ پاک دامن کی
 یہ شاعرانہ توجیہ اگرچہ لکھنؤی شعراء کا مخصوص رنگ رکھتی ہے
 لیکن خوب صورت ہے خالی نہیں۔

۱۔ معاملہ ہندی اور وقوع گوئی میں جو معاملات راز و نیاز
 پیش آتے ہیں، ان کا تجزیہ آسان یہی ہے اور مشکل یہی۔ یہ کوائف
 سامنے کے اور ہاسال بھی ہو سکتے ہیں اور دقیق بھی ہو سکتے ہیں۔ نسیم
 جہاں اس صورت کا بیان کرتا ہے جہاں کہاں ربط و ضبط میں بے تکلفی
 کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ انسان کو ذرا ذرا سی بات پر ایک
 دوسرے سے خفگی زیب نہیں دیتی۔ جہاں کلمہ ربط نہایت بلیغ واقع
 ہوا ہے اور انتخاب الفاظ میں نسیم کی احتیاط کا سراغ دیتا ہے۔ کوئی
 اور کلمہ یہ خاص معانی اور کیفیت پیدا نہ کر سکتا۔

غالب بھی محبوب کو یہ دکھانا چاہتا ہے کہ اگرچہ وہ رسماً زندہ ہے لیکن دراصل اس پہ جینا حرام ہو چکا ہے۔ موت کو وہ اپنی اہانت سمجھتا ہے۔ اب مشکل یہ آن پڑی کہ غالب کی محبوبہ فرقت میں غالب کی زندگی کو اس کی قربانی نہیں سمجھتی بلکہ ڈھیٹ پن سمجھتی ہے۔ اس کے خیال میں فرقت میں مر جانا ہی کمال عاشقی تھا۔ اس پر غالب اپنے حرمان کا اظہار کرتا ہے، کہ میں بھی کیا گراں جانی کے عذاب میں گرفتار ہوں کہ آداب عشق مجھے مجبور کرتے ہیں کہ ہجر کے مصائب برداشت کروں اور محبوبہ کو یہ گمان گزرتا ہے کہ میں زندگی کو موت پر ترجیح دیتا ہوں۔ نسیم بھی غالباً غالب کے تتبع ہی میں یہ کہتا ہے کہ میرے خیال میں آداب عاشقی موت کو مانع ہیں کہ مصائب ہجر کو برداشت کرنا اور درد فرقت کے مرحلے سے گزر جانا، عاشقی کا ایک مخصوص سلیقہ ہے جو بلند پایہ چاہنے والوں کو نصیب ہوتا ہے۔ خاص طور پر جب ہم محبوب کی طرف سے پیش کیا جائے تو اس سے مرنا گویا عاشقی کی اہانت کا آخری درجہ ہے۔ عجاز نے تصوف کا رنگین اور ہاریک آئینل اوڑھ کر کیا خوب کہا ہے :

ہر چہ از دوست میرسد نیکوست

اور یہ مصرع تو زبان زد خاص و عام ہے :
 مجھے تم زہر دے دیکھو اثر ہووے تو میں جانوں
 غالباً نسیم کے اس شعر پر مومن کے ایک نہایت ٹیکھے شعر
 کی جھلک بھی پڑی ہے :

موت ہے جان کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
 چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا
 یعنی ہماری تو زندگی ہی درد سے عبارت ہے۔ یہ درد

نہ رہے تو بھر زندگی میں معنویت ہی کیا باقی رہی ۔
 مندرجہ ذیل اشعار میں جذبات نگاری میں مخصوص دقت نظر
 سے کام نہیں لیا گیا لیکن ان کی رنگینی اور ان کی لطیف پیچیدگی
 تقاضا کرتی ہے کہ انہیں یہی درج کیا جائے ۔

قلق سے دم لبوں پر خواہش دیدار میں آیا
 وہ آیا بھی تو چھپ کر پردہ اسرار میں آیا
 سواد حسن گلشن کم نہیں تحریر رنگیں سے
 صحیفہ موسم گل کا خط گلزار میں آیا

دوسرے شعر میں محسنات شعری کی خوبی اور عیبی دہنی
 ہے ۔ سواد حسن ، تحریر رنگیں ، صحیفہ موسم گل اور خط گلزار
 یہ تمام تراکیب متلازم خیال کا ایک سلسلہ پیدا کرتی ہیں اور
 مراعات النظیر کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے مختلف خطوط کے ارتقا
 میں جو حصہ لیا تھا ، ان کی طرف اشارہ کرتی ہیں ۔

(۴)

میں عرض کر چکا ہوں کہ نسیم محسنات شعری کے استعمال
 میں ذوق سلیم سے کام لیتے ہیں ۔ ان کے ہاں صنائع و بدائع
 لفظی و معنوی موجود ہیں ، لیکن یوں مستعمل ہیں کہ خیال
 کو ہر پرواز مہیا ہوتا ہے ۔ یہ نہیں کہ محسنات زنجیر بن جائے
 ہوں اور پڑھنے والے کو آگے بڑھنے سے روکتے ہوں ۔
 مولانا عبدالرحمان مجاز سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ”شعر
 شاہد سخن ہے اور مجاز اس کا ہر تکلف لباس و زیور ۔ یہ صحیح
 ہے کہ حسن والوں کی سادگی بھی ایک ادائے دل نشیں ہوتی ہے ،
 لیکن آرائش بھی انہیں کا دستور و آئین ہے ۔“ آگے چل کر وہ

کہتے ہیں کہ اگر محسنات شعری کلام کی خوبی میں اضافہ کریں تو نگار سخن کا زیور ہیں ورنہ اس کے پاؤں کی بوجھل زنجیریں ہیں۔ دراصل صنائع و بدائع لفظی و معنوی کا منصب یہ تھا کہ شاعر جب اپنے معانی کی ایک تختہ پللی صورت ظہور میں لے آئے تو اس کے بعد رکب جائے اور غور کرے کہ صحیح اظہار اور ابلاغ کے لیے موزوں ترین الفاظ، تشبیہات، استعارات اور کنایات کی کیا صورت ہوگی۔ گویا محسنات شعر کا صحیح منصب یہ ہے کہ شاعر کو اظہار مفہوم میں زود کاری سے بچائے، قدم قدم پر روکے، انتخاب الفاظ موزوں میں ٹوکے، ایسے الفاظ کے انتخاب کی طرف متوجہ کرے جو باہم مربوط ہوں، جن کے تلازمات اور جن کی دلائیں ایک دوسرے سے پیوستہ ہوں۔ اگر محسنات شعر یعنی صنائع و بدائع لفظی و معنوی منصب کا صحیح استعمال ملحوظ رکھ کر استعمال کیے جائیں تو شعر کے ابلاغ و اظہار میں فن کار کو بڑی مدد ملتی ہے۔ محسنات کا مطلب یہ نہیں کہ صرف تزئین کلام کی ایک صورت پیدا ہو جائے بلکہ صحیح مقصد یہ ہے کہ صنعتیں اس کاریگری سے استعمال کی جائیں کہ ان پر غور کرنے سے شعر کی پیچیدگی رفع ہو، کوئی الجھن ہو تو حل ہو جائے۔ محسنات شعری کا استعمال ایسی بے ساختگی سے ہونا چاہیے کہ عموماً قاری کو ان کے استعمال کا شعور بھی نہ ہو۔

یوسف حسین خاں لکھتے ہیں :

”غزل گو شاعر اپنے اندرونی جذبوں کو تخیل کی زبان میں بیان کرنے کے لیے، کبھی معانی کے لیے موزوں الفاظ تلاش کرتا ہے اور کبھی لفظوں کے لیے معانی۔۔۔۔۔ یوں کہیے کہ ذہن میں خیالوں اور لفظوں کی ترتیب الک الک نہیں ہوتی بلکہ ایک ساتھ عمل میں آتی ہے۔۔۔۔۔ لفظ اور

معانی کے صحیح ربط سے حسن ادا کی جلوہ گری ہوتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کبھی بعض مخصوص شعری علامتوں یا تلمیحوں کا آسرا لیا جاتا ہے ، کبھی صنائع و بدائع سے شعر کے لفظوں کی نشست و ترتیب میں حسن پیدا کیا جاتا ہے اور کبھی نقل قولی سے ایمائی اثر کو بڑھایا جاتا ہے ۔ صنعتوں میں حسن تعلیل ، مبالغہ ، تضاد ، مقابلہ ، ایہام ، مراعات النظیر اور تجاہل عارفانہ سب کی سب غزل کی رمزی کیفیت کو بڑھاتی ہیں ۔ صنائع لفظی و معنوی سے شاعر کو اپنے تخیل کی پرواز میں مدد ملتی ہے ، لیکن شرط یہ ہے کہ ان کا استعمال ہر محل ہو اور تکلف اور تصنع سے احتراز کیا جائے ۔ اگر صنعت کی خاطر صنعت برتی گئی اور شعر کہا گیا تو رمزی تاثیر مجروح ہو جائے گی ۔ صنائع بھی بلاغت سے بے نیاز نہیں ہو سکتیں ، ضرور ہے کہ ان سے شعر کی طلسمی تاثیر میں اضافہ ہو نہ کہ کمی ، صنائع کے استعمال سے رمزی اثر بڑھتا ہے بشرطیکہ وہ شاعر کے خیال کا جزو بن گئی ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نسخ نے منطقی استدلال کی کوشش کی جو روح تغزل پہ گراں گزرتی ہے، —

نسم کے ہاں صنائع لفظی و معنوی کے استعمال میں بڑی صنعت گری سے کام لیا گیا ہے اور یہ بات طبعی ہے ۔ اگرچہ ان کی انتاد طبع دھلوی تھی اور شعری مزاج بھی دھلی کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا ، لیکن لکھنؤ میں ، جو صنائع و بدائع لفظی و معنوی پہ گویا مٹا ہوا تھا ، انہیں ایسی فضا میسر آئی کہ وہ لکھنؤی شعرا کے کلام سے استفادہ کریں اور اس بات پر غور

کریں کہ کہوں کر محض قافیہ طراز اور سخن ساز غزل پیا شاعروں
 کے ہاں شعر صرف صنائع و بدائع لفظی و معنوی کا ایک
 گورکھ دھندلین کے رہ جاتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ
 دہلی کے مقابلے میں اودھ میں لوگوں کا معیار زیست مقابلتاً
 بلند تر تھا۔ اکابر امرا اور گراں پایہ رؤسا کے بچے جو تعلیم و تربیت
 حاصل کرتے تھے اس میں علوم شعریہ کی تحصیل بھی ایک
 جزو لازم تھی۔ مراد یہ ہے کہ شعر کی باقاعدہ درس و تدریس
 ہوتی تھی، اصلاح سخن کے کارخانے چل رہے تھے، شعر برابر
 ڈھل رہے تھے، پڑھے لکھے آدمی اس بات کو منجملہ آداب
 شائستگی خیال کرتے تھے کہ وہ شعر فہم تو ہوں ہی شعر
 کہتا بھی جانتے ہوں۔ آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ شعر مختلف
 زمینوں میں نکالے جاتے تھے؛ گویا شعر کشف و الہام پر مبنی
 نہ تھے؛ بلکہ محض مشق سخن طرازی پر۔ یہ شوق یہاں تک عام
 تھا کہ جو لوگ شعر کہہ نہیں سکتے تھے، وہ شعر خریدتے
 تھے، ادھر لکھنؤ کے عوام میں بھی ذوق سلیم گویا طبیعتوں کا خاصہ
 تھا۔ عام لوگ فارسی پڑھ لکھ سکتے تھے اور اکثر تک بندی
 بھی کرتے تھے۔ انہیں تک بندوں کو جنہیں میں نا شاعر کہتا
 ہوں، صاحب شعر الہند نے شاعر کہہ کر ان کی تک بندیوں کو
 دھلوی شعرا کے مقابلے میں پیش کیا ہے۔ دران حال کہ لکھنؤ میں
 یہی نہایت اچھے سخن گو موجود تھے جو تک بند کسی طرح نہ تھے
 اور جن کا کلام ہر طرح دھلوی شعرا سے لگا کھاتا تھا۔ اس تمہید
 کا خلاصہ یہ ہے کہ لکھنؤ کے تک بند، قافیہ طراز اور سخن ساز
 صرف یہ دیکھتے تھے کہ شعر وزن میں ہے، قافیہ درست ہے،
 ردیف ٹھیک بیٹھ گئی ہے، زبان رنگین ہے اور محسنات شعری
 بوجہ احسن موجود ہیں۔ اس هجوم میں جذبے کی پری اڑ جاتی تھی

تھی اور صرف الفاظ کا گورکھ دھندا باقی رہ جاتا تھا ۔ نسیم نے ان تک بند شعرا کی بظاہر رنگینی سے عبرت پکڑی لیکن لکھنؤ کے عام مذاق شعری کو ملحوظ رکھتے ہوئے محسنات شعری کو بڑے سلیقے سے برتا ۔ جذبے کی آغچ کہیں دھیمی اور کہیں تیز قائم رہی ، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لکھنؤ میں بھی استاد کہلائے ۔ ناسخ کی طرح انہوں نے دوغزلے اور سدغزلے لکھے ، مشکل ردیفوں اور قافیوں میں داد سخن دی ۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں وہ بھٹک بھی گئے اور ایسے شعر بھی انہوں نے کہے جن کا مقام ایسا ہے کہ انہیں شعر نہ کہا جائے تو اچھا ہے ؛ تاہم عموماً انہوں نے اپنی دہلوی افتاد طبع اور مزاج شعری کو قائم رکھتے ہوئے محسنات شعری کو بڑی فن کاری سے استعمال کیا ۔ یہ نسیم کی صفت خاص ہے کہ ان کے ہاں محسنات یعنی صنائع و بدائع لفظی و معنوی بڑی خوبی سے برتے گئے ہیں ۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں ، اکثر یہ صورت پیدا ہوئی ہے لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ نسیم نے بد اخلاق کی حدود کو چھو لیا ہے ۔ اب ان کے ہاں محسنات شعری کا رنگ دیکھیے :

دو رنگی ابلق ایام کی طرفہ تماشا ہے
جسے بالائے زہں دیکھا وہی زیر زمیں آیا
بہت مدت میں دیکھا آج تجھ کو یار دیرینہ
کہاں تھا ، کس طرف سے اے دل اندوہ گیں آیا ؟

دوسرے شعر میں صنعت گری نہیں ہے ، لیکن صنعت گری سے زیادہ دقت نظر موجود ہے ؛ وہ یہ کہ بعض اوقات انسان اپنے مسائل بالکل فراموش کر دیتا ہے ، لیکن پھر ایک ایسی کوئی ایسا واقعہ ہوتا ہے کہ پرانے حادثات کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ ”کہاں سے ، کس طرف سے اے دل

اندوہ گیں آیا ؟ ،،

برہمن دیر کو راہی ہوا اور شیخ کعبے کو
نکل کر اس دو راہے سے میں کوئے ہار میں آیا
گڑے جاتے ہیں شمشاد و صنوبر قرط غیرت سے
الہی کون سا سرو رواں گلزار میں آیا

جوش سرشک دیدہ تر میں کمی کہاں
دریا یہ وہ نہیں کہ چڑھا اور اتر گیا
جاگو غنودگان اجل خواب نا کجا
تا جیب طول چاک قبائے سحر گیا

میں نے عرض کیا تھا کہ کہیں کہیں نسیم بد ذوق پر بھی
اتر آتے ہیں ، وہ بات تو نہیں جو لکھنؤ کے تک بندوں میں ہے ،

۱۔ سودا کا قطعہ یاد کیجیے :

کہا میں نے یہ دل سے عشق کی راہ
کس طرف مہربان ہڑق ہے
کہا ان نے کہ نہ تو هندوستان
نہ سوئے امفیان ہڑق ہے
یہ دو راہ جو کفر و دین کا ہے
دونوں کے درمیان ہڑق ہے

یاس نے کیا خوب شعر کہا ہے :

امید و بیم نے مارا مجھے دو راہ پر
کہاں کے دیر و حرم گہر کا راستہ نہ ملا

۲۔ اگرچہ کوئی مقابلہ نہیں لیکن یہ مشہور شعر یاد ضرور آتا ہے :

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

مثلاً کچھ تکبند بزرگ فرماتے ہیں :

بارہ دری میں بیٹھے ہیں دشمن کے پاس وہ
معلوم ہو گیا مجھے ششدر بنائیں گے

زلف لٹکا کے وہ جس دم سر بازار چلا
ہر طرف شور اٹھا مار چلا مار چلا

لڑ کر رقیب یار کے گھر سے نکل گیا
لو عثرب آج ہرج تہر سے نکل گیا

نسیم کی بد ذوقیوں کی کچھ مثالیں بھی دیکھ لیجئے :

بخشی دراز دستی* وحشت نے مخلصی
لاشہ مرا حجاب کان سے نکل گیا
اب جائے حسن سبزہ نوخیز ہے نمود
آب حیات چاہ ذفن سے نکل گیا
لاشہ مرا لحد سے ہوا جا کے ہم کنار
دلہا کا اشتیاق دلہن سے نکل گیا
اصلاح کی یہ نکبت گیسوٹے یار نے
سودا دماغ مشک ختن سے نکل گیا*

۱۔ دوسرے مصرعے میں حافظے پر اعتماد کیا ہے ، ممکن ہے مصرعے کی اصل حالت کچھ مختلف ہو ، لیکن مفہوم قریب قریب یہی ہے ۔
۲۔ اس شعر میں طبی اصطلاحات کی کیفیت دیدنی ہے ۔ ایک تو یہ کہ بعض چیزیں طب میں دوسری دواؤں کی مصلح ہوتی ہیں پھر یہ کہ مشک کا تعلق سودا سے ہے ۔ خالصی کہتا ہے :

خراب تو می نشاندم بر سر آتش ہوس
کہیں ہمہ مشک بوسرت وہیں ہم مغز را تری

زلفیں ہٹا کے بوسہ رخسار لے لیے
مطلب ہمارا سانپ کے من سے نکل گیا
اے دل ہزار حیف جو مقتل سے پاٹے
وہ سورہ بھر نہیں ہے جو رن سے نکل گیا

میں نے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے نسیم کے ایسے شعر نقل کر دیے ہیں جو بد مذاق یہ دلالت کرتے ہیں۔ کہہ یہ رہا تھا کہ اس کے ہاں محسنات شعر کی بہار دینی ہوتی ہے۔ پھر حرف مطلب کی طرف لوٹتا ہوں۔

اہرو میں خم ، جبین میں چیں ، زلف میں شکن
آیا جو میرا نام تو کس کس میں بل پڑے

اس سلسلے میں اب صرف یہ عرض کرنا لازم ہے کہ لکھنؤ کی عام فضا کو دیکھتے ہوئے کبھی کبھی نسیم کا بھٹک جانا کچھ تعجب انگیز نہیں^۱۔ نسیم کی ایک نہایت مشہور معیاری غزل ہے ، جس میں اس کا دھلوی مزاج شعر گوئی بھی جھلکتا ہے اور لکھنؤ کی رنگینی بھی اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ اس غزل میں نسیم کی روش زیست بھی نظر آتی ہے۔ انشرونی شہادت کے اعتبار سے بڑی معنی خیز غزل ہے اور بڑی بجا طور پر مشہور ہے۔ اس غزل میں سلاست و فصاحت

- ۱۔ مراد سورہیر ہے، یعنی بہادر ، لیکن ابتذال کا پہلو واضح ہے۔
- اگرچہ غالباً لکھنؤ کی فضا میں کسی کو غلط فہمی نہ ہونی ہوگی۔
- ۲۔ لکھنؤ میں جو مذاق سخن کی کیفیت تھی اور نوابان اودھ کے زمانے میں ذوق سلیم جس حد تک ارتقا پا چکا تھا ، اس کی صحیح اور مفصل تصویر شرر کی تالیف 'گزشتہ لکھنؤ' میں ملے گی ، جو پہلے کیلانی پریس لاہور سے شائع ہوئی تھی اور اب ہندوستان میں بھی چھپ گئی ہے۔

یہ مصرعہ مخبر مصیبت کمال ہم کو پسند آیا
نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

(۵)

حسرت موہانی نے ”نکلت سخن“ میں محاسن سخن کی شق سات کا عنوان یہ قرار دیا ہے : ”حسن استعمال الفاظ جمع مخصوص یہ خاندان مومن و نسیم“ اور ساتھ ہی لکھا ہے ”الفاظ جمع کا حسن استعمال جو مومن و نسیم کے خاندان شاعری کے ساتھ مخصوص ہے اس کی مثالیں دیگر اساتذہ قدیم و جدید کے کلام میں بھی ملتی ہیں۔“ عجیب بات ہے کہ حسرت نے اس سلسلے میں نسیم کا کوئی شعر نقل نہیں کیا۔ یوسف حسین خاں نے حسرت کے اجمال کو تفصیل میں تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

”غزل میں حسن ادا کا انحصار لفظوں کے ایسے استعمال پر ہوتا ہے جس سے ذہن میں خیالی تصویریں آجا کر ہوں۔ آجا کر ہونے پر بھی یہ تصویریں رمز و ابہام کے لباس میں ملبوس رہتی ہیں۔ اس طرح ان کے خد و خال اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں اور ان سے جالیاتی حقیقت کی تخلیق ہوتی ہے۔ مثلاً بعض اوقات واحد کے بجائے جمع کا صیغہ لانے سے حسن ادا کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ مولانا حسرت موہانی نے اپنے رسالہ ”نکلت سخن“ میں جمع کے استعمال کو محاسن سخن میں شمار کیا ہے (صفحہ ۱۶۲) لیکن انہوں نے یہ نہیں بتلایا کہ ایسا کیوں ہے ؟ غالباً

اس کی وجہ یہ ہے کہ تغزل کے لیے رزمی اور ابہاسی کیفیت ضروری ہے۔ صیغہ واحد کے استعمال سے تفرد اور تعین کی صورت پیدا ہوتی ہے اور یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شاعر نفس واقعہ کو بیان کرنا چاہتا ہے، حالانکہ اس کے پیش نظر لفظوں کے معمولی معنی کے بجائے اشتباہ کا رزمی اور طلسمی اثر ہوتا ہے۔ صیغہ جمع سے چونکہ یہ مقصد بہتر طور پر حاصل ہوتا ہے، اس لیے اس سے کلام کی تاثیر اور حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ بوسف حسین صاحب کی تصریح نے بات کی صورت واضح کر دی ہے لیکن سچ پوچھئے تو ابھی گہری کما حقہ کھلی نہیں۔ قصہ یہ ہے کہ محبوب اور اس کے اوصاف کے متعلق جو کلمات ہیں ان کو بصیغہ جمع استعمال کرنا منجملہ اسرار و رموز روایات شعری ہے۔ مثال کے طور پر ’جلوہ‘ کا لفظ دیکھئے۔ صاحب فرہنگ آندراج لکھتے ہیں:

”جلوہ“:- بنوع خاص خود را بہ کسی نمودن، نمودن و عرض کردن خود را بہ کسی، مجازاً بہ معنی خرام معشوق“
موجودہ فارسی لغت نگار Haiym نے بات بلند تر سطح سے کی ہے وہ کہتا ہے:

”جلوہ“: (show) جاہ و جلال، طمطراق (parade)، اظہارِ ناز و انداز (splendour)، آن بان (to appear in full beauty or splendour)

۱- اردو غزل، مکتبہ جامعہ دہلی، نومبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۲۵۔

۲- فرہنگ آندراج، جلد اول صفحہ ۸۳۲۔

یہ آخری انگریزی فقرہ توجہ طلب ہے ؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ محبوب کے حسن کی کلیت کو اور اس کے اوصاف کی اجتماعی کیفیت کو جلوہ کہتے ہیں ، کہ اس میں ناز ، انداز ، غمزہ ، عشوہ ، ادا ، کرشمہ سبھی کچھ شامل ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جلوہ گاہ اس مقام کو کہتے ہیں جہاں دلہن جلوہ گر ہوتی ہے ، یعنی حجلہ عروسی جہاں پہلی بار دلہا دلہن کا چہرہ دیکھتا ہے ۔ جن لوگوں کا مطالعہ وسیع ہے یا جو تصوف کے تمام کوائف سے واقف ہیں وہ کلمہ جلوہ کے مفرد استعمال سے بھی لطف اٹھائیں گے کہ وہ کثرت میں وحدت کے اصول سے آگاہ ہیں ۔ ان کے ہاں مظاہر کوئیہ مل کر تمام ایک ہی جلوہ بن جاتے ہیں جو مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتا رہتا ہے ۔ جو شعرا اس نکتے سے آگاہ ہیں وہ جلوہ مفرد بہت کم استعمال کرتے ہیں ؛ یا تو صیغہ جمع میں استعمال کرتے ہیں یا اس کی ایسی صورت دکھاتے ہیں کہ جمع کا اشارہ پیدا ہو ۔ فانی کہتا ہے :

جلوے محسوس سہی آنکھ کو آزاد تو کر
قید آداب مماشا بھی تو محفل سے اٹھا
اردو کے مشہور مصرعے ہیں :

جلوہ ترا جس رنگ میں ہے ہوش رہا ہے
اور :

جلووں نے تیرے آگ لگا دی ۔ چار میں
داغ کہتا ہے :

حرم و دیر میں پتھرا گزین دونوں آنکھیں
اتنے جلوے نظر آئے ہیں کہ جی جانتا ہے

میں نے عرض کیا تھا کہ اوصاف محبوب کے سلسلے میں خاص طور پر کلمات جمع کا استعمال لطف دیتا ہے کہ دلبری کے

متنوع کوائف کو محیط ہو جاتا ہے ۔ جلووں میں اداہائے دلبری کے تمام مختلف پہلو موجود ہیں ، مثلاً ادا یعنی خوبی حرکت معشوق ۔ انداز ۔ یعنی اداۓ دل پسند ، عشوہ ۔ یعنی وہ اداۓ دلبری جس میں دھوکا دہنے کا عنصر شامل ہو ، کرشمہ ۔ اشارا بہ چشم و ابرو اور اس کلمے کی نزاکت بیان سے باہر ہے ۔

یہ تمام اوصاف دلبری جلوے میں شامل ہیں اور ”جلووں“ سے بات میں مزید بھیلاؤ پیدا ہو جاتا ہے ۔ اسی پر دوسرے الفاظ کو قیاس کر لیجیے کہ بالخصوص کوائف دلبری کے سلسلے میں یہ صیغہ جمع ان کی کیا کیفیت ہو جاتی ہو گی ۔ نسیم نے ، جو مصحفی کی طرح ادا اور دلبری کے تمام کرشموں کا راز دار اور حسن و جمال کے تمام کوائف کا محرم اسرار ہے ، الفاظ جمع کا استعمال بڑی چابک دستی سے کیا ہے اور اسے ہی مقام پر کیا ہے جہاں تلازمہ خیال اس کا تقاضا کرتا تھا ، مثلاً :

دو دن کے شور ہیں ترے حسن ملیح کے
اے دوست یہ رہے گا ہمیشہ زمانہ کیا
آغاز گفتگو ہی سے ہیں بدگائیاں
سمجھائے کوئی دوست انہیں دوستانہ کیا

۱۔ اس شعر میں اوصاف دلبری کے سلسلے میں محض بدگائی کا استعمال وہ لطف نہ دیتا جو کیفیت صیغہ جمع نے ہدائی ہے ۔ آغاز گفتگو ہی سے ایسے ایسے شکوک و شبہات پیدا ہوئے ہیں اور محبوبہ نے ایسی اداۓ دلبری سے ان کا اظہار کیا ہے کہ یہاں صرف ’بدگائیاں‘ ہی استعمال کیا جا سکتا تھا ۔ حسرت کہتا ہے :

ہم پر بھی مثل غیر ہیں کیوں مہربانیاں
اے بدگیاں یہ خوب تہیں بدگائیاں
جلوۂ دوست کے اظہار کے سلسلے میں فانی نے کیا لاجواب مطلع کہا ہے :

بجلیاں ٹوٹ پڑیں جب وہ مقابل سے اٹھا
مل کے پٹی تھیں نگاہیں کہ دھواں دل سے اٹھا

کفر و اسلام برابر ہیں زمانِ رحمت
 حسن جتنے ہیں زمانے میں خدا داد ہیں سب
 میں ہوا قیس ہوا واسق بیچارہ ہوا
 دل گرفتار ہیں سب عاشق ناشاد ہیں سب

۱۔ اس شعر میں یہ کہنا کہ جتنے حسن ہیں خدا داد ہیں انتہائے بلاغت ہے۔ 'جتنے حسن' سے مراد حسن کے مختلف اوصاف، کوائف اور لطائف ہیں یعنی حسن نے یہاں جلوے کا کام کیا۔

۲۔ اس شعر میں دوسرے مصرع کی تدریجی کیفیت دیدنی ہے۔ دل گرفتار ہونے میں اور عاشق ہونے میں فرق ہے؛ پہلا مقام عشق سے فروتر ہے اسی لیے نسیم نے تدریج ملحوظ خاطر رکھی کہ دل گرفتار ہیں سب، عاشق ناشاد ہیں سب۔ قاآنی نے ایک جگہ محبوب کی دلبری کی فعالیت کی تدریج دکھائی ہے کہ تعریف اس کی لفظوں میں نہیں باقی۔ قصیدہ ہے اور فوراً تشبیہ سے شروع ہو جاتا ہے :

کشودی زلف قبر آگیں جہاں را قبر وان کردی
 نمودی مہر چہر آئیں زمیں را آہاں کردی
 نگارا دلبرا یارا دل آراسا وفا دارا
 خجل زین نامہا ہادی کہ مارا بے نشان کردی

اس تدریج میں کمال یہ ہے کہ چلے محبوبہ کو صرف نگار کہا پھر اسے دلبری کا مقام عطا کیا پھر اس سے تعلقات بڑھے تو اسے بار کہہ کر مخاطب کیا؛ اس مرحلے نے آخر دل آراسی کی کیفیت پیدا کی؛ پھر چاہنے والے کو دھوکا ہوا کہ محبوبہ وفادار ہے؛ اب جو اس طرف سے بے وفائی کا اظہار ہوا تو قاآنی نے کراہ کر کہا، خجل زین نامہا ہادی کہ مارا بے نشان کر دی۔

عاشق و وحشی و دیوانہ و رسوا کہہ کے
جس طرح چاہے ہلا تیرے ہی ارشاد میں سب

آنکھوں میں ہے لحاظ تبسم فزا میں لب
شکر خدا کہ آج تو کچھ واہ پر ہیں آپ
بالوں میں ہے فریب تو افسوں نگاہ میں
ہر ہر طرح سے ہوش رہائے بشر ہیں آپ

۱۔ اس شعر میں نسیم نے یہ کہہ کر کہ مختلف خطابات محبوبہ ہی کے ارشادات میں شامل ہیں گویا چاہنے والوں کی شیفتگی و وحشت و حسرت، دیوانگی و آشفتنگی اور رسوائی پر مہر تصدیق لگا دی۔ ملحوظ خاطر رہے کہ دیوانہ میں 'انہ' کلمات نسبت ہیں۔ اصل کلمہ 'ذیو' ہے اور دیوانہ وہ ہے جو دیووں کے سے کام کرے یعنی حیرت انگیز اور وحشت خیز۔ اسی طرح کلمہ وحشی میں یہ اشارہ موجود ہے کہ عاشق آدمیوں سے رمبدہ رہتا ہے۔ جیسے میر کہتا ہے :

وحشت کرنا شہوہ ہے کچھ اچھی آنکھوں والوں کا

دیکھو لیلیٰ کا سا چلن ہے عیناً سارے غزالوں کا

اس شعر میں غزال کا لفظ بھی نہایت بلیغ واقع ہوا ہے کہ غزل سے اس کا تعلق روشن ہے (دیکھیے شمس قیس رازی کی تالیف المعجم دیباچہ ہد عبدالوہاب قزوینی مطبوعہ اوقاف گب)

۲۔ اس شعر میں آنکھوں اور لبوں کا صیغہ جمع میں استعمال نہایت فنکارانہ ہے۔ لبوں پر تبسم فزائی کی کیفیت کیسی عجیب و غریب چیز معلوم ہوتی ہے، جیسے محبوبہ بتلویج در لطف و کرم بہ طلسم اشارہ چشم وایرو وا کر رہی ہے۔

۳۔ دہر کی بات ہے میں نے قیاس اور لغات کے استخراج سے کام لے کر عرض کیا تھا کہ افسوں کا مادہ افس معلوم ہوتا ہے مثلاً انسا باقی حاشیہ اگلے صفحے پر

گھیرے رہے ہیں دل کو خیالات حسن یار'
 پریاں رہی ہیں گرد سلیاں تمام رات
 آئینہ جال میں وہ تھیں صفائیاں'
 نکتے رہے ہیں دیدہ حیراں تمام رات

گزشتہ صفحے کا باقی حاشیہ :

رام کنتہ اور جادو گر کو کہتے ہیں ۔ ظاہر ہوا کہ افس سے
 اسم فاعل بنایا ہے ۔ افسانے سے لوگوں کا دل موم ہوتا ہے ، اس
 میں بھی یہ مادہ موجود ہے یہی صورت افسوں کی ہے ۔ میں
 نے کہا تھا کہ چوٹی کے شاعر اکثر فسانہ و افسوں کو ساتھ ساتھ
 استعمال کرتے ہیں ۔ غالب کہتا ہے :

فسون بابلیاں فصلے از فسانہ نعت

اور اقبال فنون لطیفہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے :

اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیات
 نہ کر سکیں تو سراہا فسون و افسانہ

حافظ کہتا ہے :-

دوش چشمش عشوۂ می داد حافظ را ولے

من نہ آنم کز وے این افسانہ ہا باور کنم

یہاں عشوہ ظاہر ہے کہ فسانہ طرازی کے معنی میں استعمال کیا
 گیا ہے ۔ نسیم کے شعر میں نگاہ میں افسوں کا ہونا اس بات کی
 دلیل ہے کہ ان کی نظر پڑتے ہی چاہنے والے کا دل رام ہو جاتا ہے ۔

۱۔ اس شعر میں خیالات حسن یار کو پرہاں کہنا کمال فن کاری ہے ۔
 ہری خود ایک پر اسرار چیز ہے ؛ سوائے اس کے کہ ہر رکھتی ہے
 ہم اور کچھ نہیں جانتے ؛ صرف اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ
 بدعاہت درجہ حسین اور پر اسرار چیز ہے ۔ حسن یار کے خیالات
 کو دائرۂ طلسم و فسون میں لے جانا مشکل کام تھا لیکن نسیم نے یہ
 مشکل حل کی ہے ۔

۲۔ آئینہ جال کے بعد پھر لفظ مفرد نہیں آیا ، جمع آیا ہے یعنی صفائیاں ۔
 (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

ہوتی ہیں جوش عشق میں جو جو شکائیں
 کہنا ہے ناز سے وہ بت سم تن ”دوست“
 بے فائدہ ہیں چارہ گروں کی مشقتیں
 ہونے نہیں ہیں عشق کے بیمار تن دوست

گزشتہ صفحے کا باقی حاشیہ :

اس کلمے میں یعنی جمع کی صورت میں ایک ایہام پیدا ہو گیا ہے جو بصورت دیگر موجود نہ ہوتا ۔ دہندہ حیران تمام رات صفائیوں کی کن مختلف سطحوں کو دیکھنے وٹے ہیں ، یہ بات قاری کے قہقہہ پر چھوڑ دی گئی ہے ۔ لکھنے رہنے میں جو جم کر دیکھنے کا عنصر شامل ہے وہ بھی توجہ کے قابل ہے ۔

۲۱۱ ان اشعار میں الفاظ جمع کے استعمال کے علاوہ ایک چیز اور بھی ہے جسے نقل قول کی نازگی کہتے ہیں ۔ حسرت نکات سخن میں (محاسن سخن ص ۱۷۱) لکھتا ہے ، نقل قول کی نازگی سے بھی خوبی شعر میں اکثر اوقات بہت ترقی ہو جایا کرتی ہے اس لیے راقم حروف کی رائے میں نقل قول بہر حال مستحسن ہے ۔ خصوصاً زمانہ حاضرہ میں جب کہ قواعد انگریزی کی پیروی ضرورت سے زیادہ ہونے لگی ہے ، مثلاً یوسف علی خان ناظم کہتا ہے :

حشر میں کھینچوں ترا دامن بھلا دیکھوں کہ تو
 واں بھی جھنجھلا کر کہے یوسف علی خان چھوڑ دے

مصرعہ ثانی میں قول محبوب ایسی بے تکلفی سے نقل کیا گیا ہے کہ اس سے شعر میں ایک جان نازہ بڑ گئی ہے ۔ نسیم کے ان دونوں اشعار میں قول بڑی خوبصورتی سے نقل ہوا ہے ۔ پہلے شعر میں محبوب کا ایک کلمہ ہے ، طنزیہ انداز میں ، یعنی درست ، اور دوسرے شعر میں نسیم نے اپنی پوری بات نقل کی ہے جیسے پہلے بھی کسی کو سنائی تھی اور اب نقل کر دی ہے ۔

(۶)

ظاہر ہے کہ نسیم نے جس فضا میں پرورش پائی تھی وہاں معاملہ بندی اور وقوع گوئی کو بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ میں ان اصطلاحات کے معانی کی تشریح مہتاب داغ کے مقدمے میں کر چکا ہوں (مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور) یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ایران میں تصوف کی گرم بازاری نے جو محبوبہ سے تمام صفات دلبری چھین کر اسے ایک بت کی طرح جامد اور ساکت چیز بنا دیا تھا، اس کے خلاف نغانی اور اس کے معاصروں نے شعوری طور پر بغاوت کی اور یہ صراحت کہا کہ جسے ہم چاہتے ہیں وہ بھی گوشت پوست سے مرکب انسان ہے۔ وہ بھی پسند کرتی ہے کہ میں چاہی جاؤں، اس کا دل بھی سوز گداز عشق اور ناز و نیاز محبت کی کیفیات سے خالی نہیں۔ یوں نغانی نے کوشش کی کہ فارسی شعر کے پاؤں سے تصوف کی وہ زنجیریں نکال دے جن کی بنا پر مطالب جامد ہو جاتے ہیں۔ جب ہندوستان میں مہاجرت کر کے ایرانی شعرا آئے تو انہوں نے اس روش کو ترقی دی اور وقوع گوئی اور معاملہ بندی ایک شیوہ خاص سے عبارت ہو گئی۔ اس کی بعض صورتوں کو تازہ گوئی بھی کہتے ہیں۔ معاملہ بندی میں ذوق سلیم کی حدود کے اندر رہنا بہت مشکل ہے کہ اس کا تعلق اصلاً جنسی کیفیات و جذبات سے ہے۔ جنس کے ڈانڈے ایک طرف ہوس سے اور دوسری طرف عشق سے ملے ہوئے ہیں، جرأت اور داغ کی معاملہ بندی میں یہی بات کھٹکتی ہے کہ ان کے ہاں چاہنے والا ہر کنوئیں سے اپنی پیاس بجھا سکتا ہے (کم و بیش)۔ اس کے برخلاف چوٹی کے شعرا کے ہاں معاملہ بندی میں اجتہاد کی پرچھائیں بھی نہیں بڑتی۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ نسیم کی معاملہ بندی تمام ایسی ہی ہے کہ وہ اعلیٰ درجے

کی چیز کہلائی جا سکے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے
 ہاں وہ رکھ رکھاؤ اور ضبط موجود ہے جو معاملہ بندی میں
 چونچال پن باق رہنے دیتا ہے لیکن عربانی سے بچتا ہے۔ کہیں کہیں
 وہ بھی لکھنوی فضا سے متاثر ہو کر بھٹکے ہیں اور ہری طرح
 بھٹکے ہیں لیکن ایسے مقامات کم ہیں۔ اب ان کی معاملہ بندی
 کا رنگ بھی دیکھ لیجیے۔

میں نے اس سلسلے میں یہ بات ملحوظ رکھی ہے کہ ایسی
 غزلیں یہ تمام وکھال نقل کروں تاکہ معاملہ بندی کا صحیح رنگ
 معلوم ہو سکے؛ انتخاب سے میں ایک جعلی نسیم پیدا کر دیتا
 اور یہ مناسب معلوم نہ ہوا۔ یوں بھی معاملہ بندی کی صحیح
 صورت پوری غزل پڑھنے ہی سے معلوم ہوتی ہے :

شکوہ ہے یہ غصہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
 کیوں آپ کو دھڑکا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
 چپ رہنے دو دم بھر مجھے اللہ نہ چھوڑو
 اب اس سے مجھیں کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
 اس لطف زبانی کو ذرا سوچیے دل میں
 یہ عذر تو بے جا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
 منہ میرا نہ کھلواؤ کہ ہو جائیں گے لب بند
 دیکھو یہی اچھا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
 ڈرتا نہیں جو دل میں ہو دشمن کے لگائے
 ان پر یہ ہویدا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
 کیوں رکتے ہو عادت سے ہوں مجبور وگر نہ
 کچھ آپ سے پردا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

اب وہ بھی یہ سمجھا کہ یہ سمجھا مری گھاتیں
 اس بات سے ٹرتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
 ہر روز نئے ڈھنگ ہیں خاطر کے نسیم آہ
 گل سے بھی سودا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ہوس یہ رہ گئی دل میں کہ مدعا نہ ملا
 بہت جہان میں ڈھونڈھا پر آشنا نہ ملا
 ہوا ہے کون سا معشوق با وفا اے دل
 گلہ عبت ہے اگر وہ ملا ملا نہ ملا

عجیب قسمت بد تھی شب فراق میں ہم
 کمال ڈھونڈہ پھرے خانہ قضا نہ ملا
 نہ دے تو ہاتھ ہے ، ہوں ضعف سے میں رنگ حنا
 ہوائے شوق فنا میں جہاں اڑا نہ ملا

جواب دے کی بھلا روز باز پرس تو کیا
 اڑا اڑا کے ہمیں خاک میں صبا نہ ملا
 وہ کشتہ نکہ قہر تھا کہ محشر میں
 مرے جلانے کو احکام دلبرانہ ملا
 غرق بحرِ ستم عمر کی ہوئی کشتی
 بہت سا ہم نے پکڑا یہ ناخدا نہ ملا

کمال و عیش و جوانی و ملک و مال و طرب
 یہ سب ملے ہیں مگر یار با وفا نہ ملا

عجیب جوش جنوں میں ہوئی تھی پامالی
 کہ ایک آپلہ تک دوست دار پا نہ ملا

جیہی ہزار ہمنما سے کیوں نہ بے کہنکے
 کہ خار کو کوئی ہم سا برہتہ پا نہ ملا
 بہت سی کرتے رہے باغ دہر میں گلگشت
 ہر اپنے بلبل دل کو نسیم سا نہ ملا

ہمارے دشمن کے وہ عالم ترا جاتا رہا
 ایسے لب جو سے کہ ہوسوں کا مزا جاتا رہا
 دل جو پہلو میں نہیں کچھ مجھ کو بے ہوشی سی ہے
 ڈھونڈھتا ہوں یہ نہیں معلوم کیا جاتا رہا
 دم شب فرقت میں نکلا متوں سے موت کی
 اب تو تیرا بھی وہ احسان جفا جاتا رہا
 اس قدر آنکھیں ملیں میں نے ہجوم شوق میں
 پاؤں سے اس شوخ کے رنگ حنا جاتا رہا
 یہ تلافی کس لیے کچھ یاد وہ باتیں کرو
 مر گیا دشمن تو کیا میرا گلا جاتا رہا
 کہہ کے تم کچھ رہ گئے سمجھوں اسے کیا خاک میں
 لفظ جب پورا نہ نکلا مدعا جاتا رہا
 وہ نہ سمجھے میری بے قابی میں بھی گفتگو
 ہائے عرض شوق سے بھی مدعا جاتا رہا
 مجھ سے وہ میں ان سے لپٹا لڑدیا د شوق میں
 پاں لحاظ وضع وان پاس حیا جاتا رہا
 تم رقیبوں سے ملے ہم نے بھی دل بہلا لیا
 اب ہمارا آپ کا وہ واسطہ جاتا رہا

کیا کہ اس کا خلاف وضع دونوں ہو گئے
 ضبط عہد سے تم سے انداز وفا جاتا رہا
 عالم پیری مبارک باد مدفن ہے نسیم
 ولولے ٹھنڈے ہوئے سب حوصلا جاتا رہا

کلیات نسیم دہاوی

مرتبہ

کلب علی خان فائق رام پوری

غزلیات

واہ کیا رتبہ ہے فکر طبع حق آگاہ کا
 سایہ ہے ہالائے مطلع چتر بسم اللہ کا
 خوب ہے آزاد رہنا مرد حق آگاہ کا
 کہینچے قشقہ جبین پر مد بسم اللہ کا
 دیکھنا کیا مرتبہ ہے عاشقوں کی آہ کا
 اول و آخر میں جس کے حرف ہے اللہ کا
 گھٹ نہیں سکتا گھٹانے سے بھی کامل کا کہال
 بے الف معنی سے کب خالی ہے لفظ اللہ کا
 چاہتا ہوں دید تیری عالم ایجاد میں
 میں نہیں خواہاں ہوں اے پیارے کہال و جاہ کا
 گر نہ ہوتا ان میں شامل عکس نورانی ترا
 جلوہ خوش آتا کسے تصویر مہر و ماہ کا
 سب میں اور سب سے الگ ہے پاک دامانی تری
 بعد ملنے کے جدا ہے لفظ جیسے راہ کا
 جس طرح قالب میں جاں ہے اس طرح ہر جاں میں تو
 یہ فقط دھوکا سا ہے نام گدا و شاہ کا
 کیا ملے وہ زخم ازل سے جس کو تو بخشے فراق
 خامہ کر سکتا نہیں بھید شکاف آہ کا
 کیا غرض عشاق کو اعمال خوب و زشت سے
 ہم نہیں رکھتے بھروسا توشت ہمراہ کا
 تیرے صدقے امتحان کر کچھ تو او پردہ نشیں
 حوصلہ دیکھ اپنے مشتاق اجازت خواہ کا
 کج روی کو چھوڑ ظالم راستی کر اختیار
 خوب دیکھا ہار ہے انجام آلتی راہ کا

دل کسی صورت تو پہلے کیوں تم آزرده ہوئے
 شور بے تابی نہیں ہے زمزمہ ہے آہ کا
 میں تو اس کے روئے روشن کا ہوں دیوانہ نسیم
 تنگ ہے جس کو نقاب حسن جلوہ ماہ کا

(۲)

ہوں عاشق دیوانہ جو معشوق خدا کا
 غل نالہ زنجیر میں ہے صل علی کا
 بے ہوش کیا ہے کسی باہوش نے مجھ کو
 جھکڑا نہ رہا یاد عذاب دو سرا کا
 صدقے ترے اوشائع روح و تن عاشق
 وہ غیظ میں اب وقت ہے وعدے کی وفا کا
 تو پیش نظر روح فدا شوق ہم آغوش
 اب ہاتھ نہ احسان اٹھائی گئے دعا کا
 دوزخ کو بچھا دوں عرق شرم سے اپنے
 ایما ہو جو تیری نکتہ لطف قزا کا
 مرتے پہ بھی لائی نہ تری نکبت گیسو
 احساں نہ ہوا روح پہ بھی باد صبا کا
 جز بے خودی شوق نہ گریہ ہے نہ فریاد
 ے دوست چھٹا ہم سے تعلق رفقاء کا
 کیا فکر عذاب لحدی مردہ دلوں کو
 ہے اور ہی جھکڑا ترے مفتون لقا کا
 خاموش زباں شرم سے آنکھیں سوئے زانو
 میں صدقے یہ انداز ہے تسلیم و رضا کا

شمشیر محبت سے ہوا چاک جو سینہ
 ہر زخم جگر لفظ بنا صل علی کا
 عاشق کی ہے یہ خاک قدم رکھ کے گزر جا
 بوسہ ہی ملے کوئی عذار کف پا کا
 قربان اٹھا عارض ہر نور سے پردہ
 جاؤں نہ عاشق پہ ہو احسان قضا کا
 مدت سے ہے یہ دھن ترے کوچے میں بنے قبر
 ہو اوج پر اقبال مرے بخت رسا کا
 مطلب ہے مرا عارض ہر نور کا جلوہ
 عاشق ہوں ترا، نام کو بندہ ہوں خدا کا
 اعمال نسیم اپنے برے ہیں کہ بھلے ہیں
 لیکن ہے بھروسا ہمیں محبوب خدا کا

(۳)

بزم غم کو دیکھ کر دل خوش ہوا جلاد کا
 شور ماتم کیا ترانہ تھا مبارک باد کا
 قید میں آنا بہت دشوار ہے آزاد کا
 غیر ممکن جمع ہونا نکمت برباد کا
 خود فراسوشی اثر ہے اس پری کی یاد کا
 دل دکھانا خاص شیوہ ہے مری فریاد کا
 ہاتھ آنا غیر ممکن طائر آزاد کا
 دیکھتا ہے دور سے قابو نہیں صیاد کا
 ٹبر ہر آیا ہے دینے کو مبارک باد مرگ
 یہ نیا ایجاد ہے میرے ستم ایجاد کا
 واہ کیا رعب جنوں ہے اپنے صدقے جائے
 ہاتھ کیسا، کانپتا ہے جسم بھی نصاد کا

پاؤں جنت میں نہ رکھا تھا کہ نکلی تن سے روح
 بے کسی نے رو دیا منہ دیکھ کر شہاد کا
 ایک کیا دوچار ہوسوں سے تو خوش کر لیں مجھے
 سہل سمجھے شاد کرنا وہ دل ناشاد کا
 یاد آئیں بیڑیاں اور وہ گرانی طوق کی
 کم ہوا سودا مرا منہ دیکھ کر حداد کا
 وصل کی کیفیتیں فرقت میں دکھلا دیجیے
 وہ دھن چومے مرا میں ہوسہ لون فریاد کا
 اس کے کانوں تک گئی ، ممنون احسان ہم ہوئے
 آج اپنے جی میں ہے منہ چومے فریاد کا
 جب چھٹا تیر نظر آیا سرے دل کی طرف
 قہر ہوتا ہے نشان بھی خانہ آباد کا
 کہتے کہتے رہ گئے ہنگام استفسار حشر
 کچھ محبت آگئی منہ دیکھ کر جلاد کا
 روز جور تازہ سننے کی ہمیں طاقت کہاں
 دیکھیے ایجاد کب تک اس ستم ایجاد کا
 مجھ کو بھی تجدید عادت میں رہا کرتی ہے فکر
 جس طرح پہلو بدلتا ہے تری بے داد کا
 یا وفا ہوں بے وفائی کا نہیں آتا خصال
 رحم کا طالب نہیں ، ہوں آشنا بے داد کا
 دیکھ لیتا ہے جو اس نے آنکھ سے دیکھا نہیں
 شوق تیرا نور دل ہے کور مادر زاد کا
 کیوں نہ خنجر ٹوٹ جائے آگے تیرے ہاتھ میں
 حسن کی گرمی سے کشتہ ہو گیا فولاد کا

حب دنیا الفت زر دل سے دم بھر کم نہیں
 اس پر اے زاهد ارادہ ہے خدا کی یاد کا
 بعد آزادی بھی ملت تک نہ چھوڑا ہم نے گھر
 آگئی شرم ونا منہ دیکھ کر صیاد کا
 حق خدمت چاہتا ہے جل کے رہیے اے نسیم
 مدتوں سے آہ ویراں ہے قفس صیاد کا

(۲)

منظور ہے ناہنا کمر کا
 بیانہ بنانے نظر کا
 تھا شام سے دغدغہ سحر کا
 دھڑکا ہی لگا رہا کجر کا
 سینے میں سے کچھ آئی آواز
 بھوٹا کوئی آہلہ جگر کا
 آنسو پونچھیں گے کب تک احباب
 ٹپکا نہ رکے گا چشم تر کا
 دل ہی تو ہے کیا عجب بہل جائے
 کچھ ذکر کرو ادھر ادھر کا
 کیوں زلف دراز کھولتے ہو
 کیا خوف تمہیں نہیں کمر کا
 کچھ بے ادبی ہوئی مقرر
 سینہ یدھا گیا گھر کا
 تنہا نہیں گوشہ قفس بھی
 جھگڑا ہے ساتھ بال و ہر کا

محتاج کفن نہیں ہے بلبل
 پردہ کافی ہے بال و پر کا
 رہتے نہیں ایک دم کسی جا
 چلائیں نشان خاک گہر کا
 کیا کیا ہم نے نہ خاک آڑائی
 پایا نہ غبار تیرے در کلو
 ہو آپ کے کان تک رسائی
 اللہ یہ مرتبہ گہر کا
 اے دل کنج مزار دیکھا
 پہلا یہ مقام ہے سفر کا
 یا قوت کہاں مرے دھن میں
 ٹکڑا ہوگا کوئی جگر کا
 رخصت رخصت جو کہہ رہے ہو
 اے جان خیال ہے کدھر کا
 جب تک ہے کچھ حیات باقی
 رستا دیکھیں گے نامہ بر کا
 آنکھوں میں خیال اور ہی ہے
 جلوہ کیا دیکھئے قدر کا
 آرام کہاں نصیب ہم کو
 کھٹکا درپیش ہے سفر کا
 پہنچے مرے ہاتھ تک تو نصاب
 منہ لال کروں گا نیشتر کا
 دوڑے لینے قدم اجل کے
 دھوکا ہوا یار کی خبر کا

ٹھہرو لاشہ اُٹھیے تو جانا
 جھکڑا ہے اور دو پہر کا
 کیوں آنے نسیم نیند ہم کو
 سر رکھ کے زمیں پہ بار سرکا

(۵)

صد چاک ہے مانند کٹاں چاک جگر کا
 آنکھوں میں تصور ہے جو اک رشک قمر کا
 دامن کی بد قنوت ہے کہ اس جوش کو روکے
 آمڈا ہوا دریا ہے سرے دہدہ تر کا
 شرم آئی ہے اک پردہ نشیں کا ہوں میں زخمی
 منہ دیکھے کا جراح سرے زخم جگر کا
 رخصت ہے تن زار سے اب جان حزیں کی
 مل جاؤ گلے سے کہ زمانہ ہے سفر کا
 ہم عاشق مشتاق سخی تجھ کو کہیں گے
 ہوسہ ہمیں دے اے گل تر اس لب تر کا
 مجھ کو سبب مرگ ہے نظارۂ ابرو
 کشتہ ہوں نسیم آس کی اسی تیغ دوسر کا

(۶)

تم تک مجھے لایا تھا جوش اس دل مضطر کا
 اب جاؤں کہاں رستا معلوم نہیں گھر کا
 دشمن کو ہٹانے ہیں اب مجھ کو ہلانے ہیں
 لو اور نئی سوچھی منہ دیکھ کے خنجر کا

خود رفتہ و شیدا ہیں یتاب ہیں رسوا ہیں
 کیا تجھ سے کہیں پیارے جو حکم مقرر کا
 اک عمر کا قصہ ہے برسوں ہی کا جھکڑا ہے
 سنتے وہ اے کب تک طومار ہے دفتر کا
 البتہ شگون بد ہے سرصر کی سی آمد ہے
 گھبرائے نہ کیوں بلبل منہ دیکھ کل تر کا
 مشتاق رہے برسوں وعدے بھی ہوئے لاکھوں
 لیکن نہ ملا بوسہ اے جان لب تر کا
 ناحق کو جلاتے ہو کیوں ہم کو ہلاتے ہو
 دشمن تو ابھی تک ہے پہلو سے نہیں سر کا
 عالم سے نرالا ہے ہر ایک سے ہالا ہے
 حاجت نہیں کچھ رکھتا محتاج ترے در کا
 مفلس ہیں کہاں ساماں تو آ کہ نہ آ اے جان
 ارمان بہت کچھ ہیں توڑا نہیں یاں زر کا
 اب دل میں نہ اپنے ڈر تو شوق سے سویا کر
 حافظ ہے مرا نالہ ہر رات ترے در کا
 اس نے جو پڑھا نامہ ہکڑا وہ نسیم ایسا
 تلووں سے ملا پہروں سر میرے کبوتر کا

(۷)

تنگ کرتا ہے بدل جانا یہ سو سو بار کا
 رنگ رخ نے ڈھنگ سیکھا ہے مزاج بار کا
 ایک دم فرصت نہیں کیا اڑدھام خلیق ہے
 رخنہ دل ہو گیا روزن تری دیوار کا

حد نہیں معلوم ہوتی بڑ چکی کیا کیا نظر
 طول ہے زخموں کے دامن میں شب بیمار کا
 عادت ہے سود کھو دیتی ہے آنکھوں سے وقار
 کچھ اثر رکھتا نہیں خندہ لب سوار کا

اب تو ہر زخم جگر ہے دامن ابر بخیل
 تر نہیں ہوتا ہے سو ہوسوں سے لب سوار کا
 جذب وحشت کا اثر اتنا تو دیکھا آنکھ سے
 آہلوں کے منہ میں آ جانا زبان خار کا

ایک نقطہ دے کے خاصے نے پتا بتلا دیا
 آج ثابت ہو گیا ہونا دھان پار کا
 روئے روشن کی حرارت سے پھکا جاتا ہے دل
 آج سمجھے نور میں بھی خاصہ ہے نار کا

رہ گیا ہے کچھ جو کانٹوں میں الجھ کر جا بجا
 تار دامن اب نظر آتا ہے کیسو خار کا
 دن کو طعنوں کے گزر ہیں رات کو دشنام تلخ
 کیا پسند آیا مکاں ان کو دھان پار کا

کس طرح آتے بڑھوں مانع ہے کچھ پاس ادب
 آ نہ جائے زیر پا سایہ تری دیوار کا
 آہاں پر کچھ شفق بھولی نظر آنے لگی
 عکس جا پہنچا سمھارنے دامن گلزار کا

شغل افغان کے لیے بلبل کرے گی اعتکاف
 باغباں گوشہ پتا دے دامن گلزار کا
 جو اسے سنتا ہے بھر سوتا نہیں آرام سے
 اب ہمارا ذکر نالہ ہو گیا بیمار کا

چشم عاشق بن گیا ہوں اس لیے میں اے نسیم
شاید آ جائے نظر جلوہ جہاں یار کا

(۸)

بند کی شب آنکھ دھیان آیا جو روے باو کا
ہو گیا پردہ ہمارے دیدہ دیدار کا
وہ قسمت ایک صورت پر نہیں جب دیکھیے
خاصہ پیدا کیا دل نے مزاج یار کا

اس تمنا پر فقط مرنے ہیں اے جان جہاں
حشر کو دیکھیں گے ہم جلوہ ترے دیدار کا
ایک ساعت میں بدل جاتی ہے سو سو بار یہ
خاصہ تقدیر میں ہے چلوے دلدار کا

دوست کی امید سے دشمن کبھی خالی نہیں
سایہ ہا ڈھونڈتا رہتا ہے سر ہر خار کا
اس قدر لطف تلون دوستی ہر شے میں ہے
بڑے کے گھٹ جاتا ہے سایہ بھی تری دیوار کا

اور ابھی چندے ٹھہر اے صدمہ درد فراق
حوصلہ نکلا نہیں ہے خاطر غم خواہ کا

کس طرح آرام سے بیٹھیں کہ بعد از چند روز
بیش ہے ہم کو سفر اک منزل دشوار کا
اس فریب کہنہ کے مشتاق ہم بھی ہو گئے
کس کو آتا ہے بیشی ظالم ترے اقرار کا

آج سب پھیلائیں دامن جس قدر محتاج ہیں
استحاج کرنا ہے ہم کو چشم گوہر بار کا

دیکھے کس طور سے یہ رات کتنی ہے نسیم
آج کچھ عالم دگرگوں ہے دل بیمار کا

(۹)

بہر غفلہ ہے آمد فصل بہار کا
بگڑا مزاج میرے دل بے قرار کا
آرام کی ہوس دل بیتاب اس میں کیوں
کیا پہلوئے مزار بھی پہلو ہے یار کا
ہوئے فریب سے جو لب یار کے لیے
برہم معاملہ ہے مرے اعتبار کا
رحم آچکا تھا شرم نے سمجھا دیا کچھ اور
بگڑا نصیب بہر کسی امیدوار کا
گر جانتے جگائے گی برخیز حشر کی
احساں نہ لینے راحت خواب مزار کا
یہ وہ خلش نہیں کہ طبیعت کو چین ہو
کھٹکا نہ جائے گا مڑا آب دار کا
اے چرخ ہں تیرے تکلیف اب نہ کر
احساں آٹھا چکے ہیں بہت روزگار کا
وصلت کی راحتوں سے شب غم نہ بھولنا
اے دل رہے ضرور لحاظ انتشار کا
جب دیکھے قرار نہیں ایک شکل پر
میرا سا اب تو حال ہوا روزگار کا
جب دیکھے کجی کے سوا راستی نہیں
بل لے لیا مزاج نے کچھ زلف یار کا

دم بھر کے دیکھنے کی مینا ہمیں نہیں
 شرمندہ ہو گناہ بھی کیا ایک بار کا
 تیرے ستمِ عدو کی دعا نے کیا اثر
 بدلا ہوا ہے حال کچھ اس خاکسار کا
 ہاں تو اگر بلائے تو آؤں میں ہر طرح
 ہے تجھ کو اختیار مرے اختیار کا
 آئے نہیں وہ ہائے یہاں حالِ غیر ہے
 اقبال اوج پر ہے شبِ انتظار کا
 باہوسِ آسمان سے شرف ہوتے ہیں نصیب
 بھر حوصلہ بلند ہے اپنے غبار کا
 ہو جائے ہم سے پرستی اعمال ابھی تو خوب
 وعدہ بہت دراز ہے روزِ شمار کا
 وحشت میں بھی نہ ترک محبت ہوا نسیم
 منہ آبلوں نے چوم لیا نوکِ خار کا

(۱۰)

سنگِ تربتِ لال ہے میرے تنِ محروم کا
 بھول کھلاتا نہیں گر کر چراغِ کور کا
 حشر کے گنتی ہے دن منہ تک رہی ہے صور کا
 حاملہ ہے قبر، لاشہ لے کے مجھ رنجور کا
 گھل گیا تھا جسم اس درجہ ترے رنجور کا
 ایک لقمہ بھی نہ تھا لاشہ دھان مور کا
 اہل جنت کو رہا کرتی ہے اکثر آرزو
 میرا افسانہ بھی ہے شاید سراپا حور کا

دیجیے کچھ دن ہوائیں اس کو آہ سرد کی
جوش خون گرم سے منہ آ گیا ناسور کا
صاعقے دو چار جا لیٹے جو میری آہ کے
روشنی دینے لگا دامن شب دیہور کا

دیکھتا ہوں وہ کہ جس کی آرزو موسیٰ کو نہیں
دل میں روشن ہے سرے شعلہ چراغ طور کا
ایک لقمہ عمر بھر کو بس ہے قانع کے لیے
بند ہو کر منہ نہیں کھلنا دوبارہ گور کا

جم گیا ہے خون کا قطرہ نظر کیا آئے خاک
آبلہ رکھتا ہے دیدہ جوہر سا طور کا
کھینچ لوں آغوش میں ہفت آسمان سے یار کو
ہاس ہے وقت تصور گو ہو رستہ دور کا

کثرت دولت میں لطف خانہ بربادی بھی ہے
شہد کے ہونے سے لٹ جاتا ہے گھر زنبور کا
کم حقیقت کے لیے پرسش کبھی ہوق نہیں
کون استفسار کرتا ہے تردد مور کا

میں نہیں کچھ بادہ کش کیوں گھورتا ہے محتسب
آبلے ہیں دل کے یہ خوشہ نہیں انکور کا
ہائے کیا دیکھا کہ مجھ کو دیکھنے آئے ہیں لوگ
قہر لایا یاد آنا قامت مستور کا

حال دل چھیڑا تو ہوئے اور کچھ فرمائے
ذکر خوش آنا ہے کس کو قصہ مشہور کا
کون سن سکتا ہے کس کو اتنی طاقت اے نسیم
اپنا ہر نالہ ہے پروردہ کنار صور کا

(۱۱)

ہں کہ ہوں محو تصور شاہد مستور کا
 دل میں عالم ہے سرے فانوس شمع طور کا
 مختصر تھا اس قدر لاشہ ترے رنجور کا
 گنبد مدفن نظر آتا ہے بیضہ مور کا
 میری ہستی اک صدا ہے جو نہ آئے کان تک
 شور پنہاں ہوں سو وہ بھی خندہاے دور کا
 مر گئے لیکن ہوائے شوق ہے چمکی ہوئی
 دوڑتا ہے ہر طرف شعلہ چراغ دور کا
 کس قدر لطف خموشی ہے طبیعت کو پسند
 ہم نشان تک بھی نہیں رکھتے دھان گور کا
 کھینچ لائی ان کو تاثیر دعا آغوش میں
 شکر بھولے عیش سے حق رہ گیا مزدور کا
 ترک لذت شرط ہے آرام ہستی کے لیے
 سر کچلواقی ہے حرص قند ہر زنبور کا
 تلخ طینت کے لیے شیریں زبانی ہے ضرور
 دیکھتے ہیں شہد سے لبریز منہ زنبور کا
 سوز پنہاں نے جلا کر بچہ کو ٹھنڈا کر دیا
 آتش غم نے اثر پیدا کیا ہے نور کا
 گھر بنائے اس قدر کثرت سے رنج و یاس نے
 دل سرے سینے میں چھتا ہو گیا زنبور کا
 ہیبت فریاد سے میری نکل سکتا نہیں
 صور میں پوشیدہ ہے نالہ دھان صور کا

بصرع ناسخ پسند طبع والا ہے نسیم
ماہ ہے اک خال رخسار شب دیہور کا

(۱۲)

ہر کڑی کرتی ہے غل محرومی تقدیر کا
اشک تر کس نے چرایا دہدہ زنجیر کا
خون ہلایا جب ہوا دایہ سے سائل شیر کا
نوک پستان نے مزا بخشا سنان تیر کا
درد کی لذت نہیں باقی دھان زخم میں
لے لیا کس نے مزا ظالم زبان تیر کا
حوصلے پر صاحب ہمت کے صدقے جائے
سر کٹا کر شمع نے ہوسہ لیا گل گیر کا
بہید قاتل کا کھلے کیوں کر، زباں رکھتا نہیں
ہر دھان زخم گویا ہے دھن تصویر کا
شوخیان وحشت دکھاتی ہے نئے انداز سے
چشم آہو بن گیا حلقہ مری زنجیر کا
رات دن اب تو گزرتی ہے بڑے آرام سے
تم پر احسان ہے مری فریاد بے تاثیر کا
بعد مردن کیا سبک ساری مجھے حاصل ہوئی
ہوجھ بالائے لحد ہے چادر تنویر کا
جب وہ سننے بیٹھتے ہیں آنکھ میں آتی ہے نیند
کیا اثر رکھتا ہے افسانہ مری تقدیر کا
مر گیا میں ذبح سے پہلے وہ راحت دوست تھا
کان تک کھٹکا نہ آیا نعرہ تکبیر کا

لفظ بے معنی کی صورت کچھ اثر رکھتا نہیں
خط مہمل ہو گیا لکھا مری تقدیر کا
وہ قتل با وفا تھا میں کہ برسوں ہو چکے
قطرہ خوں بن گیا چھالا لب شمشیر کا
جسم وہ گھر ہے کہ معار ازل کو بعد مرگ
حوصلہ باقی ہے پھر اس قصر کی تعمیر کا
صبح صادق جس کو کہتے ہیں وہ ہے سوئے سفید
رات اک رنگ خضابی ہے سہر پیر کا
حال بے تاب جو مرغ روح کا ناسے میں ہے
مائل پرواز ہے کاغذ مری تحریر کا
تھا دم طفلی جو مجھ کو شغل آہ سرد سے
آ کے جم جاتا تھا میرے منہ میں قطرہ شیر کا
دیدہ و دانستہ دل اپنا پھنسا بیٹھے نسیم
حلقہ کیسوئے پیچاں دام تھا تزویر کا

(۱۳)

کم نہیں وحشت میں بھی رتبہ مری توقیر کا
ہاؤں میرا مردمک ہے دیدہ زنجیر کا
کس قدر رغبت سے چوسا ہے دل مجروح نے
نطق تک باقی نہیں رکھا زہان تیر کا
راستی ممکن نہیں کج طیتوں کے واسطے
خم نہیں جاتا کسی سے ابروئے شمشیر کا
ہے پریشانی ابھی سے زلف کو دیکھا نہیں
خواب سے چلے اثر پیدا ہوا تعبیر کا

وائے قسمت حسن کی دولت کو لوٹیں تیرہ روز
 طرہ ہائے شمع رکھتا ہے دھن کل گیر کا
 مجھ کو طفلی میں بھی فرقت کی غذا موجود تھی
 خون ہو جاتا تھا قطرہ میرے منہ میں شیر کا
 لاکھ دیرینہ ہو لیکن عشق سے بھنا نہیں
 آفتاب اک داغ تابندہ ہے چرخ ہیر کا
 بول اٹھا گوسالہ زر ایک ہی افسوں میں واہ
 سامری نے سحر سیکھا تھا تری تقریر کا
 شب کو آٹھتے ہیں دھوئیں سننے سے آہ سرد کے
 دن کو بیٹا ہے جرس فریاد بے تاثیر کا
 ہاک وہ ہیں کلک قدرت نے نہیں سس بھی کیا
 صاف ہے کاغذ ہمارے نامہ تقدیر کا
 تھا وہ سوز استخوان چنگاریاں اڑنے لگیں
 آتش افشاں ہو گیا لوہا سنان تیر کا
 اس کو بھی تعلیم ہے شاید ممہاری شرم کی
 کوئی کچھ ہو چھے مگر چپ ہے دھن تصویر کا
 زیب کی حاجت حسینوں کو نہیں ہوتی نسیم
 پیرہن بے بخیہ ہے خورشید کی تنویر کا

(۱۴)

نکل آیا وہ گہرا کر دل آس کا اس قدر دھڑکا
 صدا بجلی کی دی نالے نے جب منہ سے سرے کڑکا
 ٹھہر کچھ دن میں دست اندازیوں کا وقت آئے گا
 نہال نودمیدہ ہوں بھروسا کیا مری جڑ کا

ہمیشہ خاک و خون میں بھوکو بیتابی بٹھایا کی
 بد شکل مرغ بسمل کون سے پہلو نہیں پھڑکا
 خیال عارض روشن میں صبح و شام یکساں ہے
 یہاں آٹھوں پہر بیش نظر ہے نور کا ٹڑکا
 یہ سچ ہے وقت پر بے روتقی بھی کام آتی ہے
 نہال خشک کو کھٹکا نہیں ہوتا ہے بت جھڑکا
 نہ کیوں پنہاں رکھوں دامن میں اس کو کم نکا ہوں سے
 سمجھتا ہوں میں اپنا اشک گلکوں لال گودڑ کا
 گزرتا ہے سلامت واقف انجام مطلب سے
 نہیں رستا کھٹکتا آنکھ میں دھقان کی بیہڑ کا
 لیے ہیں گل کے ہوسے آج کس چوری سے بلب لے
 پڑا سویا کیا گلچیں کوئی پتا نہیں کھڑکا
 چھپایا پردہ فانوس بن کر جسم عریاں نے
 درون استخوان سے جس گھڑی شعلہ کوئی بھڑکا
 بجز ایما کلام عشق مطلب سے معرا ہے
 کسی پر راز کھل سکتا نہیں مجذوب کی ہڑکا
 فصاحت کے خلاف آنے نظر سب قافیے ہم کو
 نسیم ایسی زمیں پر کیجیے اطلاق بیہڑ کا

(۱۵)

فصل گل آتی زمانہ ہے جنوں کے جوش کا
 ہت اے ساقی یہی ہے وقت نوشانوش کا
 بات کر سکتا نہیں دیوار کے بھی سامنے
 دیکھ کر روزن گہاں ہوتا ہے مجھ کو گوش کا

چھپ نہیں سکتا کبھی انکار سے توبہ شکن
خود بہ خود بو دینے لگتا ہے دھن سے نوش کا
کیا ہوا ہے جو مرے دل کی طرح وہ چھپ رہا
حال چل کر ہو چھپے کچھ دلبر روہوش کا

کس غضب کی روشنی دیتا تھا شب کو اے ہری
ہر ستارہ روکش خورشید ہے ہابوش کا
تنگ آ کر دوست اٹھ جاتے ہیں میرے پاس سے
اب دھان زخم بھی منہ ہو گیا میرے نوش کا

ہاتھ اٹھا کر دوست کرتے ہیں دعائیں رات دن
تیرا آنا ہو گیا ہے مجھ میں آنا ہوش کا
نالہ بلبل سنا کرتا ہوں میں اٹھوں پہر
اپنے کانوں پر گہاں ہے مجھ کو گل کے گوش کا

مثل خم آہلا چلا آتا ہے دل، ناصح معاف
غیر ممکن ہے سنبھلتا خاطر پر جوش کا
سر اڑا احسان قاتل کے کہاں تک شکر ہوں
بعد مدت آج اترا بار میرے دوش کا

بھر سبوابلے، جھکے شیشے، ہوئے لبریز جام
رخصت اے زاہد زمانہ ہے وداع ہوش کا
صبر کر سکتا نہیں ملتا ہے سب کچھ گواہ
بھول جاتا ہے بشر سامان رزق دوش کا

ایک چپ رہنے سے لاکھوں راحتیں موجود ہیں
مٹ گئے جھگڑے ہوا احساں لب خاموش کا
بے ارادے بھی ہوا کرتی ہیں اکثر زینتیں
بیچ گیسو بن گیا آخر کو حلقہ گوش کا

ایک دو ساغر سے ڈھکاتا ہے کیا ساقی مجھے
 خم اٹھا ، پھر دیکھتا دل ، مجھ سے دریا نوش کا
 میں تو کیا ہوں کارواں کے کارواں ہوں گے اسیر
 بندہ لاکھوں کو کرے گا آج ”ہندا“، گوش کا
 بے خبر رکھتا ہے مجھ کو جوش وحشت اے نسیم
 مدتیں گزریں نہیں رکھتا تعلق ہوش کا

(۱۶)

اس درجہ تھا قلی مجھے ردّ سوال کا
 دریا بہا کیا عرق انفعال کا
 اللہ رے تردد خاطر کی کثرتیں
 تودہ بنا دیا مجھے گرد ملال کا
 ایسی سہی کہ اور کو سہنا محال ہے
 افسانہ لکھنا چاہے ہے میرے حال کا
 ممکن نہیں کہ چشم تصور سے دیکھیے
 کیا وصف ہو زباں سے رخ بے مثال کا
 کیوں مجھ شکستہ حال کی مٹی ملائی تھی
 ثابت رہا نہ ایک بھی کوزہ کلال کا
 بوسہ رقیب کو نہ ملا صد ہزار شکر
 دھوکا ہوا کیا انہیں میرے سوال کا
 بے پیرہن نہیں ہے ہر از سرگ میری روح
 دامن سپہر کا ہے گریباں ہلال کا
 کیا کہیے ان کی بے دہنی خود جواب ہے
 ناسخ کو حوصلہ ہے بتوں سے سوال کا

کیا کیا ٹولتا ہے جگر دل ادھر ادھر
 استاد ہے خدنگ نظر دیکھ بھال کا
 چکر کیا کیا طہش دل سے مدتوں
 لوہا ہوا گداز جو تیروں کی بھال کا
 کیا اس حرام خور کو جز مردہ ہے نصیب
 آیا نہ منہ میں گور کے لقمہ حلال کا
 شعلوں میں آفتاب میں انجم میں ماہ میں
 جلوہ کہاں کہاں ہے تمہارے جہال کا
 تکرار ایک بوسے میں تم کو نہ چاہیے
 دل توڑنے ہو عاشق آشفته حال کا
 جلوہ یہ وہ نہیں جو نظر آئے آنکھ کو
 خورشید عکس ہے ترے نور جہال کا
 روئے وہ میری لاش کو لے کر کنار میں
 سرنے کے بعد لطف ملا ہے وصال کا
 حیرت نہ کس طرح سے تصور کو ہو مرے
 آئینہ سامنے ہے کسی کے جہال کا
 سہنی بڑی ہیں مجھ کو بڑی آتیں نسیم
 عاشق ہوا ہوں ایک بت خورد سال کا

(۱۷)

حرفوں کے ملے جوڑ بڑھا حسن رقم کا
 ہر لفظ کے بیوند میں بخیمہ ہے قلم کا
 کیا طاعت کاہش ہے کہ الہتی نہیں گردن
 جب دیکھتے سر کو مرے سجدہ ہے قدم کا

عاشق کو نہیں دولت دنیا کی سمنا
 جو داغ ہے سینے میں نمونہ ہے درم کا
 آنکھوں کو سکھا دیجیے بیداری کمال
 احسان اٹھائیں گے نہ ہم خواب عدم کا
 سولیں گے نہ خاک جھپک جائیں گی آنکھیں
 آجائے گا جھونکا جو کوئی خواب عدم کا
 آنکھوں کے تقاطر سے خبردار ہو دامن
 کچھ اور ارادہ ہے مرے ابر کرم کا
 ہم خوب سمجھتے ہیں یہ ایجاد تمہاری
 ضبط لب خاموش اشارہ ہے قسم کا
 مرنے کی بھی امید نہیں خوبی تقدیر
 پہلے ہی لہو خشک ہوا تیغ دو دم کا
 بھائے کے ہٹا لیتے ہی داغ دل سوزاں
 تارے کی طرح سے شب تاریک میں چمکا
 رہتے ہیں نسیم اس رخ گل گون کے نظارے
 جلوہ ہے سری آنکھ میں گزار ارم کا

(۱۸)

اٹھانا بار منت شاق تھا پیرا ہن تن کا
 ہوئے خشک آنکھ میں آنسو لیا احسان نہ دامن کا
 مزے مستی کے ہوسوں میں بھی کار بخیہ کرتے ہیں
 کہ از خود لب سے لب لیٹا ہوا ہے چاک دامن کا
 یہاں تک لاٹھری ، دیوانگی نے مجھ کو بخشی ہے
 اتر کر ہاؤں کی پیڑی بنا ہے طوق گردن کا

مزے یتابی فریاد کے جب زور کرتے ہیں
 کلیجا منہ تک آجاتا ہے نالوس برہمن کا
 مدد سے غیر کی فریاد کر لیتے ہیں بے حس بھی
 کہ روح قالب نالوس پایا دم برہمن کا
 مجھے حیرت ہے کیوں قسمت سپرد دام کرتی ہے
 کہ آنکھیں بند ہیں منہ تک نہیں دیکھا ہے گلشن کا
 وہ دور مشت ساق میں یہ زنجیروں کے حلقے میں
 ہمارے پاؤں کا عالم ہوا شیشے کی گردن کا
 صدا دی سینہ بلبل میں دل نے ٹوٹ جانے کی
 سحر کو دست گلچیں نے جو توڑا بھول گلشن کا
 گداز ایسا کیا آہن کو خون گرم نے دیکھو
 کہ کٹ سکتا نہیں خنجر سے تسمہ مہری گردن کا
 کہیں کیا ہم فروغ زیست اپنا بعد مردن بھی
 رلاتا ہے ہمیں ہنس کر شرارہ سنگ مدفن کا
 نہایت ناتواں ہوں زیر خنجر ہل سکوں کیوں کر
 مرے بالائے گردن بوجھ ہے دیوار آہن کا
 تری شمشیر نے پیدا کیا خم سجدہ کرنے کو
 لہو چائنا جو اے کافر مسلمانوں کی گردن کا
 نہ گھبرا اے دل نالان بڑی مدت میں ہم سوچے
 بلا لیتے ہیں اب ان کو ارادہ ہو کے دشمن کا
 جھکی جاتی تھی گردن نیند کے جھونکوں سے بھر میں
 تعلق تھا جو کچھ آنکھوں میں باقی خواب مدفن کا
 مبارک باد کا انجام بھی آغاز ماتم ہے
 چہری صیاد کی دیکھی جو منہ دیکھا تھا گلشن کا

زبان سے حسرت پیری کی باتیں کیوں سناتے ہو
 ابھی تو نوجوانی ہے دکھاؤ دل نہ جویں کا
 نسیم ایسی غزل لکھی تصدق روح سامع ہے
 بہ شکل مہر چمکا نورِ مضمون طبع پر فن کا

(۱۹)

اثر پیدا کیا ہے پیرہن نے جسم بے جاں کا
 نہیں دیتا لہو تک زخم نو چاک گریباں کا
 جنوں کی تیز دستی سے نہ فرق آجائے عصمت میں
 عجب کیا چاک دامن بڑھ کے بوسہ لے گریباں کا
 جنوں کی فصل مژدہ چاک پیراہن کا دیتی ہے
 گلے ملنے کو آیا اس لیے حلقہ گریباں کا
 مجھے آسائش دامن مادر سے تعلق کیا
 کہ پروردہ ہوں طفلی سے میں آغوش بیاباں کا
 گون کے زخم ہو دہنے لگے آٹھ باغبان جلدی
 پڑا ہے جلوۂ رخسار کس ماہ درخشاں کا
 کسی صورت کو استقلال دم بھر بھی نہیں رہتا
 اثر باقی ہے آنکھوں میں مری خواب پریشاں کا
 لحد میں بھی نہ پھیلا پاؤں تک احسان ظالم سے
 مزا بخشا مزار تنگ نے آغوش زندان کا
 کسی کو بھی گوارا صحبت مفلس نہیں ہوتی
 نہ دیکھا شمع نے منہ ایک شب گور غریباں کا
 کدورت سے تعلق کیا انہیں جو پاک طہنت ہیں
 نہیں ممکن جو الجھے خار سے دامن بیاباں کا

جو آزاد ازل ہیں قید سے ان کو تنفر ہے
 جلد مر سے چاہے موجود ہے رستا بیاہاں کا
 بجز امید باطل اور کچھ حاصل نہیں ہوتا
 اثر ہے وعدۂ دلدار میں خواب پریشان کا
 نظر آتا ہوں زندہ مر کے اک طفل پری رو پر
 اثر بخشا ہے مجھ کو عشق نے مرگ سلہاں کا
 نہ کیوں کر بلبلیں چہکیں وفور گریہ سے میرے
 نسیم اب دامن رنگیں میں عالم ہے گلستاں کا

(۲۰)

انہیں ہٹ تھی مجھے خواہش ، رہا جھگڑا نہیں ہاں کا
 وہاں دامن نہیں یاں صاف تھا مطلع گریباں کا
 بتاتی ہے وہ اپنا لطف میں ممتون قبر ان کا
 اجل سے سامنا ہے آج اک ظالم کے احساں کا
 بہت یاد آؤں گا جس روز رخصت ہو گیا جوین
 سمجھیں بھی ایک دن ارمان ہوگا میرے ارمان کا
 نہیں لکٹی ہلک اٹھے ہوئے ہیں حسن کے جلوے
 نگا ہوں میں چمکتا ہے تصور روئے جانان کا
 نہ کہنا تم مبارک باد مجھ سے اپنے آنے کی
 سہارا ٹوٹ جائے گا مری شبہاے ہجراں کا
 وہ پہلے پہلے بوسہ لے لیا میں نے جو عارض کا
 ندامت سے عجب عالم ہوا اس نوپشیاں کا
 ندامت کیا بری شے ہے وہ پہلو سے جو ہٹ بیٹھی
 نہیں منہ دیکھنے کے قابل امید پشیاں کا

میں ڈرتا ہوں سمجھارے خوف سے جو دعیان آتا ہے
 مزا دیتی ہے حسرت بھی مجھے خواب پریشاں کا
 ہٹاؤ ابر گیسو جلوۂ عارض میں فرق آیا
 نقاب شام سے منہ چھپ گیا صبح گلستان کا
 نسیم اک طرز پر رہنا نہیں اچھا کہ ہر لحظہ
 بدلتا ہے نیا انداز الفاظ غزل خواں کا

(۲۱)

عروس فکر رنگیں کو خیال آیا جو تڑپیں کا
 شکاف خامہ شانہ بن گیا زلف مضامین کا
 بلا ٹلتی ہے بخشش سے بہا اے چشم تر آنسو
 ملے کچھ دامن خالی کو صدقہ روح لہجہ کا
 کھلا قرآن تو وہ سمجھے مرے شکووں کا دفتر ہے
 اٹھے شرما کے بالیں سے جب آیا وقت یاسیں کا
 بہار آئی جھکائے سر گلوں نے کیف مستی سے
 بڑا ہے گردن ہر شاخ تر میں ہاتھ کچپیں کا
 سیاہی جم گئی مضمون آہ سرد لکھنے سے
 ہوا پیوند ہر قطرہ شکاف کلک رنگیں کا
 بشکل مرغ بسمل اور بڑھ جاتی ہے بے تاب
 دل مضطر کو طعنہ ہو گیا ہے نام تسکین کا
 عجب کیفیتیں دیتے ہیں اپنے داغ پیراہن
 کہاں ہے دامن گل رنگ پر آغوش کچپیں کا
 جگایا خواب سے سوتے ہووے کو میرے نالوں نے
 ہلایا آسماں پر جا کے بازو مرغ زرین کا

لگا دے ہاتھ تو تخت سلیاں ہو کے اٹھ جائے
 جنازہ بھی ہمارا اے ہری خواہاں ہے تمکین کا
 الجھتی ہے زبان کاک مثل شانہ لفظوں سے
 کہاں ہر سطر پر ہے دامن گیسوئے ہرجیوں کا
 درشتی چھو نہیں سکتی انہیں جو نرم طینت ہیں
 تہی ہے استخوان سے جسم مہری شمع بالیں کا
 وہ سرعت دی دعا کو مطلب بے تاب نے میرے
 کہ برسوں قائلہ ڈھونڈا کیا فریاد آسین کا
 سپند نقطہ کرتا ہے قلم پہلے سے لفظوں پر
 نہیں کچھ خوف مضمون غزل کو چشم بدیں کا
 نہ پڑھے شعر ہر گز کچھ سبک دوشی ہی بہتر ہے
 اٹھائے کون احسان دوستوں کے شور تحسین کا
 نسیم اب قدردانی اشتیاق سامعین پر ہے
 دکھایا لطف ہم نے ہر طرح سے طبع رنگین کا

(۲۲)

ماتم بہت رہا مجھے اشک چکیدہ کا
 آخر کو پاس آہی کیا نور دیدہ کا
 نام فراق بھر نہ لیا میں نے عمر بھر
 تھا ذائقہ زباں پہ عذاب چشیدہ کا
 اب وہ مزا نہیں لب شیریں کے قند میں
 چوسا ہوا ہے یہ کسی خدمت رسیدہ کا
 اے چرخ پر زور جوانی سے درگزر
 اب پاس چاہیے تجھے پشت خمیدہ کا

ابرو میں خم جیسی میں شکن آنکھ میں غضب
 کیا مدعا ہے قاتل خنجر کشیدہ کا
 دولت غرض نہ تھی جو دعا سے ہوتی حصول
 تھا اور مدعا مرے دست کشیدہ کا
 اے ساکنان چرخ معلیٰ بھو بھو
 طوفان ہوا بلند مرے آب دیدہ کا
 وہ ناتوانیاں ہیں کہ جسم ضعیف پر
 جامہ ہے عنکبوت کے دام تنیدہ کا
 بے دید دید میں نہیں آتے کسی طرح
 کم آشیاں ہے طائر رنگ پریدہ کا
 اڑتے ہیں ہوش کوئی بھلا کس طرح سنے
 افسانہ تیرے وحشیٰ از خود رمیدہ کا
 اوگل خیال ہے عرق جسم کا تیرے
 شیشہ ہے دل ہمارا گلاب چکیدہ کا
 یاد نگاہ مست سے ہے دل کو انتشار
 پیانہ ہے خراب شراب چکیدہ کا
 قاتل خدا سے ڈر ہوس ذبح تاکجا
 نالہ نہ سن کسی کے گلوے پریدہ کا
 مستی کے ولولوں کا جوانی میں لطف ہے
 پیری میں دھیان چاہیے قد خمیدہ کا
 جلوے دکھا رہا ہے یہ فرش زمردیں
 سبزہ مزار پر ہے گیاه دسیدہ کا
 چڑھتی ہے روز چادر گل جلتے ہیں چراغ
 یہ ڈھیر ہے ضرور کسی برگزیدہ کا

بالوں کو اے نسیم رنگو گے خضاب سے
کس کو عصا بناؤ گے پشت خمیدہ کا

(۲۳)

جو عاشق ہو تو کچھ سمجھے یہ نکتہ آشنائی کا
ملا ہے حکم کیوں سجدے میں ہم کو جبہ سائی کا
نہیں از خود فراموشی کوئی گھونٹ اور بھی ساق
کہ چکر دے رہا ہے درد درد آشنائی کا
نہیں ہے ایک دم فرصت بھلا دم لے سکیں کیوں کر
کہ ہر دم میں ہمارے دم ہے افسوں آشنائی کا
عبث حرف تکلم ہے لب خاموش پر تیرے
دھان تنگ شاہد ہے سخن نا آشنائی کا
اذیت شست و شو کی پاک طینت کب اٹھاتی ہیں
مصفا ہر کدورت سے ہے خرقہ آشنائی کا
غرض پیالے سے کیا اصل فقیری ترک دنیا ہے
ہمارا ہاتھ کیا کم ہے ہمیں کلسہ گدائی کا
فقیریوں کے لیے دنیا و دین دونوں مہیا ہیں
کبھی خالی کبھی لب ریز ہے کلسہ گدائی کا
وہ کالر ہے جو مجھ کو دور اپنے سے سمجھتا ہے
ہمارا دل بھی آئینہ ہے تیری خود نمائی کا
جھکے زاہد کے سرہائے صنم پر سجدہ کرنے کو
خدا کی شان بت کرنے لکے دعویٰ خدائی کا
مذاق خدمت صیاد مدت میں ملا ہم کو
مبارک ہو قفس اب فاتحہ پڑھیے رہائی کا

نہیں شرط وفا صیاد تنہا چھوٹ جاؤں میں
 کہ طعنہ دیں گے ہم صحبت مرے مجھ کو رہائی کا
 نفس مرقد اجل صیاد سرخ روح پر بستہ
 رہا روز قیامت پر بس اب وعدہ رہائی کا
 تصور مجھ کو اے حجلہ نشیں کس طرح سے دیکھے
 کہ دامن ہاک ہے لوٹ نظر سے ہارسائی کا
 نہیں لکھا وصال شمع پروانے کی قسمت میں
 حریصوں کو جلا دیتا ہے شعلہ ہارسائی کا
 ہوا ہے گل سے جزو اور جزو کل ہونا مقرر ہے
 یہ چندے کے لیے کچھ کچھ ہماشا ہے خدائی کا
 لباس عاریت ہے ہر حسین وزشت میں پیدا
 نہیں ہے کوئی شے جس میں نہیں جلوہ خدائی کا
 نہ آئے وہ کبھی ہم تک بسر کی عمر فرقت میں
 اثر کیا کیا ہوا آہ رسا کی نارسائی کا
 کہاں کا وصل کس کا عیش کیسا لطف او غافل
 قریب آیا زمانہ روح و قالب کی جدائی کا
 حدیث نالہ میری آرزو سن سن کے روتی ہے
 لباس ماتمی پہنا ہے شب ہائے جدائی کا
 رکی شمشیر منہ بھر بھر گیا قاتل کے خنجر کا
 قریب آیا زمانہ جب مری مشکل کشائی کا
 فروغ حسن میں خورشید تیرا ایک ذرہ ہے
 قمر اک عکس ہے رخسار روشن کی صفائی کا
 کلام آتش مرحوم سے بھی نالہ پیدا ہے
 نسیم آگہ تھا کچھ وہ بھی درد آشنائی کا

(۲۴)

حیا بڑھنے نہیں دیتی ارادہ فوجوانی کا
 اشارہ ہو گئے رہ جاتا ہے ہم پر مہربانی کا
 نہیں سنتا اسے اب دل لگا کر کوئی رغبت سے
 مزا محفل میں تیری لٹ گیا میری کہانی کا
 خیال وعدہ ہے اے مرگ آنکھیں بند کیا ہوں گی
 نہ جائے گا نگاہوں سے تعلق پاسپاتی کا
 نگاہوں میں سبک ہوں اس کے جانے نہ کیوں ظالم
 لہو ہلکا ہوا ایسا مزا دیتا ہے باقی کا
 خیال وعدہ ان کا گو تسلی بخش ہے لیکن
 نسیم اب تک وہی عالم ہے اشکوں کی روانی کا

(۲۵)

سامنا ہونے نہ پائے اے خدا برسات کا
 بے صنم بھاتا ہے کس کو دیکھنا برسات کا
 فصل کوئی ہو مگر رونا ہمارا کم نہیں
 رہتا ہے بارہ مہینے سامنا برسات کا
 جوش گریہ تا فلک پہنچا ہجوم رخ سے
 اشک تر ایسے بڑھے رتبہ گھٹا برسات کا
 بے صنم بھاتی ہے کب اے دل یہ فصل برشکال
 قہر ہے آفت ہے ہم کو دیکھنا برسات کا
 وہ نہ آئے کس قدر ہم راستا دکھا کسے
 اس ہوا میں ہو گیا عالم ہوا برسات کا

کس کا دل ایسا دکھایا ہے کسی بے درد نے
 ہے جو اشک تر سے عالم جا بجا برسات کا
 اس قدر آنسو چائے ہم نے جل تھل بھر گئے
 لوگ کہنے ہیں مہینا تو نہ تھا برسات کا
 وہ مہینوں کا تقاطر ان میں برسوں کی جھڑی
 رنگ اشکوں کے مقابل کب جا برسات کا
 چشم گریاں کو اجازت دے کے ہجر یار میں
 دیکھ لیں گے ایک دن ہم حوصلا برسات کا
 غرق ہیں بھر ندامت میں سراپا آپ ہم
 ابر تر بر سے کسے ہے دلدغا برسات کا
 مٹی ملنے میں جو چمکے دانت اس مغرور کے
 آگیا مجھ کو نظر اک صاعقا برسات کا
 چشم تر کے ولولے ہیں چار دن کے واسطے
 اے صم رہتا نہیں موسم سدا برسات کا
 ہو گیا لبریز صحرا گر گئے لاکھوں کے گھر
 زور اب کے تو نہایت بڑھ گیا برسات کا
 بھر وہی چہلیں وہی اٹکھیلیاں ہوں یار سے
 جلد آ جائے مہینا اے خدا برسات کا
 کم ہوا رونا تو ٹھنڈی سانس بھرتا ہوں نسیم
 فصل سردی کی ہوئی موسم گیا برسات کا

(۲۶)

مرگ اغیار لب پہ لا نہ سکا
 وہ قسم ہوں جو یار کھا نہ سکا

اس قدر ضعف تھا کہ تیرا ناز
 تھی ممنا مگر آٹھا نہ سکا
 سر کے ٹھنڈا کہیں نہ ہو جائے
 اس لیے وہ مجھے جلا نہ سکا
 بخل دیکھو تو میری تربت پر
 ایک آنسو بھی وہ گرا نہ سکا
 آٹھ نہ جائے رقیب محفل سے
 مجھ کو پہلو میں وہ بٹھا نہ سکا
 تھا جو اشک عزیز خاطر میں
 دیدہ تر مجھے بہا نہ سکا
 حسن تیرا وہ ماہ تاباں تھا
 ابر کیسو جسے چہہا نہ سکا
 دارفانی مقام لغزش ہے
 کوئی اپنا قدم جا نہ سکا
 نہ ملا کوئی وقت تنہائی
 حال دل یار کو سنا نہ سکا
 جانتا تھا بڑے رہیں گے وہیں
 اس لیے یار گھر بنا نہ سکا
 نہ منا لڑ کے وہ بہت چاہا
 ایسے ہنگڑے کہ پھر بنا نہ سکا
 دیکھ کر بددماغیاں ان کی
 نامہ بر خط مرا پڑھا نہ سکا
 کس طرح عرض مدعا کرتا
 غیر کو پاس سے ہٹا نہ سکا

آرزو مند رہ گیا مجنوں
 میرے آگے فروغ پا نہ سکا
 کینہ شوق رقیب تھا اے دوست
 کہ طبیعت سے تیری جا نہ سکا
 کیا ندامت ہوئی ہے قاتل سے
 ناز خنجر گلو آٹھا نہ سکا
 خوف تھا غش آنہیں نہ آجائے
 میں شکاف جگر دکھا نہ سکا
 ناتواں تھا نسیم اس درجہ
 کہ وہ زنجیر پا ہلا نہ سکا

(۲۷)

آباد غم و درد سے ویرانہ ہے اُس کا
 ٹوٹا ہوا جو دل ہے وہ کاشانہ ہے اُس کا
 جس دل میں کہ ہے شوق وہ بیانہ ہے اُس کا
 جس آنکھ میں ہے کیف وہ ہے خانہ ہے اُس کا
 جب دیکھیے کہتا ہے وہی ذکر سناؤ
 معلوم ہوا شوق بھی دیوانہ ہے اُس کا
 بے ہوش اگر میں ہوں تو باہوش کہاں ہے
 جو خلق ہے اس دھر میں دیوانہ ہے اُس کا
 دن رات ہے یہ مسکن انوار تصور
 سینہ جسے کہتے ہیں ہری خانہ ہے اُس کا
 جون کی صفائی سے بھستلی ہیں نگاہیں
 ہڑتی ہے جدھر آنکھ ہری خانہ ہے اُس کا

اے دل ہوس وصل سے مشتاق ہیں محروم
جاں اول دیدار میں بیعانہ ہے اُس کا

جو سینہ روشن ہے وہ ہے منزل الفت
جو دل صفت شمع ہے پروانہ ہے اُس کا
کہتے ہیں جسے حسن وہ ہے شمع جہاں تاب
کہتے ہیں جسے عشق وہ پروانہ ہے اُس کا

جب فصل گل آتی ہے صدا دیتی ہے وحشت
زنجیر کا غل نالہ مستانہ ہے اُس کا
دیکھا تو سفر روح کو ہوتا ہے اُسی سے
کہتے ہیں جسے موت وہ پروانہ ہے اُس کا

گوہر سے نازوں دیدہ عاشق کے ہیں آنسو
داسن میں ہے معشوق کے جو دانہ ہے اُس کا
گر گوش حقیقت شنوا ہے تو سمجھ لے
جو شور ہے اس دہر میں افسانہ ہے اُس کا

کچھ رتبہ عاشق سے بھی اے جاں ہو خیردار
سامان کئی روز سے شاہانہ ہے اُس کا
منہ عاشق صادق کے نہ چڑھ واعظ مکار
ہر حال میں جو حال ہے رندانہ ہے اُس کا

آگاہ نہیں قصہ منصور سے اے دل
دشمن ہوں زن و مرد وہ یارانہ ہے اُس کا

کہا ہو چھتے ہو حال نسیم چکر افکار
دیکھا جسے خوش وضع وہ دیوانہ ہے اُس کا

(۲۸)

بگڑے وہ لاکھ طرح مگر غل نہ ہو سکا
 میں اپنے صدقے پاں بھی نامل نہ ہو سکا
 گو ہچکیاں رہیں مجھے مینا کی یاد میں
 لیکن ادا ترانہ قلقل نہ ہو سکا
 ممکن نہیں مرا دل ہزمرہ شاد ہو
 کھلا گیا جو غنچہ وہ پھر گل نہ ہو سکا
 اللہ رے جوش آپ کی بخشش کے بعد بھی
 اشکوں سے میرے ترک تسلسل نہ ہو سکا
 بگڑا ہوا مزاج سنبھلنا نہیں نسیم
 طعنوں کا آن کے مجھ سے تحمل نہ ہو سکا

(۲۹)

ہے رخصت جاں حال میں بتلا نہیں سکتا
 رھوار بہت تیز ہے ٹھہرا نہیں سکتا
 وہ ضعف ہے اے جاں کہ کہیں جا نہیں سکتا
 میں عمر گزشتہ کی طرح آ نہیں سکتا
 کچھ خال سے بھی کم ہے کٹار لحد تنگ
 آرام کہاں پاؤں تو بھولا نہیں سکتا
 قاصد کی طبیعت بھی ہوئی خاطر نادان
 سنتا ہے مگر یار کو سمجھا نہیں سکتا
 ہوں خاطر ہزمرہ کہاں تازگی شوق
 لطف چمنستان مجھے بہلا نہیں سکتا

ہوشیدہ ہوں جس طرح ارادہ ترے دل کا
 ڈھونڈے بھی اگر کوئی مجھے پا نہیں سکتا
 سیاح عدم قید تعلق سے ہیں آزاد
 دام رگ تن روح کو آجھا نہیں سکتا
 دن رات بھڑکتے ہیں مرے جسم کے شعلے
 بھاہا کوئی تا زخم جگر آ نہیں سکتا
 قصیر شب وصل ہے شکوہ بھی کھارا
 شرم آتی ہے تا نوک زبان لا نہیں سکتا
 لاکھوں گرہیں ہیں دل عاشق کی طرح سے
 شانہ شکن زلف کو سلجھا نہیں سکتا
 رکتے نہیں سیاح عدم اشک کی صورت
 جب آنکھ سے ٹپکا کوئی ٹھہرا نہیں سکتا
 رکھتے نہیں گوش شنوا عاشق جاں باز
 دیوانے کو تیرے کوئی سمجھا نہیں سکتا
 مشکل ہے نسیم اب کہ میسر ہوں وہ راتیں
 کھوٹے ہوئے آرام بشر پا نہیں سکتا

(۳۰)

مختصر ہونے میں اے یار جو قابو ہوتا
 خال بن کر میں ترا نقطۂ ابرو ہوتا
 تیرہ بختی مجھے گر انعی بیجاں کرتی
 جب بھی اے یار تیرا سایہ گیسو ہوتا
 کبھی آغوش میں رہتا کبھی رخساروں پر
 کاش اے آفت جاں میں ترا آنسو ہوتا

خوب ہی بھر تو سمجھتا میں دل دشمن سے
 ایک ساعت مرے پہلو میں اگر تو ہوتا
 اور چندے نظر آتا نہ اگر روئے سحر
 طول شب سلسلہ دامن گیسو ہوتا
 خوب پہلو میں سلاتا تجھے بے کھٹکے میں
 گر مرے پاس جگایا ہوا جادو ہوتا
 واہ کیا خوب گزرتی نفس چند اے دل
 ہم بغل مجھ سے جو وہ یار پری رو ہوتا
 نقطۂ سار سیہ کا مجھے رہتا دھوکا
 ذرہ افسان کا جو ہم صحبت گیسو ہوتا
 ڈھنگ آتا جو اسے روز بدل جانے کا
 میرا نالہ بھی مزاج بت بدخو ہوتا
 جب سمجھتے تجھے ہم صاحب تاثیر اے دل
 زیب آغوش جو وہ دلبر مہ رو ہوتا
 دل نہ اٹکا کسی بے رحم سے ورنہ ہر دم
 سامنے آنکھ کے آئینہ زانو ہوتا
 بھر تو بے آب ہزاروں کے گلے کٹ جاتے
 خم شمشیر جو ہم صورت ابرو ہوتا
 کچھ نہ کچھ صورت امید نظر آ جاتی
 دھیان قاتل کا مری طرح جو یک سو ہوتا
 سچ تو یہ ہے نہ پڑا بار محبت ورنہ
 خم مری طرح سے ہر سرو لب جو ہوتا
 بعد مردن بھی دکھائی مری وحشت تاثیر
 خاک ہو کر بھی میں گرد رم آہو ہوتا

یہ ستم کاٹے کو سجتے بت ظالم کے کہیں
 ہم کو اپنے دل مضطر پہ جو قابو ہوتا
 جا بجا شوخی خاطر نظر آتی ہے نسیم
 کون سے شعر میں تیرے نہیں پہلو ہوتا

(۳۱)

چھپ چھپ کے وہ پردے سے نظارا نہیں ہوتا
 مدت ہوئی اے جان اشارا نہیں ہوتا
 کب جاتے ہیں ہم دولت دشنام سے خالی
 کس روز یہ احسان ممھارا نہیں ہوتا
 دوبان کھڑکتے ہیں خطا ہوتے ہیں اغیار
 کس کس کا ترے در پہ اجارا نہیں ہوتا
 فرماتے ہیں اغیار سے کیوں کر نہ ملیں ہم
 آتے ہیں احبا تو کنارا نہیں ہوتا
 اتنا تو کہو حشر میں دکھلائیں گے صورت
 مر جانا ہے انساں جو سہارا نہیں ہوتا
 رکھتے نہیں دم بھر بھی اے سینہ عشاق
 وہ دل جو ترے سر سے آتارا نہیں ہوتا
 دکھلاتے ہیں گو شمع صفت شعلہ ہنساں
 لیکن تری محفل میں گزلرا نہیں ہوتا
 کیوں کھینچ کے شمشیر لگاتے نہیں اک ہاتھ
 مر جاؤں میں یہ بھی تو گوارا نہیں ہوتا
 برسوں سے مسکتے ہیں کہاں صورت آرام
 مدفن میں بھی اپنا تو آتارا نہیں ہوتا

(۳۴)

کوئی شیشہ نہیں اے رونی محفل ٹوٹا
 آہ کی ٹہیس لگی آہلہ دل ٹوٹا
 لے جلا دام میں صیاد رہائی معلوم
 باغ سے رشتہ امید عنادل ٹوٹا
 گیورتا ہے نکہ قہر سے کیوں پھر پھر کر
 کیا مرے ذبح میں خنجر کوئی قاتل ٹوٹا
 قطرہ زلف نہانے میں جو ٹپکا سر سے
 میں یہ سمجھا کہ ستارہ لب ساحل ٹوٹا
 غلصی زور جنوں سے ہوئی حاصل ہم کو
 ایک ہی جھٹکے میں ہر بند سلاسل ٹوٹا
 کس ہلاکی یہ صدا تھی کہ جگر پانی ہے
 دوڑنا خیر نہیں ہمارے کہیں دل ٹوٹا
 امتحان قوت بازو کا کیا جب کہ نسیم
 شکر صد شکر کہ تنکا بھی یہ مشکل ٹوٹا

(۳۵)

وہ شعلے ہیں ہجوم آہ آتشناک سے پیدا
 صدائے الحذر ہے گنبد افلاک سے پیدا
 ہوئے مضمون اعلیٰ مبری طبع پاک سے پیدا
 ہزاروں آہاں ہیں ایک سشت خاک سے پیدا
 جھکے شیشے کھلے آغوش ساغر دخت رز چمکی
 اٹھو مستو ہوا ہے آفتاب افلاک سے پیدا

لگانا منہ نہ اس کو قصد گستاخی مقرر ہے
 ممنا ہے زبان ریشہ مسواک سے پیدا
 بچانا آپ کو دیکھو خلاف داب عصمت ہے
 کہ چشم آرزو ہے حلقہ فتراک سے پیدا
 پس مردن جو دیکھا اول و آخر برابر ہے
 وہی پھر خاک میں آیا ہوا جو خاک سے پیدا
 ہوائے دولت منعم نہیں ہے خاکساروں کو
 کہ ہر دم تازہ خلعت ہے لباس خاک سے پیدا
 نہ کیوں ہو جلوہ ہائے نو عروسی زلف مضوں میں
 جوشانہ ہو ہمارے پنجہ اندراک سے پیدا
 نہ پہنچے نکبت گل برق کوسوں پیچھے رہ جائے
 وہ تیزی ہے ممہارے توسن چالاک سے پیدا
 ڈرو انکار سے دیکھو ابھی ہے خیر ہوسوں پر
 نہ ہوں کچھ اور تکلیفیں دل بے پاک سے پیدا
 نگہ کی لوٹ سے آنکھوں میں کیفیت نشے کی ہے
 یہ دانہ خال کا ہے یار کس تریاک سے پیدا
 محیط موج خیز حسن بے ڈوبے نہیں ملتا
 کہ ساحل ہو نہیں سکتا کسی پیراک سے پیدا
 نسیم اب سینے سے چمکا فروغ داغ بے تاب
 طلوع سہرے صبح گریباں چاک سے پیدا

(۳۶)

خدا جانے ہوا کس تفتہ دل کی خاک سے پیدا
 کہ خوشے آبلوں کے ہیں نہال تاک سے پیدا

لحد پر ابر مایوسی ہوا افلاک سے پیدا
 بھلا جز خاک کیا ہوگا ہماری خاک سے پیدا
 غضب کی لذتیں تیر نگہ نے تیرے بخشی ہیں
 کہ لاکھوں حسرتیں ہیں بستہ فتراک سے پیدا
 وہ جلوہ ایک ہے دیکھے اگر چشم حقیقت سے
 کہیں ہے نور میں ظاہر کہیں ہے خاک سے پیدا
 عشق میں خیال و فہم سب بے کار رہتے ہیں
 محبت سے وہ ہو جو کچھ نہ ہو ادراک سے پیدا
 مقرر دل ہوا خون آہ ٹھنڈے اشک کلکوں میں
 خبر ہے جا بجا منزل بہ منزل ڈاک سے پیدا
 حلاوت ہے کلام تلخ میں شیریں زبانی کی
 مزا کیا کیا ہے دشنام بت چالاک سے پیدا
 حجاب اکثر برہنہ خلعتوں کو کام آتا ہے
 کہ زینت روح کی ہے جسم کی پوشاک سے پیدا
 وہ لے دو چار کو، زلفیں تری عالم کی مائل ہیں
 کہاں تھے سانپ ایسے شائد ضحاک سے پیدا
 نہیں یہ قوس الفت ہے کسی طفل برہمن کی
 نشان رشتہ زنار ہے افلاک سے پیدا
 ادب آموز ہوں مدت سے طرز بے حجابی میں
 مزے کیا کیا نہیں ہیں خاطر بیباک سے پیدا
 اثر تھا گردش بہم کا ایسا میری مٹی میں
 ہوا دور تسلسل کاسہ گر کے چاک سے پیدا
 سخن ناہم سے تکلیف تحسین نامناسب ہے
 نہ ہو یہ مرتبہ بیگانہ ادراک سے پیدا

عجب دور تسلسل ہے سمجھ میں کچھ نہیں آتا
 کہ پیدا تاک دانے سے ہے دانہ تاک سے پیدا
 نسیم اپنے سخن کے خوف سے حاسد دھلتے ہیں
 یہ رتبہ ہے ٹنائے صاحب لولاک سے پیدا

(۳۷)

دل ہی قابو میں نہیں زور چلے کیا میرا
 آج ہرخاش بہ ہے مجھ سے ارادا میرا
 کھینچ شمشیر یہاں بھی ہیں ارادے کچھ اور
 آج جھکڑا ہی مٹا جاتا ہے تیرا میرا
 نہ اٹھا منہ سے کفن لوگ سمجھ جائیں گے
 ہائے رہنے دے پس مرگ تو پر دا میرا
 حسرتیں دید کی جنبش نہیں کرنے دیتیں
 روکنے آئے ہیں دشمن مرے رستا میرا
 ہائے مرنے سے بھی راضی نہ ہوا جی افسوس
 حوصلہ کوئی بھی تم نے تو نہ دیکھا میرا

(۳۸)

ولہ

وصل کے واسطے کل کہہ گیا جانان میرا
 آج کیا حال کرے گی شب ہجران میرا
 بوسے میں نے نہ لیے گو کہ اجازت بھی ملی
 آپ کا مجھ پہ کرم آپ پر احسان میرا

ہائے کیا قہر ہے کچھ میری طرح اب یہ بھی
 منہ چھپا لیتا ہے دل میں مرے ، ارماں میرا
 خوف تکلیف ہے سر کاٹنے اپنا کیوں کر
 روز شرماتا ہے آ کر مجھے احسان میرا
 ناتوانی کی اجازت نہ ملی گر چندے
 ہاتھ ہو جائے گا بیوند گریباں میرا
 مجھ کو باتیں تری قاتل کریں کیا واعظ
 پاس ہے اس بت بدکیش کے ایمان میرا
 آنکھ کو دھیان سے زلفوں کی کہاں ہے فرصت
 ساتھ رہتا ہے مرے خواب پریشان میرا
 سوؤں کیا ، ساتھ علو کے تجھے پھر دیکھوں گا
 دھڑکے دیتا ہے مجھے خواب پریشان میرا
 خبر وصل بھی سن کر یہ نہیں خوش ہوتا
 اس قدر بار سے آزرده ہے ارماں میرا
 چاہوں جب چاک گریباں کو کروں قادر ہوں
 روح کی طرح مرے ساتھ ہے احسان میرا
 کب مجھے وصل پرورد کی خوشی تھی اے غم
 کیوں مکدر ہے مزاج شب ہجران میرا
 صلح کے بعد جو سوچا تو یہ بولا کافر
 ہائے منہ دیکھے گا آ کر وہ مسلمان میرا
 ہائے اس پاس مروت نے گراں بار کیا
 پھر گلے آ کے بڑا میرے گریباں میرا

چارہ گر رکھ نہ کسی داغ جگر پر بھاہا
 کیوں بچھاتا ہے چراغ تہ دامن میرا
 ہوئے لہتے ہیں لبوں کے گلے بد عہدے
 روز منہ چومنے میں شکوہ جانان میرا
 کثرت گریہ الفت سے یہ عالم ہے نسیم
 کم سننر سے نہیں گوشہ دامن میرا

(۳۹)

مبدل بے سبب کب ہے احبا رنگ رو میرا
 کسی کی جستجو میں ہے دل پر آرزو میرا
 پریشانی کے چلو میں دل افکاری کی شکلیں ہیں
 خبر کچھ اور دیتا ہے یہ لطف گفتگو میرا
 مہیا ہے مجھے سامان ہر دم بادہ نوشی کا
 جو آنسو سے تو ساغر چشم ہے ، دل ہے سبو میرا
 نہیں ممکن جو کچھ ممکن نہ ہو مرجانے والوں کو
 لب خنجر کا فائدہ توڑ دیتا ہے لہو میرا
 امید بخیہ سے عاشق ہمیشہ پاک دامن ہیں
 رہے گا تا قیامت چاک سینہ بے رلو میرا
 ہوا ہوں پاک دامن آس ستم گر کی محبت سے
 یقین ہے دوست ہو جائے گا شرما کر عدو میرا
 جسے سمجھے تھے اپنا لو اسی کو مدعی پایا
 کسی کو کیا کہوں دشمن مرا دل ہے عدو میرا
 انہیں رسوا کرے گا ، مجھ کو نادم ، غیر کو دشمن
 غضب کیا کیا نہ لائے گا یہ جوش آرزو میرا

محبت کا تعلق عاشقوں سے چھٹ نہیں سکتا
 جدا ہونے میں مل جاتا ہے خنجر سے گلو میرا
 نہ دیکھیں آنکھ الہا کر اس طلسم چند روزہ کو
 کس کی کیا رہے پروا اگر حاسی ہو تو میرا
 اجازت تجھ کو دیتا ہوں خوشی سے قتل کر لیکن
 مناسب ہے رہے قاتل خیال آبرو میرا
 کہی جو بات دل خوش کر دیا بار بریرو کا
 انہیں یاد آنے کا برسوں یہ حسن گفتگو میرا
 نہ چھوٹے گا چھڑائے سے ہزاروں صورتیں بدلے
 بہار دامن جلاد دیکھے گا لہو میرا
 تشفی کے لیے احباب کہہ دیتے ہیں خاطر سے
 نہ لے گا نام بھولے سے بھی بار خوہرو میرا
 نسیم اس برہمی سے اب مجھے ثابت یہ ہوتا ہے
 بہت اتر کرے کی حال زلف مشک ہو میرا

(۴۰)

حشر کے روز اگر داد طلب دل ہو گا
 لب ہلانا مرے جلاد کو مشکل ہو گا
 ہاتھ بڑ جائیں گے لاکھوں کے دم حشر اے دل
 چاک زخموں کی طرح دامن قاتل ہو گا
 حشر کو کاغذ اعمال دکھائیں گے بشر
 میرے ہاتھوں میں فقط آہلہ دل ہو گا
 کیا عجب چونک پڑے خواب گراں سے ہر گل
 نالہ کرنے میں بھی احسان عنادل ہو گا

بوسے ہنس کر جو لب یار کے لئے لپٹا تھا
 ساقیا جام نہ ہو گا وہ کوئی دل ہو گا
 کہتے ہیں قتل کریں گے وہ لحد پر آ کر
 فیصلہ آج ہمارا سر منزل ہو گا
 ہو گئی قتل میں تاخیر تو یہ جوش کہاں
 قصد قاتل کی طرح شوق بھی باطل ہو گا
 ولولے ہیں نفس چند کے تا فرصت عمر
 کچھ دنوں میں نہ یہ لیلیٰ نہ یہ محمل ہو گا
 آج غنچوں نے صدائیں جو نہیں دیں شاید
 کچھ صبا کو ادب خواب عنادل ہو گا
 قدر رہنے کی نہیں بات جو ہکڑے کی نسیم
 قلع مہر بھی اک کاسٹ سائل ہو گا

(۲۱)

اس سے مرنا مجھے اپنا قلق جاں ہو گا
 کہ نہ دیکھے گا مجھے وہ تو ہشیاں ہو گا
 گر بھی آپ کے انکار رہیں گے تا صبح
 وصل کی شب پہ گمان شب ہجران ہو گا
 تو سلامت ہے تو عالم کو کرمے گا مجھ سا
 ہائے بھر کون مرے حال کا پرسان ہو گا
 ہائے میرا یہ ہوا حال کہ تجھ سا بے درد
 خاص اس واسطے آتا ہے کہ پرسان ہو گا
 میں تو عاشقی ہوں غلط آپ سے لوگوں نے کہا
 شکوہ اس کو نہ سمجھے کوئی ارمان ہو گا

ایک دل اس میں ہوس تیرے ستم سے افزوں
 یہ وہ آئینہ ہے تو دیکھ کے حیراں ہو گا
 دم تو نکلا بھی مگر دل سے نہ پیکل نکلا
 یہ بھی شاید اسی بے رحم کا ارمان ہو گا
 کیوں ڈرانے ہیں یہ واعظ کہ خبردار رہو
 کیا جہنم بھی کوئی کوچہ جانان ہو گا
 زندگی ہی نہیں مشکل شب تنہائی میں
 بے توڑے مجھ کو تو مرنا بھی نہ آسان ہو گا
 کیا سبب آپ نے دی قیس کو مجھ پر ترجیح
 آدمی میں بھی ہوں وہ بھی کوئی انسان ہو گا
 تم بھرے بیٹھے ہو بگڑو گے کہوں یا نہ کہوں
 اب تو جو نکلے گا منہ سے مرے ارمان ہو گا
 قتل کر رحم کے بدلے کہیں حل ہو مشکل
 مجھ کو اس جینے سے مرنا بہت آسان ہو گا
 میں تو مرتا ہوں فقط حشر میں جینے کے لیے
 کہ مرے ہاتھ میں واں آپ کا دامن ہو گا
 دین کی کیوں رغبت برخاست تمہاری آنکھیں
 جو یہاں آئے گا وہ آپ کا مہاں ہو گا
 سخت جانوں کے لیے موت کہاں او ظالم
 سم بھی دے گا تو مرے حق میں وہ درماں ہو گا
 بیٹھنے دے گی نہ کوئے میں بھی وحشت مجھ کو
 صبح کو زیر قدم صحن بیاباں ہو گا
 دیکھیں کیا اس پہ گزرتی ہے خدا رحم کرے
 ہائے وہ اشک جو میرے تہ دامن ہو گا

کثرت داغ جدائی جو بھی ہے تو نسیم
اب تو اپنا بھی جگر رشک گلستاں ہو گا

(۴۲)

زمانے میں کوئی ایسا نہ ہو گا
جو تیرے حسن پر شیدا نہ ہو گا
ازل سے ہے یہی عصمت مائی
کسی نے آپ کو دیکھا نہ ہو گا
اٹھاتا ہے ندامت کس لیے تو
یہ درد ابے چارہ گر اچھا نہ ہو گا
ہزاروں سر گئے لیکن نہ دیکھا
کوئی تم سا بھی بے پروا نہ ہو گا
کہے دیتی ہیں یہ نجی نگاہیں
کہ بالائے زمیں کیا کیا نہ ہو گا
وہ جس رستے سے نکلے دیکھ لینا
کہ اس رستے میں پھر رستا نہ ہو گا
قیامت جس کو کہتے ہیں وہ ہے ہجر
کنار قبر میں مردہ نہ ہو گا
اگر خادم کوئی جنت میں پہنچا
وہاں کیا آپ کا چرچا نہ ہو گا
ٹی دھمکی ہے یہ تو بندہ پرور
نہ دو گئے دل تو پھر اچھا نہ ہو گا
بنا کر حضرت واعظ کو نالہم
نہ سمجھو یہ کہ کچھ سمجھا نہ ہو گا

نسیم اب ان کی باتوں پر نہ جاؤ
بھلا کل وعدہ فردا نہ ہو گا

(۴۳)

ہم یہ جو جو کچھ ہوا سب آپ پر کھل جائے گا
ہندہ پرور دیکھنا جب دل کسی پر آئے گا
بخت بد ، دشمن فلک ، بے زار خویش و اقربا
کس کو رحم آئے گا مجھ پر کون انہیں سمجھائے گا
تیغ زنگ آلودہ ، خنجر کند ، بازو ناتواں
مجھ کو مرنے کے لیے جلاد بھی ترسائے گا
فاتحہ پڑھیے کہہ رکھنے کا نہیں تیر نگاہ
ان کو اس سے کیا غرض کوئی اگر مر جائے گا
کیوں نہ صدقے ہوں میں اپنے جرم بے تقصیر کے
قتل کے بعد ایک مدت تک انہیں شرمائے گا
منہ بہ گناہ لہو کا میرے مل کر شرم سے
دہدہ جوہر نیام تیغ میں چھپ جائے گا
ہاک دامن فیض ابر تیغ کر سکتا نہیں
رنگ خوں قاتل کے پیرا ہن سے کیوں کر جائے گا
صدقے اس دشنام کے جو آپ کے منہ میں رہے
ایسی جائے مختصر کوئی کہاں سے ہائے گا
جان جائے گی بلا سے ذبح پر راضی ہوں میں
ان کا زانو تو بھلا سینے پہ میرے آئے گا
گو تقاضائے اجل سے جان لب پر ہے مگر
اور بھی کچھ دن میں وعدہ ترا ٹھہرائے گا

تار تک رکھتے نہیں دامن کہاں ہے اے نسیم
اشک آ کر آنکھ میں کیا کیا ہمیں شرمائے گا

(۲۴)

قصہ روز گزشتہ آنکھ کو شرمائے گا
ہم کو لے چلتے ہو کیوں ، ان کو لحاظ آجائے گا
حال میرا سن کے بولے فکر کوئی کیا ضرور
نالے کرتے کرتے اک دن آپ ہی مر جائے گا
ہاتھ گردن میں اگر ہوں گے تو سر آغوش میں
میرا مرنا بھی تجھے قاتل مزے دکھلائے گا
تنگ ہیں اطراف عالم حوصلے نکلیں گے کیا
فکر ہے عاشق ترا دامن کہاں پھیلائے گا
یہ بلا کے بیچ ہیں مشکل ہے ان سے مخلصی
عقدہ کیسو میں شانہ آپ ہی رہ جائے گا
شکوہ ایسا ہو کہ شرماء کر اسے کر لوں پسند
ورنہ ناصح کی طرح تم سے بھی دل بھر جائے گا
بار کے انداز رہتے ہیں مرے پیش نظر
اشک کیسو کی طرح بڑھ کر قدم تک آئے گا
فصل کل آئی جنوں کے بڑھ چلے ہیں ولولے
دل دھڑکتا ہے کہ ناصح آ کے بھر سمجھائے گا
صبح سے تا شام ہٹ کرتے ہو لاکھوں بار تم
اس قدر کثرت سے دل کوئی کہاں سے لائے گا
میرے انسانے میں شکوہ غبر کا بھی ہے شریک
دوستو کہتے ہو کیوں غصہ انہیں آجائے گا

دیکھ کر تر دامن گھبرا گیا کیوں اے نسیم
دیدہ پر آب دریا سینکڑوں برسائے کا

(۲۵)

ہاتھوں میں آج کی شب مہندی لکائیے گا
سجھئے یہ رنگ ہم بھی کچھ رنگ لائیے گا
یہ شوخیاں سمجھاری لکھی ہوئی ہیں دل پر
آخر کبھی تو میرے قابو میں آئیے گا
بہر میں بھی کچھ کہوں گا دیکھو زبان رو کو
بہر منہ چھپا کے مجھ سے آنسو پھائیے گا
ذات شریف ہو تم میں خوب جانتا ہوں
طوفان اور کوئی مجھ پر الٹائیے گا
ہاں شمع کا میں گل ہوں ، ناصح کی گفتگو ہوں
بڑھ جاؤں گا جہاں تک مجھ کو کھٹائیے گا
اسیدوار باقی کچھ اور رہ گئے ہیں
بہر بھی نقاب کیسو منہ سے ہٹائیے گا
بے وجہ یہ نہیں ہے انداز گفتگو کا
بہر گل کی طرح اے جاں باتیں سنائیے گا
میں ہوں مزاج قاتل لازم ہے خوف مجھ سے
جھوٹی قسم نہیں ہوں ہر دم جو کھائیے گا
یہ کیوں ہے نا امیدی درگاہ کبریا سے
جو کچھ کہ آرزو ہے ویسا ہی پائیے گا
مشتاق نے تو جاں دی کلکوں لباس کیوں ہو
یہ رنگ نو عروسی کس کو دکھائیے گا

دیکھو رقیب آئے دیکھو رقیب آئے
 کیا منہ اب آپ کا ہے جو منہ چھپائے گا
 ہم خوب جانتے ہیں استادیاں تمہاری
 محفل میں بیٹھے بیٹھے آنکھیں ملائیے گا
 آخر کچھ انتہا بھی ہے رحمیوں کی صاحب
 کہے تو عاشقوں کو کب تک متائیے گا
 ممکن نہیں جو نیت بدلے تمہاری اے جاں
 کیا قہر آج کی شب ہم پر نہ لائے گا
 کچھ لحظہ اور ٹھہرو تا روح تن سے نکلے
 آنے کی اور آفت گر آپ جائے گا
 سمجھے ہوئے ہیں جو کچھ دل میں بھرے ہوئے ہے
 کاٹے کو آئیے گا کاٹے کو آئیے گا
 آؤ تو جلد آؤ دم بھر کے بعد اے جاں
 مجھ کو نہ پائیے گا مجھ کو نہ پائیے گا
 سن لیجیے گا جو کچھ مدت سے آرزو ہے
 فرصت ہو کر میسر دم بھر کو آئیے گا
 کچھ دور میں نہیں ہوں لازم ہے یاد کرنی
 مانند دل مجھے بھی چلو میں پائیے گا
 ٹھنڈی کبھی نہ ہوں گی کیا گرمیاں تمہاری
 آخر نسیم کا دل کب تک جلائیے گا

(۲۶)

بڑھتے بڑھتے لاغری پہناں بدن ہو جائے گا
 تن گہاں ہوگا گہاں آخر کو تن ہو جائے گا

گر یہی ہے ناتوانی فکر عربانی ہے کیا
 دامن نظارہ تن پر بیرہن ہو جائے گا
 ایک چادر خاک کی ہے اک رداے آہاں
 اسر تن عرباں کا بے منت کفن ہو جائے گا
 لذت تکلیف تازہ سے نہ ہوں گے سیر ہم
 زخم کھائیں گے جو داغ دل کہن ہو جائے گا
 اشک دیدہ ہیں ہمیں کیا خانہ ویرانی کی فکر
 گر پڑے جس جاوہیں اپنا وطن ہو جائے گا
 خار ہوں گے نخل گل ہوگا حنا ہر برگ کلاہ
 اشک خونیں سے سرے صحرا چمن ہو جائے گا
 بس کہ ہے مضمون نازک میں تو کامل اے نسیم
 شہرہ آفاق تیرا بھی سخن ہو جائے گا

(۴۷)

چار دن کے بعد فرق درمیاں ہو جائے گا
 دوست تو ہو گا تو دشمن آہاں ہو جائے گا
 شعبدہ اک اور او قاتل عیاں ہو جائے گا
 تیر آکر زخم کے منہ میں زباں ہو جائے گا
 کس قدر شوق شہادت سے فداست ہے مجھے
 یہ نہ سمجھا تھا کہ قاتل مہرباں ہو جائے گا
 سینہ سوزاں پر اشک آئیں تو آنے دیجیے
 جلتے جلتے آگ پر ہانی دھواں ہو جائے گا
 گر خدنگ نالہ کردیں گے مشبک غم نہیں
 دود دل بیوند زخم آہاں ہو جائے گا

میرے تالوں کا لہو چکھے تو ہر ہر خار دشت
 توبہ کرنے کے لیے مثل زباں ہو جائے گا
 آرزو جنت کی میں کرتا نہیں اس واسطے
 نام سن کر حور کا وہ بدگیاں ہو جائے گا
 آب ہو جاتا ہے آہن وہ اثر نالوں میں ہے
 دیدہ زنجیر سے آنسو رواں ہو جائے گا
 یا کمر جانیں گے تیری یا دھن سمجھیں گے ہم
 جو نشان آنکھوں کے آگے سے نہاں ہو جائے گا
 شعر مضمون زا کہے جا رہ نہ افسردہ نسیم
 ایک دن کوئی نہ کوئی قلمر داں ہو جائے گا

(۴۸)

رنگ کیا کیا نہ نئے چرخ جفا جو بدلا
 ہاں مگر او دل پیتاب نہیں تو بدلا
 کنج مدفن میں یہ تھا چین کہ جب سے سوئے
 ایک پہلو سے نہیں دوسرا پہلو بدلا
 لذت ذبح زباں سے نہ گئی برسوں تک
 سالہا سال نہ جلاد نے زانو بدلا
 وہ گئی کون سی منت جو نہیں کی لیکن
 نہ کسی طرح مزاج بت بدخو بدلا
 کیا بلا جوشی جنوں کو ہے ترقی ہر روز
 ڈھنگ وحشی کا ترے کچھ نہ بری رو بدلا
 وسہ و آب حنا سے نہیں ہوتا ہے شباب
 جب ہوئے پیر تو رنگ سر ہر مو بدلا

ایک سا حال ہے خوں ناپہ دل کا میرے
 آج تک دیدہ تر کا نہیں آنسو بدلا
 کم ہوا جوش جنوں کچھ نہ اٹھا ہے نسیم
 آپ نارنج کبھی شربت آلو بدلا

(۴۹)

مزا دیوانگی کا زیر شمشیر دو دم نکلا
 کہ زنجیر ہوا بن کر سرے سینے سے دم نکلا
 جبین سائی کو ہم کس حوصلے پر آپ تک آئے
 نہ بل زلفوں میں کم پایا نہ کچھ ابرو سے خم نکلا
 بڑے ثابت قدم یاران ایذا دوست ہوتے ہیں
 کہ اشک دیدہ سے اہت جگر ہو کر ہم نکلا
 بتا ملتا نہیں یہاں بھی میان ہار کیا شے ہے
 یہی کہتا ہوا ہر قافلہ سوئے عدم نکلا
 نہ ڈوبی کشتی افلاک جوش چشم گریاں سے
 بہت سمجھے تھے اس دریا کو ہم افسوس کم نکلا
 غضب کیا کیا نہیں لائی نگاہ شرم زا تیری
 جسے ہم لطف سمجھے تھے وہ آخر کو ستم نکلا
 ابھی تک ہے وہی سودا ترے افعی گیسو کا
 طبیعت کو نہیں سیری عجب مرغوب ستم نکلا
 پکارا مجھ کو واں آس کو ہوئی منظور ضد جس جا
 جو نکلا نام بھی میرا تو مانند قسم نکلا
 نہیں برے ہیں اولے آہاں سے یہ پہنچولے ہیں
 مگر چرخ ستم پیشہ بھی ہمال ستم نکلا

ہوا ہے مشغلہ یاد خدا سے عہد پیری میں
 کیا دل سے ہنوں کا دھیان کعبے سے صنم نکلا
 وہی زور جوانی میں ابھی پشت خمیدہ ہے
 کہاں آہن پیر کا اب تک نہ خم نکلا
 نہ چھوڑا خاک نے جز خاک کچھ اُن کا نشان باقی
 نہ دارا قبر سے نکلا نہ اسکندر نہ جم نکلا
 ابھی پردے میں ہو جس پر پیام مرگ آئے ہیں
 قیامت اور آئے گی اگر باہر قدم نکلا
 زمانہ محسوس ہے اے نسیم آباد ہے اب تو
 بہت ڈھونڈھا مگر کوئی نہ ارباب کرم نکلا

(۵۰)

ہوس یہ رہ گئی دل میں کہ مدعا نہ ملا
 بہت جہان میں ڈھونڈھا ہر آشنا نہ ملا
 ہوا ہے کون سا معشوق با وفا اے دل
 گلا عبث ہے اگر وہ ملا ملا نہ ملا
 عجیب قسمت بد تھی شب فراق میں ہم
 کمال ڈھونڈھ پھرے خائنہ قضا نہ ملا
 نہ دے تو ہاتھ سے ہوں ضعف سے میں رنگ حنا
 ہوائے شوق فنا میں جہاں آڑا نہ ملا
 جواب دے گی بھلا روز باز پرس تو کیا
 آڑا آڑا کے ہمیں خاک میں صبا نہ ملا
 وہ کشتہ نگہ قہر تھا کہ محشر میں
 سرے جلانے کو احکام دلربا نہ ملا

غریق بحر ستم عمر کی ہوئی کشتی
 بہت سا ہم نے پکارا پہ نہ خدا نہ ملا
 کمال و عیش و جوانی و ملک و مال و طرب
 یہ سب ملے ہمیں پر یار با وفا نہ ملا
 عجیب جوش جنوں میں ہوئی تھی پامالی
 کہ ایک آہلہ تک دوست دار پا نہ ملا
 چہے ہزار تمنا سے کیوں نہ بے کھٹکے
 کہ خار کو کوئی اے ہم سا برہنہ پا نہ ملا
 بہت سی کرتے رہے باغ دھر میں گکشت
 پر الہی بلبل دل کو نسیم سا نہ ملا

(۵۱)

ماغر ہلا کے بے خبر دو جہاں بنا
 او پیر سے فروش ہمیں بھی جوان بنا
 اللہ رے درازی آغاز مدعا
 نکلا جو حرف منہ سے میرے داستان بنا
 تھا کچھ تو جب بھی یہ نہ کہو تم کہ کچھ نہ تھا
 گر کچھ نہ تھا تو کاش سے سارا جہاں بنا
 اٹھا سرا غبار جو تعظیم یار کو
 ایسا ہوا بلند کہ اک آسمان بنا
 وہ بے نشان تھا میں کہ یہاں تک ہوا پسند
 مجھ سے دھان یار بنا لا مکان بنا
 لیل و نهار گیسو و رخسار یار میں
 جی چاہتا ہے بیشہ رہیں اک جہاں بنا

ہستی کا بس میری وہیں اطلاق ہو گیا
 جس جا کہیں کسی کے قدم سے نشان ہوا
 عشاق جاں فروش کے دیکھو تو حوصلے
 مقتل تمام معرکہ امتحان ہوا
 ہیکار تھی نہ خاک نہ دود جگر نسیم
 آس سے زمین اس سے ہر اک آہاں ہوا

(۵۲)

بوشیدہ ہے بہاؤوں سے ہر اک زخم تن اپنا
 ہمال خزاں آپ کیا ہے چمن اپنا
 مصروف تبسم ہیں یہ شادی سے اجل کی
 رکھتے ہیں کھلا زخم جگر تک دھن اپنا
 ہیں وہم فراموش ہوتا کچھ نہیں ملتا
 مسکن ہے کسی جا نہ کہیں ہے وطن اپنا
 اللہ رہے یتیم دل بعد فنا بھی
 سو جا سے مشک ہے مزار کمن اپنا
 ہم گریہ گل رنگ سے یاد گل تر میں
 صیاد ابنالیں گے قفس میں چمن اپنا
 اک دل تھا سو وہ بھی نہ رہا پاس حد افسوس
 پایا نہ کسی کو بھی شریک عن اپنا
 اے غم ہمیں اس درجہ گھلا دے ترے صدقے
 ہو ہار احبا نہ خیال کفن اپنا
 ساق وہ پلا مے کہ دو عالم ہوں فراموش
 ہو جائے خدائی سے نرالا چلن اپنا

وہ اشک تھے جو آنکھ سے ڈھلتے ہی ہوئے خشک
 دم بھر نہ ہوا گوشہ دامن وطن اپنا
 خاموش نسیم اب نہ بکو چپ رہو بس بس
 پیہودہ سناؤ نہ کسی کو سخن اپنا

(۵۳)

کسی صورت تو دل کو شاد کرنا
 ہمیں دشمن سمجھ کر یاد کرنا
 دعائیں دیں گے چھٹ کر قیدی زلف
 جہاں تک ہو سکے آزاد کرنا
 کہیں وہ آفریں ایسا پڑے ہاتھ
 نہ مجھ پر رحم او جلاد کرنا
 مسیحائی دکھانا بعد مردن
 جو دل چاہے تو کچھ ارشاد کرنا
 آڑا دو خاک میری ٹھوکروں سے
 اگر منظور ہے برباد کرنا
 ادب سیکھے نہیں، ہوں تو گرفتار
 بتا کر قاعدے بیداد کرنا
 مزا تھا بے بسی کی کالیوں میں
 اسی بھولے سبق کو یاد کرنا
 بہت مشکل ہے ان سنگیں دلوں سے
 خیال خاطر ناشاد کرنا
 جنازہ اٹھ چکے میرا تو تم بھی
 ادا رسم مبارک یاد کرنا

نسیم خستہ دل نے جان دے دی
غضب لایا ترا بیداد کرنا

(۵۴)

آن کے آنے کے بھروسے پر جو شاداں دل ہوا
زندگی خوش ہے کہ اب مرنا مجھے مشکل ہوا
راحت مرگ محبت اس سے ہو چھا چاہیے
جو یہ سمجھے اپنے جی میں میں بھی اس قابل ہوا
موت بھی قسمت نے کھوٹی کیا بری شے ہے امید
جب جھکی گردن مری وہ اور کا قاتل ہوا
سہرائی مجھ پہ کیوں کی تھی کبوتر نے کہ ہائے
میں رہا زندہ وہ میرے واسطے ہسل ہوا
ہل بے ظالم جو نہ ہو چھے یہ بھی تیر ناز سے
کس طرف کوئی سوا کس جا کوئی ہسل ہوا
نو جوانی کا برا ہو اس کو ہرجائی کیا
جی ہٹا جاتا ہے جب وہ پیار کے قابل ہوا
قدر مینا عزت جام و سبو جاتی رہی
جو کھاری بزم میں ٹوٹا وہ میرا دل ہوا
بے سروت تند خو نا آشنا برہم مزاج
روئیے اس بخت پر جو مجھ سے کچھ سائل ہوا
گھبرے رہتے ہیں عزیز و اقربا آن کے انہیں
اے نسیم اب دیکھنا بھی یار کا مشکل ہوا

نہ گھوڑے مجھے بوسہ اگر لیا تو لیا
 رقیب دل میں سمجھ لو اگر ملال ہوا
 فروغ زیست ہوا سر کٹا کے صورت شمع
 حیات بعد ہوئی پہلے انتقال ہوا
 خیال زلف اگر ہے تو دل کی خیر نہیں
 وہ ٹوٹ جاتا ہے شیشہ کہ جس میں بال ہوا
 مرا فسانہ ہے مانند مژدہ دشنام
 کہ آنے آنے در گوش تک ملال ہوا
 مزار میں نظر آتی ہے خاک تک رنگیں
 غبار تن شہدا کا ترے گلال ہوا
 نہیں ہے حرص سے خالی کبھی مال بشر
 اٹھا جو دست دعا کاٹے سوال ہوا
 تری کمر تو نہ تھا میں جو موت کو نہ ملا
 شب فراق میں مرنا بھی کیوں محال ہوا
 بسان آخر روز و بہ شکل اول شام
 وہی عروج ہے میرا کہ جب زوال ہوا
 برہنگی کی نداشت رہی یہ تن کے ساتھ
 کہ بعد مرگ بھی مزدور انتقال ہوا
 درازی شب غم کا وہ ایک لمحہ ہے
 جسے زمانے میں کہتے ہیں دور سال ہوا
 کھلا یہ عقدہ قدم بوس زلف سے ہم کو
 چڑھا جو سر پہ وہ آخر کو ہائے مال ہوا
 کنار قبر سے لاشے نے میرے مس نہ کیا
 ترے گمان بد انجام کا خیال ہوا

گھلا گھلا کے گھٹایا یہ سوز پنہاں نے
 گلو میں طوق گراں صورت حلال ہوا
 بصورت ورق گل خزاں سے ابتر ہے
 نسیم کا چمن دھر میں یہ حال ہوا

(۵۷)

میں وہ ایذا دوست تھا راحت سے بھوکو غم ہوا
 زخم کو ناخن سے چھیڑا درد دل جب کم ہوا
 موسم پیری میں اپنا کچھو عجیب عالم ہوا
 جس قدر بڑھتا گیا سن ، ہر ارادہ کم ہوا
 شب گھٹی ہر پردہ دار عشق محو غم ہوا
 رک گئیں آہیں مزاج آرزو برہم ہوا
 جان لی باد لب شیریں نے تیرے اے صنم
 میرے حق میں التفات انکیں بھی سم ہوا
 رات بھر دیکھا تماشا ہم نے برق وابر کا
 آہ کے شعلوں سے جب درد جگر باہم ہوا
 درد دل زخم جگر گو ان سے ایذا تھی مگر
 ترک صحبت جس نے کی آخر کو اس کا غم ہوا
 زخم بڑ کر کھل گئے سینوں پر اہل بزم کے
 تھا جو شادی مرگ ہنس ہنس کر مرا ماتم ہوا
 بھر وہی سامان ہوا رہتا تھا جس کا ہم کو خوف
 بھر مزاج زلف جانان ان دنوں برہم ہوا
 عمر کٹی آرزو سے وصل جانان میں نسیم
 کیا کہوں کیوں کر بسر کی کیا مرا عالم ہوا

(۵۸)

خون ٹپک کر آنکھ سے بھر اشک تر پیدا ہوا
 معدن لعل بدخشاں میں گہر پیدا ہوا
 دھرمیں ے سایہ کب جسم بشر پیدا ہو
 ہر بدن کے ساتھ اس کا ہم سفر پیدا ہوا
 سر ترا اٹھا فلک پر تیغ ابرو پڑ گئی
 ماہ نو کاٹے کو ے زخم جگر پیدا ہوا
 خود بنود زنجیر کھچ آئی تعجب ے مجھے
 سنگ مقناطیس کا پا میں اثر پیدا ہوا
 جس زمیں پر پڑ گیا عکس لب شیریں ترا
 قہم جو دھقان نے بویا نیشکر پیدا ہوا
 کیا غلط فہمی ہوئی تار نظر اپنا وہ تھا
 جانتے تھے جس کو ہم سوئے کمر پیدا ہوا
 رات دن پڑنے میں پتھر ایک دم فرصت نہیں
 وہ شجر دیوانہ ے جس میں ٹمر پیدا ہوا
 کچھ نہیں ثابت کہاں تھے کیا ہیں کیا ہو جائیں گے
 آدمی ہستی سے اپنی بے خبر پیدا ہوا
 عمر گزری جستجو میں حوصلہ کچھ کم نہیں
 بے کمر تو ے تو میں بھی بے جگر پیدا ہوا
 کیا غضب ے جسم خاکی کی قفس میں جاں ہو قید
 یہ وہ طائر ے جو بام عرش پر پیدا ہوا
 بیس ڈالا آسیائے چرخ نے اس کو نسیم
 جب زمانے میں کوئی صاحب ہنر پیدا ہوا

(۵۹)

عاشقوں میں کون مجھ سا ناتواں پیدا ہوا
 قالہ بھی میرے دھن سے بے نغان پیدا ہوا
 بے نشان رنگ پرہہ کا نشان پیدا ہوا
 یہ وہ طائر ہے کہ جو بے آسماں پیدا ہوا

پردہ پوشی قاتل بے رحم کی منظور تھی
 ہر دھان زخم عاشق بے زیاں پیدا ہوا
 خاکساران محبت کو نہیں رفعت پسند
 آفتاب داغ دل بے آسماں پیدا ہوا

دوست کی آمد میں دشمن کا بھی مژدہ ساتھ تھا
 جب چار آئی ہمیں خوف خزاں پیدا ہوا
 دیکھنا اس کا بھی مثل یار نا ممکن رہا
 شوق اپنے دل کا آنکھوں سے نہاں پیدا ہوا

وایے قسمت اہل دنیا ہوتے ہیں مردہ پسند
 اٹھ گئے جب ہم تو اپنا قدر دان پیدا ہوا
 انتہائے اوج کو ہستی بھی ہوتی ہے ضرور
 دیکھ لو ہر آسماں پر آسماں پیدا ہوا

ایک صورت پر رہے صورت نہ مانند خیال
 جب ہوئی ہستی مجھے نقل مکان پیدا ہوا
 کس بلا کی شام کیسو تھی نظر آئی نہ صاف
 آنکھ جب الہی نگاہوں میں دھواں پیدا ہوا

روز اک آفت ہے سر پر اس کے شاید اے نسیم
 خاک کا پتلا برائے امتحان پیدا ہوا

(۶۰)

ہر حرف سے پیدا اثر جوش پلا تھا
 نامہ ترا کیا تھا مری قسمت کا لکھا تھا
 کس طرح نہ پگڑوں کہ یہ انداز نیا تھا
 ایسا نہ ہوا تھا کبھی ایسا نہ ہوا تھا
 عادت سے میں واقف ہوں مگر جو ک کئے تم
 راضی ہوئے ہوئے یہ خدا جانے یہ کیا تھا
 کیوں جی وہی پھر ہرزہ خیالی کی سہائی
 کچھ یاد نہیں کیا ابھی اقرار ہوا تھا
 اب آئے تو آئے وہ تمنا نہیں باقی
 آتی شب ہجران میں تو احسان قضا تھا
 دیکھا جو گیا روز جزا نامہ اعمال
 جس لفظ کو پڑھتے تھے سمجھا رہی گلا تھا
 گرمی وہ دکھائی نفس سرد نے مجھ کو
 اولیٰ کی طرح آنکھ میں ہر اشک جا تھا
 شکوہ بھی وہ کرتا ہوں کہ جو یاد نہیں ہے
 کہتا ہوں مجھے رنج میں کیا تم نے کہا تھا
 نالوں کی اجازت تھی کبھی آہ کی رخصت
 تا صبح اسی طرح فراق رفقا تھا
 آنسو کے ٹپکنے سے نہ ہو کیوں مجھے ماتم
 مٹی میں ملا ہائے جو آنکھوں میں رہا تھا
 بیتاب ہوا یار تو سو بار ہلایا
 تکلیف کا باعث مجھے احسان دعا تھا
 افشائے محبت کا جو تھا خوف تو ہر اشک
 آنکھوں میں نہاں تھا کوئی دامن میں چھپاتا تھا

اب دود جگر ہو کے نکلتا ہے دھن سے
 وہ جوش جو برسوں مرے سینے میں رہا تھا
 کیا قوت بازو تھی زہے ہمت قاتل
 دیکھا تو کئی کوس گروہ شہدا تھا
 بخشا دم قسمت مجھے قسام ازل نے
 وہ نالہ جو تاثیر فراموش بنا تھا
 بے وجہ تو خود رفتہ نہیں ہوتے ہیں لاکھوں
 یہ بھی وہی افسوں ہے جو خادم پہ ہوا تھا
 سیکھا یہ نسیم ان سے فریب ستم آمیز
 ہر زخم رلانے کے لیے میرے ہنسا تھا

(۶۱)

خلش نا آشنا گوہر عدو تھا
 مگر ہم کو خیال گفتگو تھا
 مجھے حیرت ہے یہ کیا ہو گیا آج
 ابھی کل تک مرے پہلو میں تو تھا
 خفا ہوو کے دل میں رہ گئے کیوں
 سمجھیں کس کا خیال آبرو تھا
 جدا تم نے کیسے کیوں میرے اعضا
 اجی کیا میں بھی لفظ آرزو تھا
 مرا داغ جگر کیا اس کو بھاتا
 کہ وہ کل تھا مگر محتاج ہو تھا
 نہ چھوٹا آج تک دامن سے تیرے
 یہ کیسا داغ تھا کس کا لہو تھا

نصو ر اہنی نظر کا تھا نسیم آہ
وگر نہ اس کا جلوہ چار سو تھا

(۶۲)

کھل گئی ہر ہر کڑی مجھ کو وہ افسوں یاد تھا
خندہ زنجیر سامان مبارک باد تھا
آپ کو آزاد دکھلا کر کیا اوروں کو قید
میں وہ صید خیر خواہ خاطر صیاد تھا
کم نہ تھی زخم جگر کی ایک دم خندیدگی
خاطر دشمن کی صورت بے سبب بھی شاد تھا
مدتوں تک اپنے ہم جنسوں سے بھی ڈرتا رہا
طاثر جان حزیں اک مرغ نو آزاد تھا
اس لیے مرتا ہوں بھاتا ہے وہ مجھ کو انفعال
جو تری خاطر میں اے ظالم پس بے داد تھا
جب قریب نخل آبا ڈر کے بھر پرواز کی
طاثر خائف کی صورت آشیان برباد تھا
خشکی اعضا نے دونوں کو برابر کر دیا
میں ادھر محبوب ، شرمندہ ادھر فصاد تھا
خاک گلزار جہاں میں جی پہلتا اے نسیم
دہد کے قابل نہ لطف گلشن ایجاد تھا

(۶۳)

بل بے تیری کاوشیں جینا مجھے دشوار تھا
اے مرے درد جگر تو بھی مزاج یار تھا

جب میں بے تابی سے گھبرا یا تشفی اس نے کی
 مونس جان حزیں شب بھر ترا اقرار تھا
 دل کی گھبراہٹ سے جب تڑپا شب فرقت میں میں
 تیرے در سے متصل اپنے بس دیوار تھا
 وات بھر سنتا رہا اب عذر لاعلمی نہ کر
 بے سبب آہیں نہ تھیں آخر کوئی بیار تھا
 ہائے میں نے توجہت چاہا مگر اے جان جان
 مجھ کو مرنا بھی شب غم میں ترا دیدار تھا
 داستان شوق میری ہو نہ چکی عمر بھر
 خاک ستا وہ اے اک حشر کا طومار تھا
 یہ تو مضمون گزشتہ کچھ وفا آمیز ہے
 کیا نصیب دشمنان تو بھی کسی کا یار تھا
 اپنی محرومی گوارا کی نہ کی لیکن خبر
 جی دھل جاتا ترا وہ حال میرا زار تھا
 غیر نے تیرے سوا ہائی نہ آنکھوں میں جگہ
 ہاسبان خواب راحت دیدہ بیدار تھا
 صدقے میں اس سرعت تیر نظر کے اے نسیم
 اف بھی ہم کہنے نہ ہائے وہ جگر کے بار تھا

(۶۴)

کب اس زمیں پہ مجھے آرمیدہ ہونا تھا
 ہوا سے خاک کو برسوں پریدہ ہونا تھا
 اگر تھی دامن جانناں کی آرزو اے دل
 تو چند دم کے لیے آب دیدہ ہونا تھا

کسی کے چہرہ پہ ہوتا کسی کے دامن میں
 مجھے بھی آنکھ کا اشک چکیدہ ہونا تھا
 کبھی نہ خدمت دامن سے سر فراز ہوا
 وہ ہاتھ ہوں کہ جسے نارسیدہ ہونا تھا
 کہاں لے ادب سے یہ عرض کرتے ہیں
 ہمیں سے اے قد جاناں کشیدہ ہونا تھا
 اگر تھی لذت ہمال کی ہوس اے دل
 بہ شکل سبزہ زمیں پر دمیدہ ہونا تھا
 کجی بھی میری دکھاتی بہار لاکھوں کو
 بہ شکل ابروے جاناں خمیدہ ہونا تھا
 عجب نہ تھا کہ آئے رحم کچھ نہ کچھ آتا
 مری امید تجھے ابر دیدہ ہونا تھا
 نہ برگ و گل نہ ٹمر سب سے پاک دامن ہوں
 مرے نصیب میں شاخ پریدہ ہونا تھا
 بہانہ موت کا تھا جسم و روح کو ورنہ
 ہر اک کو اپنی طرح پر جریدہ ہونا تھا
 امید راحت آغوش یار تھی جو مجھے
 بہ صورت دل عاشق پییدہ ہونا تھا
 کہاں ربط میں ہوتی ہیں سیکڑوں باتیں
 نہ اس قدر سمجھیں ہم سے کشیدہ ہونا تھا
 زمان قطع نہ کام آئی سرکشی اے سرو
 نہ جانتا تھا کہ آخر خمیدہ ہونا تھا
 خفا نہ ہو جو ٹپک نکلتے آنکھ سے آنسو
 یہ ابر عشق ہے اس کو چکیدہ ہونا تھا

یقین تھا کہ وہ دل میں کمال خوش ہوتے
 کچھ اور چاک جگر کو دریدہ ہونا تھا
 وہ آبلہ ہوں نہ تھا جس کو بیشتر بھی نصیب
 درون قلب میں مجھ کو تپیدہ ہونا تھا
 ترا جال بنا میں کبھی کبھی احسان
 غرض یہ تھی کہ مجھے برگزیدہ ہونا تھا
 بہار صحبت زندانہ بہاتی اے واعظ
 تجھے بھی عشق کا لذت چشیدہ ہونا تھا
 کھلی اب آنکھ تو کیا فائدہ نسیم افسوس
 نہ سمجھے زیر لحد آرمیدہ ہونا تھا

(۶۵)

لب بستگی سے لطف عروسی سخن میں تھا
 مثل زبان کلام حجاب دہن میں تھا
 جب تک کہ تھا خیال رہا دل میں بار کے
 ظاہر ہوا تو مثل سخن الجمن میں تھا
 مانند روزگار بدلتا رہا ہوں رنگ
 صحرا میں سبزہ تھا تو گل تر چمن میں تھا
 مثل رقیب روح کو آس سے خلش رہی
 جب تک کہ درد میرے حجاب بدن میں تھا
 اے اضطراب شوق تری عمر ہو دراز
 راحت سفر میں ہے نہ تحمل وطن میں تھا
 بے ہوشیاں نصیب رہیں سامعین کو
 کیف شراب ناب مرے ہر سخن میں تھا

دن کو زبان خلق پہ ہوگا مرا مقام
 وہ ذکر ہوں جو شب کو تری انجمن میں تھا
 ہرگز مرا فریب نہ ثابت ہوا تجھے
 دشنام بن کے یار میں تیرے دھن میں تھا
 دیکھا گیا جو لاشہ عاشق تو بعد مرگ
 اک ڈھیر استخوان کا حجاب کفن میں تھا
 دل اس کو جانتا ہے زباں سے میں کیا کہوں
 جو کچھ مزا فراق کے رنج و عن میں تھا
 جلتا رہا ہوں رشک عدو سے تمام رات
 میں مثل شمع شب کو تری انجمن میں تھا
 گر تھی حلب میں آئینہ رو کی تیرے دھوم
 شہرہ شمیم زلف کا ملک ختن میں تھا
 بے وجہ اس نے پاؤں نہیں ہاتھ سے چھوئے
 او بت خیال اور دل برہمن میں تھا
 کیوں آتش غضب سے جلایا کہ باغیاں
 دو دن کو آشیانہ بلب چمن میں تھا
 کیا سرگزشت دھر کی مجھ کو خبر نسیم
 میں تو خیال دلبر گل پیرمن میں تھا

(۶۶)

بعد از فراغ روح بھی قید عدو میں تھا
 میں صورت نوالہ لحد کے گلو میں تھا
 کیسا مزا ہمارے جگر کے لہو میں تھا
 خنجر زباں نکالے ہوئے آرزو میں تھا

ٹانگے ہمارے زخم جگر کے آجھ گئے
 ہل مثل موئے زلف جو تار رفو میں تھا
 بادہ کوئی عروس ہے ساقی کہ رات بھر
 ہر مست کی نظر سے حجاب سب میں تھا
 افسانہ میرا کیوں نہ سراپا فریب ہو
 یہ مدعا وہ ہے جو تری گفتگو میں تھا
 پیوند بالہ چاک دھن میں ضرور ہو
 آج انتہا کا ضعف صدا شور ہو میں تھا
 دشمن سے بھی ہمیشہ رہا مجھ کو اتحاد
 مانند دست یار میان عدو میں تھا
 تھا گو کہ ایک نقطہ تنہا ہزار شکر
 اتنی تو آبرو تھی کہ میں آبرو میں تھا
 مطلب کی بات کہہ نہ سکے ان سے رات بھر
 معنی بھی منہ چھپائے ہوئے گفتگو میں تھا
 منظور تھی جو شہرت حسن سخن نسیم
 مانند غنچہ پرورش رنگ و بو میں تھا

(۶۷)

کچھ خون میں تر تیر نظر تھا کہ نہیں تھا
 کیوں جی سرے سینے میں جگر تھا کہ نہیں تھا
 دو روز بھی بیٹھا نہ کیا آپ سے گھر میں
 کیوں جذب محبت میں اثر تھا کہ نہیں تھا
 دو بو سے تو دہتے جو نہ ہو سکتے تھے دس پاؤں
 آخر تمہیں کچھ مد نظر تھا کہ نہیں تھا

اس درجہ ستم عاشق بیچارہ ہر اے جان
 کچھ بھی سمجھیں اللہ کا ڈر تھا کہ نہیں تھا
 کیوں دیکھ لیا جا کے ہوئی اب تو تسلی
 بیمار ترا شمع سحر تھا کہ نہیں تھا
 لو دیکھ چکے اب تو تشفی ہوئی کہیے
 پیوند جگر تیر دو سر تھا کہ نہیں تھا
 بھولے رہے کیوں غفلت ہستی پہ نسیم آپ
 آخر کبھی در پیش سفر تھا کہ نہیں تھا

(۶۸)

لو مسلمان مجھے وہ طفل برہمن سمجھا
 دوست نے خوبیؔ تقدیر سے دشمن سمجھا
 بیشتر میں نے خس و خاک سے آنسو بوجھے
 اڑ کے جو چہرے پر آیا آئے دامن سمجھا
 وقت گل گشت جو ہر دامن گل تر دیکھا
 آب شبنم عرق چہرہؔ گلشن سمجھا
 منہ چھپائے ہوئے سینے سے جو شعاع نکلا
 مدعی شب کو چراغ تہ دامن سمجھا
 دل سے آتی تھیں جو بوئیں ہوس مردہ کی
 رخنہ سینہ کو میں روزن مدفن سمجھا
 عکس گیسو نظر آیا تو ڈرا یہ ظالم
 آئینہ بھینک دیا ہاتھ میں ناگن سمجھا
 مدتوں خوں نے مرے پرورش خنجر کی
 ہائے اس پر بھی وہ قاتل مجھے دشمن سمجھا

جا بہ جا خون کے دھبے نظر آئے جو نسیم
گوشہ دامن رنگیں کو میں گلشن سمجھا

(۶۹)

ہیار سے دشمن کے وہ عالم ترا جاتا رہا
ایسے لب چوسے کہ بوسوں کا مزا جاتا رہا
دل جو پہلو میں نہیں کچھ مجھ کو بے ہوشی سی ہے
ڈھونڈتا ہوں یہ نہیں معلوم کیا جاتا رہا
دم شب فرقت میں نکلا متوں سے موت کی
اب تو تیرا بھی وہ احسان جفا جاتا رہا
اس قدر آنکھیں ملیں میں نے ہجوم شوق میں
ہاؤں سے اس شوخ کے رنگ حنا جاتا رہا
یہ تلافی کس لیے کچھ یاد وہ باتیں کرو
مر کیا دشمن تو کیا میرا گلا جاتا رہا
کہہ کے تم کچھ رہ گئے سمجھوں اسے کیا خاک میں
لفظ جب پورا نہ نکلا مدعا جاتا رہا
وہ نہ سمجھے میری بے تابی میں بہکی گفتگو
ہائے عرض شوق سے بھی مدعا جاتا رہا
مجھ سے وہ ، میں ان سے لپٹا ازدیاد شوق میں
یاں لحاظ وضع واں پاس حیا جاتا رہا
تم رقیبوں سے ملے ہم نے بھی دل بہلا لیا
اب ہمارا آپ کا وہ واسطہ جاتا رہا
کیا گلا اس کا خلاف وضع دونوں ہو گئے
ضبط مجھ سے تم سے انداز وفا جاتا رہا

عالم پیری مبارک باد مدفن ہے نسیم
ولولے ٹھنڈے ہوئے سب حوصلہ جاتا رہا

(۷۰)

کب میں فارغ قید وحشت سے لڑکپن میں رہا
ہاؤں میں زنجیر پہنے طوق گردن میں رہا
دل پریشان تھا سو آنسو بھی پریشان ہو گئے
ایک ٹھہرا آنکھ میں تو ایک دامن میں رہا
آتے آتے نا گلو سوز نفس سے جل گیا
ایک دم بھی کوئی پیراہن نہیں تن میں رہا
ریخ ناحق فوق کب عصمت میں آیا آپ کی
پردہ نظارہ میرا چشم روزن میں رہا
گھٹتے گھٹتے تن بسان شیشہ باریک تھا
مدتوں مسکن ہمارا چشم سوزن میں رہا
کی صفائی غیر سے لیکن کدورت کم نہیں
بعد صیقل مورچہ ویسا ہی آہن میں رہا
کافر و دین دار ہم مشرب محبت میں ہوئے
فرق کیا تسبیح و زنار برہمن میں رہا
ابتدا میں راحت دامن مادر تھی نسیم
انتہا کا پھر مزا آغوش مدفن میں رہا

(۷۱)

بنانے سے یہ مطلب ہم نے پایا
مٹانے کے لیے ہم کو بنایا

بہ شکل اشک ہوں با قدر و بے قدر
 وہ گوہر ہوں کہ کھویا جس نے پایا
 نہ طعنہ تھا نہ شکوہ تھا مرا نام
 عجب ہے تیرے لب پر کیوں کر آیا
 سرشک چشم کوئی آبلہ تھا
 جو نشتر نوک مڑکاں نے لکھا
 وہ مشتاق شہادت تھا دم ذبح
 گلے سے مجھ کو خنجر نے لکھا
 نہ اٹھا گر کے آنسو کی طرح ہے
 عدم کا لطف ہستی میں دکھایا
 ہوا سرمہ بھی شاید حسن اغیار
 جو ایسا تیری آنکھوں میں سپایا
 مزا جوش محبت نے یہ بخشا
 گلہ بھی شکر ہو کر لب پر آیا
 ہوئی جھوٹی قسم کھانی جو منظور
 خوشا قسمت میں آن کو یاد آیا
 مگر واعظ بھی کوئی درد دل ہے
 کہ پیشا آب اور مجھ کو اٹھایا
 نسیم اعدا ہے شکوہ کیا پس از مرگ
 ہمیں باروں نے مٹی میں ملا یا

کب یہاں میں خلش غیر سے دل شاد آیا
 ساتھ قالب کے سرے سایہ ہم زاد آیا

حشر میں جب کہ دم پرشش ہے داد آیا
 آپ کو گنگ بنا کر وہ ہری زاد آیا
 صدمہ قید تعلق جو مجھے یاد آیا
 الف وصل کے مانند میں آزاد آیا
 موج مے جام و صراحی میں نہ ٹھہری دم بھر
 تیری آنکھوں میں جو رعنے کا سزا یاد آیا
 دھن زخم سے ہنس ہنس کے نکل جائے گی روح
 گد گدائے کو گلو خنجر جلاد آیا
 یہ غلط ہے کہ مرا ذکر کیا ہو تو نے
 کوئی طعنہ تو نہ تھا میں جو تجھے یاد آیا
 ایک نے بھی نہ سنا روز جزا صد اسوس
 شکوہ ہار جو بن کر میری فریاد آیا
 دوست کیا تو نے تو دشمن بھی نہ چھوڑا اے چرخ
 اب وہ دھڑکا نہ رہا دل میں کہ صیاد آیا
 گتہ بار میں مصروف ہوئی ہیں روحیں
 کیا فلک پر ہے کوئی عالم ایجاد آیا
 بل بے غفلت کہ رقیبوں کے کئے سے کچھ کچھ
 اپنی ہستی کا مجھے آج نشان یاد آیا
 تھا خیال لب شہرین جو دم نزع مجھے
 میں نے سمجھا ملک الموت کو فرہاد آیا
 روح قالب میں نہ ٹھہری کہ ہوا غیر کا دخل
 رشک تھا جسم میں کیوں نشتر فساد آیا
 مردہ و زندہ زمیں سے نہیں باہر کوئی
 ایک آغوش میں کیا مجمع اجساد آیا

خانہ زاد دل بے تاب ہے کچھ غیر نہیں
 نہ ڈرو لب پر اگر شکوہ بیداد آیا
 کر دیا اُس نگہ مست نے مجھ کو غافل
 آج آنکھوں میں سری خواب خدا داد آیا
 جب امنڈتا ہے میرے سینہ سوزاں سے دھواں
 آہاں اُس کو سمجھتا ہے کہ ہم زاد آیا
 صورت جام ہوں آغوش کشادہ ہر وقت
 دھیان رہتا ہے کہ اب کوئی ہری زاد آیا
 بد مزاجی نہ کر اس درجہ دم مرگ لے روح
 تجھ میں بھی کیا اثر خاطر ناشاد آیا
 ذبح کے وقت جو بے رحمی قاتل دیکھی
 اپنے سر جانے پر احسان قضا یاد آیا
 نذر کیا دیجھے اُس قاتل عالم کو نسیم
 ایک سر تھا سو نہ خنجر جلاد آیا

۷۳

ہوئیں جب ہند آنکھیں خوف ہر شس کا یقیں آیا
 ہوئے بیدار ہم جب وقت خواب واپسیں آیا
 آٹھے شعلے درون سینہ سے تعظیم فرقت میں
 سرشک دیدہ استقبال کو تا آستیں آیا
 تڑپ کر رات کٹی بھی مگر السوس وہ ظالم
 نہیں آیا نہیں آیا نہیں آیا نہیں آیا
 وہ تھا محروم راحت میں وہ مقبول جفا تھا میں
 کہ ایذا ڈھونڈنے کو جو کوئی آیا یہیں آیا

نہ پایا کوئی مجھ سا بے زباں شاید زمانے میں
 کہ ناصح سرزنش کرنے کو جب آیا یہیں آیا
 وہاں تم گھر میں بیٹھے ہم نے توبہ کی محبت سے
 تمہیں عصمت کا دھیان آیا ہمیں بھی پاس دیں آیا
 ملا اعلیٰ سے اعلیٰ ہست ہستی سے ہوا باہم
 فلک پر روح جا پہنچی بدن زیر زمیں آیا
 نہ ڈالی آنکھ میں نے اس قدر تیرا تصور تھا
 فرشتہ موت کا سو سو طرح بن کر حسین آیا
 کہاں تک شکر ہو او صید افکن تیرے احسان کا
 کہ جو تیر نظر سینے تک آیا دل نشیں آیا
 ہوا گلزار ابراہیم دل آتش پرستوں کا
 ہمار اپنی دکھانے کون سا خلوت نشیں آیا
 نہیں تن جائے آبادی یہ ویرانہ ہے او غافل
 ہوا اک روز راہی اس مکان میں جب مکہیں آیا
 خدا کی یاد تحفہ ہے جہاں سے جانے والوں کو
 وہی کچھ لے گیا دولت جسے کچھ پاس دیں آیا
 ادب او نالہ گستاخ بس آگے نہ بڑھ جانا
 ٹھہر آہ شرور ز پاس اب عرش پریں آیا
 خبر اپنی نہ رکھی اور کا کیا حال چلاتا
 هدف ہو کر گیا آس کوچے میں جب شانہ میں آیا
 غرض کیا تشنہ دیدار کو ہے اس سے اے ساقی
 اگر لب تک چھلکتا جام آب آتشیں آیا
 اذیت دوست ہے ہر چند لیکن دل بہلتا ہے
 سبب کیا ہے ابھی تک ناصح مشفق نہیں آیا

پھر آئی فصل گل اٹھکھیلیاں کرتے ہیں دیوانے
 ترقی پر نوا سودائے زلف عنبریں آیا
 کلام معترض کی جا سخن میں ہم نہیں رکھتے
 کیا محروم ہو کر جب کوئی یاں نکتہ چین آیا
 نسیم اک اور بھی رنگیں غزل اس طرح میں پڑھے
 کہ اب تک جوش مضمون کا طبیعت میں نہیں آیا

۷۲

غرض کیا ہے بھرساق جو وہ سے کش نہیں آیا
 بوہولے ڈالنے کو دل میں آب آتشی آیا
 فغان بے صدا ، فریاد ہنہاں ، آہ پوشیدہ
 اُلھی دل سے جو تیرا ذکر چشم سرمگیں آیا
 دو رنگی اہلق ایام کی طرفہ تماشا ہے
 جسے بالائے زین دیکھا وہی زیر زمیں آیا
 حیات چند روزہ پر غرور اتنا نہ کر غافل
 کہ مرغ روح اڑ کر آشیان تک پھر نہیں آیا
 ابھی سے فکر کر انجام میں آغاز عقبی کے
 کہ پھر افسوس ہے بے جا جو وقت واپس آیا
 بہت مدت میں دیکھا آج تجھ کو بار دہر نہ
 کہاں تھا کسی طرف سے اسے دل اندوہ گین آیا
 ہوا ہے روح سے منظور پردہ جسم خاکی کو
 مگر کاشاندہ دل میں کوئی خلوت نشین آیا
 بہ رغبت ہے تری صید انکھی کی ہر طبیعت میں
 کہ خود صیاد آہو کی پہن کر ہوستیں آیا

اثر جذب محبت نے بڑی مدت میں دکھلایا
 کہ جانا تھا کہیں وہ اور گھبرا کر ہیں آیا
 زمانِ ذبیح دل ہرگز نہ پایا اس کے سینے میں
 حلف تیر نظر کا ہو کے جو آہوے جیں آیا
 ہمیں تک اوہری دیوانگی کی یاد گری تھی
 ہمارے بعد صحرا میں نہ کوئی جانشین آیا
 مقرر ظالموں کو بھی پسند آتا ہے جھک جانا
 خم شمشیر قاتل دیکھ کر ہم کو یقین آیا
 ترا جلوہ وہ ہے قربان جس پر دونوں عالم ہیں
 کنا میں تری دنیا میں یوسف سا حسین آیا
 لحد میں آکے دم بھر بھی نہ ہمراہی کسی نے کی
 نہ کوئی دوست یاں آیا نہ کوئی ہم نشین آیا
 سمجھ لیں گے قیامت کو نظر ہے اُس کی رحمت پر
 لگایا جامِ مے منہ سے بغل میں مہ جبین آیا
 دعا مستوں کی برآئی اونڈیلی تو نے مے ساقی
 غنیمت ہے صبو تک تیرا دست ناز نہیں آیا
 غنیمت جان مہلت زیست کی یہ چند روزہ ہے
 کہ پھر فرصت کہاں جب حکم رب العالمین آیا
 کمی کس وقت مشق چاکہ میں کی دست وحشت نے
 گریباں کون سا دن تھا جو دامن تک نہیں آیا
 وہ ہیبت تھی کہ جس پر آنکھ ڈالی روح گھبرائی
 اجل مشتاق بھی قاتل کے آگے سہم گین آیا
 یہ سچ ہے خلقت اصلی بنائے سے بگڑتی ہے
 صفائی پھر کہاں جب نام کے نیچے نگین آیا

نسیم ایسی غزل لکھی کرامت جس سے پیدا ہے
 ہو۔ "شرمندہ حاسد مشکروں کو اب یقین آیا

۷۵

مجھ کو احسان نظر یاد آیا
 جب ترا موئے کمر یاد آیا
 جب نظر جانب خورشید گئی
 جلوۂ داغ جگر یاد آیا
 بے کسی اپنی وہ رونا تیرا
 مجھ کو هنگام سفر یاد آیا
 کھینچ لائی کشش دل آن کو
 بعد مدت یہ اثر یاد آیا
 کیوں لگا دی ہے جھڑی برسوں کی
 کیا تجھے دیدۂ تر یاد آیا
 خلد میں جا کے نہ ٹھہرا دم بھر
 اپنا ٹوٹا ہوا گھر یاد آیا
 ہوسہ مانکا تو کہا شرما کر
 تھا فراموش مگر یاد آیا
 کیا قیامت ہے یہ جلدی تیری
 بات تک کی نہیں گھر یاد آیا
 دل ہوا چاک کٹان کی صورت
 بھر کوئی رشک قمر یاد آیا
 ہم سے رخصت طلبی کا باعث
 کیا کسی اور کا گھر یاد آیا

برہمی بھر نظر آتی ہے نسیم
طرۂ زلف دو سر باد آیا

(۷۶)

ہریوں کا پس و پیش جو سامان نظر آیا
تاہوت مرا تخت سلماں نظر آیا
سجھا میں آئے عاشق دیوانہ تمہارا
جو کوئی یہاں چاک گریباں نظر آیا
بے قید کیا جسم کو احسان جنوں نے
دامن نظر آیا نہ گریباں نظر آیا
ہے گلشن ایجاد بہار نفس چند
مہمان دو روزہ یہ گلستاں نظر آیا
دیکھا نہ کہیں در نہ کہیں صورت دیوار
گھر اپنا مجھے صحن بیاباں نظر آیا
الزائش وحشت سے رہا حال یہ برسوں
جب آنکھ کھلی مجھ کو بیاباں نظر آیا
تھا پرورش طفل میں آرام بھی لازم
ہر اشک تہہ سایہ مڑگاں نظر آیا
پایا دل آشفہ کو گیسو میں تمہارے
پہلو میں ہریشاں کے ہریشاں نظر آیا
کیا سلسلہ دھر بھی ہے طرۂ گیسو
جو دل نظر آیا سو ہریشاں نظر آیا
ٹھکا جو مری آنکھ سے خون دل مجروح
ہم رنگ چمن گوشہ داماں نظر آیا

انجام محبت کو جو سوچا ستم ایجاد
 کچھ میری طرح وہ بھی پشیمان نظر آیا
 انسوس نسیم جگر افکار محبت
 پھر زلف کی مانند پریشان نظر آیا

(۷۷)

رخ پر جو ترے ساتھ گیسو نظر آیا
 خورشید تہہ سلسلہ مو نظر آیا
 ظلمت میں مجھے نور کا پہلو نظر آیا
 رخسار چراغ شب گیسو نظر آیا
 قربان اجل تھا کبھی جلاد کے صدمے
 اے یار جدھر آنکھ بڑی تو نظر آیا
 میزان عدالت میں سرے دیدہ پر آب
 ہم وزن ہر آنسو کا ہر آنسو نظر آیا
 سمجھا میں بہم بندو ہلال اے فلک حسن
 رخ پر جو کھارے خم ابرو نظر آیا
 قاتل ادب ذبیح سکھایا کیا ہر روز
 برسوں مرا سینہ تہہ زانو نظر آیا
 سرے کا جو دنبالہ تری آنکھ میں دیکھا
 اک ناک پران پس آہو نظر آیا

ولہ

(۷۸)

گلے میں بخت کے آن کا بھی کچھ قصہ نکل آیا
 ہوئی تھی صلح کس مشکل سے بھر جھکڑا نکل آیا
 میں اپنے شور کے صدقے کہ دیکھا آج تو اس کو
 بھرا غصے میں گھر سے شوخ بے پروا نکل آیا
 ندامت جو ہوئی دیں گالیاں افسانہ گوئیوں کو
 وہ ستے تھے کہانی ذکر کچھ میرا نکل آیا
 کسی کا گھر نہیں یہ تو گلی ہے سوچ او ظالم
 گھر کتا کس لیے ہے بھول کر اس جا نکل آیا
 مری تقدیر بدلی ضعف سے آواز کیا بدلی
 وہ اپنے دل میں دشمن کی صدا سمجھا نکل آیا
 جو سوچ ہو چھو تو صدقے میں تمھارے عکس عارض کے
 کنول بھولے دلوں کے رنگ غنچوں کا نکل آیا
 نسیم آن کو جو اپنا جذب خاطر اس طرف لایا
 گلے مل مل کے روئے حوصلہ دل کا نکل آیا

(۷۹)

قلق سے دم لبوں پر خواہش دہدار میں آیا
 وہ آیا بھی تو چھپ کر بردہ اسرار میں آیا
 رقیبوں کو جلایا آئینے کی دید بازی نے
 دل عاشق نئی صورت سے بزم بار میں آیا
 سواد حسن گلشن کم نہیں تحریر رنگیں سے
 صحیفہ موسم کل کا خط گلزار میں آیا

برابر عاشق و معشوق کو رکھا مقدر نے
 وہ ملک حسن میں میں عشق کی سرکڑ میں آیا
 ہمارا بھی خدا ہے زاہدو اتنا نہ اتراؤ
 وہ کافر ہے جسے شک رحمت غفار میں آیا
 مجھے حیرت ہے حالت دیکھ کر شیخ و برہمن کی
 کہ ہر نادان فریب سبحد و زناں میں آیا
 بہت مشکل ہے رہنا پاک دامن لوٹ دنیا سے
 آجھ کر رہ گیا جو وادیٰ پر خار میں آیا
 برہمن دیر کو راہی ہوا اور شیخ کعبے کو
 نکل کر اس دورا ہے سے میں کوٹے یار میں آیا
 خط شب رنگ نے آکر مٹائی حسن کی قیمت
 خبر پہنچی کہ ہال آئینہ رخسار میں آیا
 برا ہے جان جان دل توڑنا آمیدواروں کا
 خلاف وضع ہے گھر فرق کچھ اقرار میں آیا
 نہیں کرتے تمیز نیک و بد کچھ رند بد مشرب
 بنے کا محتسب گھر صحبت سے خوار میں آیا
 گڑے جاتے ہیں شمشاد و صنوبر فرط غیرت سے
 النہی کون سا سرو رواں گلزار میں آیا

ولہ

(۸۰)

بھلا کیا خاک زیر خاک پایا
 گریبان کفن تک چاک پایا

ملا کیا اور رونے سے مگر اشک
 حجاب دیدہ نیم ناک پایا
 مزا بھٹا تری صید انگنی نے
 کہ مر کر گوشہ فتراک پایا
 کھلی گر آنکھ بھی تو کچھ نہ دیکھا
 کہ سر پر سایہ افلاک پایا
 دم خلقت جو ہستی پر نظر کی
 بشر کو ایک مشیت خاک پایا
 لیا ہوسہ تو فرمایا بگڑ کر
 نہایت آپ کو چالاک پایا
 زمانے میں زبان یار تھا میں
 کہ جب پایا مجھے بے باک پایا
 کہاں خوں ریز عالم اور ایسا
 غنیمت تجھ کو او سفاک پایا
 نہ تھا کچھ زلف برہم اے جنوں میں
 جو یوں ہر تار دامن چاک پایا
 دل ناخن زدہ کیوں کر نہ چمکے
 کہ اس نے جلوہ حاک پایا
 دم مستی نہالان چمن کو
 بہت تاکا تو نخل ناک پایا
 ٹھہر اے حسرت دل اور تجھ کو
 انیس خاطر ہم ناک پایا
 اثر زا تھا وہ حال وحشت دل
 قلم کے بھی جگر کو چاک پایا

وہ گرمی تھی تب سوزِ نہاں سے
 ہما نے استخوان کو خاک پایا
 محبت میں نسیم دھلوی کو
 غلام سرور لولاک پایا

(۸۱)

یقین کو اپنے عاشق نے ہمیشہ بے خلل پایا
 تصور جب ہوا صادق تجھے زیرِ بغل پایا
 مقام ناز کیا ہے سینہ عاشق میں آنے سے
 جناب عشق نے ٹوٹا ہوا دل کا محل پایا
 فراغت کب میسر آئی روحوں کی کشاکش سے
 نہیں خالی مشقت سے کبھی دست اجل پایا
 نہ غم ہے رنج اٹھانے کا نہ کھٹکا ہے جگانے کا
 نہایت بے تردد آنکھ نے خواب اجل پایا
 دم طفلی سے جانیں سینکڑوں قربان ہوتی ہیں
 سمھاری مردم دیدہ کو بیمار ازل پایا
 نہیں ہوتے وہ سیدھے جن کو قسمت پیچ دیتی ہے
 ہمیشہ طرہائے زلف میں شانے نے بل پایا
 اسی کی مہربانی سے یہ تکلیفی اٹھاتے ہیں
 دل مضطر کو ہم نے دشمن زیرِ بغل پایا
 پسند طبع ہوتا ہے جو معشوقوں کو مر جانا
 ہمیشہ روح کو عاشق کی مشتاق اجل پایا
 حقیقت میں پسند طبع صانع بے لباسی تھی
 کہ جاں نے تن کو تن نے جاں کو قربان ازل پایا

مقرر صحبت ناچنس سے توقیر گھٹتی ہے
 ملے جب نقرہ و مس رتبہ سیم دغل پایا
 خدا کی راہ میں مرنا حیات جاودانی ہے
 فنا ہو کر بقا کے لطف کو نعم البدل پایا
 نہیں خالی رہے گا کوئی آسیب زمانہ سے
 کسی کو آج حاصل ہے کسی نے رہ کے کل پایا
 الہی روز سو جانے یونہیں وہ فتنہ عالم
 مزا بوسوں کا ہم نے آج بے رد و بدل پایا
 نسیم اطراف مضوں کسی قدر سر سبز ہیں دیکھو
 زمین شعر میں جس روز سے ہم نے عمل پایا

(۸۲)

جہاں میں نقص پیری سے مفر ظالم نے کم پایا
 کہ ہشت تیغ قاتل کو ہمیشہ ہم نے خم پایا
 مکان ہوتو مکیں ہوتے ہیں از خود غیب سے پیدا
 کہ چشم مردہ کو بھی منزل خواب عدم پایا
 بشر کا ایک صورت ہر ارادہ وہ نہیں سکتا
 کبھی دیکھا دل محسک کبھی ابر کرم پایا
 کمی دیکھی نہ ہر گز اشک ریزی کی ترقی نے
 میری آنکھوں کو دامن نے سدا ابر کرم پایا
 نہیں ممکن جدائی رات اور دن کے تسلسل میں
 بہ شکل عاشق و معشوق دونوں کو ہم پایا
 کھلا اوج زمیں کا حال ہم کو بعد مرنے کے
 اسے بالائے سر دیکھا جسے زیر قدم پایا

رہا ترک ادب کا پاس مجھ کو اس قدر باقی
 میں دوڑا سر پہ لینے کو جسے تیرا منم پایا
 بشر سے قالب آہن زیادہ عمر رکھتا ہے
 ہمیشہ سینہ شمشیر قاتل کو دو دم پایا
 ہزاروں متیں کہیں برخلاف اس کے نہیں دیکھا
 تمھاری ہٹ کو بھی اے جان جان ہم نے قسم پایا
 جہاں سینے میں دل کے آرزو بھی ساتھ ہے اس کے
 ہمیشہ دو لبوں کی طرح دونوں کو بہم پایا
 جھکا دیتی ہے حاجت بیش تر عالی مزاجوں کو
 سدا اپنے سر مضمون کو ہابوس رقم پایا
 نکل جائیں گے دل میں حوصلے جو جو کہ آئیں گے
 کہ گردش کو سری مضمون نے میدان قلم پایا
 تصور میرا مجھ سے ہر طرح قسمت میں بہتر ہے
 کہ جب میں نے اے دیکھا ہم آغوش صنم پایا
 فراموشی ہوئی قالب سے اپنی روح کو حاصل
 ہجوم خواب کو بھی ہم نے سامان عدم پایا
 تصدق جائیے سو سو طرح تقدیر عاشق کے
 ملی راحت نہ دنیا میں نہ آرام عدم پایا
 نسیم اب شکر کی جا ہے لحاظ انکار کا ٹوٹا
 ملی ہم کو اجازت لطف پہلوئے صنم پایا

(۸۳)

مقام شکر ہے جلاد سے گر زخم تن پایا
 تہہ مدفن بھی ہنسنے کے لیے ہم نے دھن پایا

نہ خوش آیا ہمیں کچھ اس دل افسردہ کی باعث
 نہ راحت دشت میں دیکھی نہ لطف افزا چمن پایا
 بہ شکل شمع ساری رات رو کر ہسر کی ہے
 یہی اس عالم فانی میں لطف انجمن پایا
 پریشانی میں کٹی عمر جب تک دم رہا باقی
 نہ کچھ لطف سفر دیکھا نہ راحت زا وطن پایا
 ہوئی بخشش جو قسام ازل کی مہربانی سے
 تو روح ناتوان نے اپنی خاکی پیرہن پایا
 نسیم اب تک وہی خم دم ہیں پیری میں جوانی کے
 کسی دن بھی نہ ہم نے کم سمھارا ہانکپن پایا

(۸۴)

افتادگی نے اور ہی عالم دکھا دیا
 نقش قدم سمجھ کے ہر اک نے مٹا دیا
 ہر درد اس قدر تھی مری داستان غم
 دریا بہا دیا جسے قصہ سنا دیا
 احسان بڑا یہ تو نے کیا ہم پہ اے صبا
 اک مشت خاک تھی سوا سے بھی اڑا دیا
 سمجھا وہ کھیل کار قضا و مسیح کو
 مارا جو چشم سے تو لبوں سے جلا دیا
 ہیں عندلیب نالہ کے زوروں پہ چہچہے
 داغوں نے بوستان مرا سینہ بنا دیا
 یہ حسن تھا کہ آنکھ ہماری جھپک گئی
 پردہ بڑا جو بار نے پردہ اٹھا دیا

گم گشتگی نصیب کی دیکھو تو اے نسیم
قائل نے باد کر کے مجھے بھر بھلا دیا

(۸۵)

دل کسی مشتاق کا ٹھنڈا کیا
خوب کیا آپ نے اچھا کیا
آج حیا آنکھ کی کچھ اور ہے
چاہنے والا کوئی پیدا کیا
ہائے رے بیان شکنی کے مزے
جب میں گیا وعدہ فردا کیا
کچھ تو کسی نے انہیں سمجھا دیا
مہم جو گئے آج تو پردہ کیا
گو کہ نہ تھا میری طرف منہ مگر
ترجہی نگاہوں سے وہ دیکھا کیا
آہ کی تقصیر نہیں ہے مگر
بے اثری نے مجھے رسوا کیا
کہہ کے لے آئے ہیں تمہیں ہوشیار
یہ نہ کیا ہم نے تو بھر کیا کیا
موت کے صدقے کہ یہ کہتے تھے وہ
آج نہ اس نے کوئی بھیرا کیا
آپ کے احسان کی تعریف ہے
میں نے اگر شکوہ اعدا کیا
نام میرا سنتے ہی شرما گئے
تم نے تو خود آپ کو رسوا کیا

قدر میری تم نے نہ کی ورنہ میں
 کیا کہوں کیا آپ کو سمجھا کیا
 میں نے تو اے جان جہاں جان دی
 تم نے ادا حق ونا کیا کیا
 بھر وہ نہائے عرق شرم میں
 کس نے مرے عشق کا چرچا کیا
 میں دل صد چاک کا کہتا تھا حال
 شانہ عبث زلف سے الجھا کیا
 اس کی نظر میں ہوا ہلکا نسیم
 مجھ سے مرے شوق نے کیا کیا

(۸۶)

شکایت سے غرض کیا مدعا کیا
 نہیں تو دوست دشمن کا گلا کیا
 نہ آیا نامہ پر گھبرا رہا ہوں
 نہیں معلوم کیا گزری ہوا کیا
 جہت اچھی نہایت خوب گزری
 اجی آفت زدوں کا ہوجھنا کیا
 نہ دو مجھ کو مبارک باد بے سود
 بری تقدیر والوں کا بھلا کیا
 بہ کیوں چنوں پھری کیوں آنکھ ہدلی
 بھلا میں نے قصور ایسا کیا کیا
 کب اس کوچے میں ٹھہرے گی مری خاک
 نہ ہو گا کوئی احسان ہوا کیا

ابید اس سے غلط سمجھا یہ او دل
ستم گر سے نمنائے وفا کیا

پڑھا کر ہاتھ لیں ان کو یہ مشکل
نصیب ایسے مبارک پھر دعا کیا
نہ گہراؤ اجی کروٹ نہ بدلو
ارادے ہیں ابھی خاطر میں کیا کیا

یہ کب تک ہارسائی عاشقوں سے
محبت ہے تو پھر ہم سے حیا کیا
جگر ہانی ہے صدموں سے لہو دل
مرے سینے میں او ظالم رہا کیا

کیا ہوتا کوئی احساں تو ظالم
کریں گے شکر تیرا ہم ادا کیا
نہیں ممکن کہ تجھ کو رحم آئے
وہ میں کیا اور میری التجا کیا

معاذ اللہ گر ہے نوجوانی
رہو گے عمر پھر تم ہارسا کیا
کہاں ہے درد دل میں جو کم ہوائے
مزا دے گا ہارا ماجرا کیا

کسے دیکھا کہ بھولا آپ کو بھی
تعجب ہے یہ مجھ کو ہو گیا کیا
نسیم آؤ ذرا تم بھی منو تو
یہ چرچا ہو رہا ہے جا بہ جا کیا

(۸۷)

رحم سوئے خاطر ناشاد کیا
 مہرباں بھولے ہوؤں کی یاد کیا
 کب وہ آئے تھے کہ میں راضی ہوا
 منہ دکھائے گی مجھے فریاد کیا
 راحتیں ہوں گی نصیب دشمنان
 مجھ پر احسان مبارک باد کیا
 کس ستم سے تیرے پھیرا ہم نے منہ
 کہہ رہا ہے او ستم ایجاد کیا
 قتل بھی کرتا نہیں اتنا تو کہہ
 آرزو ہے تجھ کو او جلاد کیا
 چاہتے تھے جن کو ان کی لو خبر
 بھر رہے ہو اپنے گھر میں شاد کیا
 ہائے وہ حسرت جو میرے دل میں ہے
 اس کی ہر سش او ستم ایجاد کیا
 یہ لذت ہے کہ جو آئے نہ یاد
 بھول جائیں گے تری پیداد کیا
 لکھ بہ طرز خود غزل کوئی نسیم
 امتحان خاطر آزاد کیا

(۸۸)

وہ نہیں تم کو نہ ہو گئے یاد کیا
 ایسے ملنے کی مبارک باد کیا

کچھ اثر مجھ میں نہ میرے شور میں
 ہائے میں کیا اور سری فریاد کیا
 بندہ پرور یہ بناوٹ تو معاف
 تم بھلا مجھ کو کرو گے شاد کیا
 میں ابھی راضی نہیں ہاں اور بھی
 کچھ نئی گھاتیں نہیں ہیں یاد کیا
 دل دھڑکتا ہے نامل سے ترے
 سوچتا ہے جی میں او جلاذ کیا
 چائنا تھا تیغ خوں آلود کو
 تھا حریص لذت بیداد کیا
 فکر بے پہلو سے حاصل کیا نسیم
 ہوگی اس مضمون سے خاطر شاد کیا

(۸۹)

اے مرگ دیکھتی ہے انہیں بار بار کیا
 سینے کے زخم بھی ہیں شگاف مزار کیا
 بدلو جو رنگ رو کی طرح اختیار کیا
 اے جاں امید وعدہ بے اعتبار کیا
 اس وصل میں فراق فلک بھی نہ کر سکا
 لپٹے ہوئے ہیں دامن لیل و نہار کیا
 آنکھیں کھلی ہوئی ہیں جھپکی نہیں ہلک
 تکلیف نزع ہوئی ہے شب انتظار کیا
 بہرے ہو تم بھی ناصح نا فہم کی طرح
 جو پوچھتا ہوں پوچھتے ہو بار بار کیا

مانے نہ مانے مرگ سے کیوں کر کروں سوال
 جس طرح تیرا دل کہ مجھے اختیار کیا
 کب ہے قریب راحت دشمن پر اعتاد
 تلوے کھجائے گی خلش نوک خار کیا
 رکھتی ہے مثل روح جو آغوش پر خراش
 معشوق آبلہ ہے کوئی نوک خار کیا
 سائل ہوں ایک بوسے کا دو چار کا نہیں
 میں طول مدعا میں کروں اختصار کیا
 انجام دیکھتے نہیں آغاز کے سوا
 ہے طول زلف رحمت پروردگار کیا
 بے تابیوں کے ناز اٹھائے ہیں رات بھر
 تھا جوش شوق جلوہ دیدار یار کیا
 ہنگام وصل یار بھی یہ بھولتا نہیں
 داغ فراق ہے ستم روزگار کیا
 قاتل نے بعد ذبح کے آنکھیں نکال لیں
 دیکھیں گے شکل راحت خواب مزار کیا
 مانند بوسہ چار لبوں میں نہاں ہوں میں
 ہوشیدگی ہو میری بھلا آشکار کیا
 نیلی سے دے دے اک کفنی دود آہ کی
 اے روح ہوش بدن سوگوار کیا
 چکر میں ہے نصیب تو گردش میں آرزو
 ہم دور آسماں ہے مرا روزگار کیا
 جھکڑے میں ہوں کشاکش انفاس کی طرح
 کم ہو سکے گا مشغلہ انتشار کیا

مانند روح قید تعلق سے غار ہے
 جب جسم ہی نہیں تو نشان مزار کیا
 بدلا ہوا ہے رنگ مزاج ان دنوں نسیم
 دیکھیں جہاں کا گلشن ناپائیدار کیا

(۹۰)

قالب ہوا خراب ترے غائبانہ کیا
 او سرخ روح بھول گیا آشیانہ کیا
 مجنوں کی سرگزشت نہایت ہوئی پسند
 اے دوست بے اثر تھا ہمارا فسانہ کیا
 شب کیا ہوئی جہاں میں اندھیر ہو گیا
 بدلا ہے ایک رنگ میں رنگ زمانہ کیا
 باران غم گسار بہت جلد اٹھ گئے
 کیا ہو گئے وہ لوگ ہوا وہ زمانہ کیا
 مانع ہوئی حناے قدم گل 'خرام کی
 دیکھیں تو آج بار کرے گا بھانہ کیا
 دو دن کے شور میں ترے حسن ملیح کے
 اے دوست یہ رہے گا ہمیشہ زمانہ کیا
 آغاز گفتگو ہی سے ہیں بدگمانیاں
 سمجھائے کوئی دوست انہیں دوستانہ کیا
 یہ بے کسمے دکھاتا ہے چالاکیوں کے زور
 راہوار عمر کو خلش تازیانہ کیا

ثابت ہوا کہ عالم ہستی ہے بے ثبات
 کھینچے گا بھر عدم کی طرف آب و دانہ کیا
 زلفوں کی بھی ہوس ہے محبت سے خال کی
 لانے کا اپنے دام میں ہم کو یہ دانہ کیا
 منظور جبکہ سائق عاشق نہیں تجھے
 خالی پڑا رہے گا یوں ہی آستانہ کیا
 مقتل میں ہے اجازت جاروب بعد قتل
 قاتل مگر پڑھے گا نماز دوگانہ کیا
 عاشق کا دل نہ دیکھ کہ جاتے رہیں حواس
 نظارہ سوئے سینہ صد چاک شانہ کیا
 رویا یہ آہاں کہ ہے تر دامن زمیں
 مطرب نے میرے حال کا گایا ترانہ کیا
 دیکھا ادھر کو تو نے پڑا تیر ناز ادھر
 استاد رخ بدل کے اڑایا نشانہ کیا
 خط نامم نامم سائل رخصت ہے مرغ روح
 قاصد سے پہلے ہو گا بھی خود روانہ کیا
 کیا تاب مدعی جو زباں تک ہلا سکے
 لکھی نسیم نے غزل عاشقانہ کیا

(۹۱)

وہ نہ مانیں گے احبا آن کو سمجھائیں گے کیا
 پہلے ہی قسمت نے ٹھہرا دی ہے ٹھہرائیں گے کیا
 وائے قسمت کہہ رہے ہیں دور ہی سے دیکھ کر
 کس لیے تکلیف کی ہے آپ فرمائیں گے کیا

دیکھ لی تاثیر ان کی بھی فراق یار میں
 نالے خود شرمندہ ہیں منہ تک مرے آئیں گے کیا
 غیر ممکن ہے کبھی آرام سے سوئیں حریص
 ہاتھ تو کھچتا نہیں ہے پاؤں پھیلائیں گے کیا
 ان کی بے رحمی سے کب ٹوٹا ہوں جن کو ہولناظ
 منہ تو دکھلائے نہیں آنکھیں وہ دکھلائیں گے کیا
 آپ کو فرصت ملے رسوائیوں سے ، یہ محال
 اور میری طرح سے عاشق نہ ہو جائیں گے کیا
 کب توقع ہے وہ آئیں لاش عاشق دیکھنے
 ہم نے مانا جان بھی کھوٹی تو پھر ہائیں گے کیا
 بعد مرنے کے رہیں گے داغ سینہ جلوہ گر
 گلشن تصویر ہوں میں پھول مرجھائیں گے کیا
 سربہ کف بھرتے ہیں ملت سے اسید مرگ میں
 کھینچ کر تیغ دو دم ہم کو وہ دھمکائیں گے کیا
 یہ ادا یہ ناز یہ شوخی کہاں سے ہائیں گے
 حور و غلام و پری مجھ کو بھلا بھائیں گے کیا
 رہ گئے ہیں ٹوٹ کر شائے میں گیسو کے جو بال
 انہی " مرادہ ہیں یہ اے دوست لہرائیں گے کیا
 جھوٹے وعدے کا ارادہ دل میں آیا شاید آج
 کیوں بلایا ہے مرے سر کی قسم کھائیں گے کیا
 کس طرح پھلائیں گے مجھ کو یقیں آنا نہیں
 حور و غلام بھی تمھاری شکل بن جائیں گے کیا
 گھورتا ہے یہ آنہیں وہ میل کرتا ہے آدھر
 دیدہ و دل میرے مجھ کو باتیں سنوائیں گے کیا

یہ غلط ہے حشر کو پردہ کریں وہ اسے نسیم
عاشقوں کو دید سے بھی اپنی ترسائیں گے کیا

(۹۲)

اضطراب دل مرا آخر مزا دکھلا گیا
اپنی بے تابی کے میں صدقے ، اسے رحم آ گیا
ہاے قسمت منتوں سے میری راضی تھی مگر
کچھ لحاظ پاک دامانی انہیں سمجھا گیا
دیکھ کر خنجر بہ کف مجھ کو امید مرگ میں
ہنس کے فرمانے لگے مرنا تجھے بھی آ گیا
کیا کہوں دھوکے دیے کس کس نے جوش شوق میں
تیری صورت بن کے جو آیا مجھے ترسا گیا
دے کے حکم قتل میری لاش ہر رونے لگا
ذی صورت تھا نہایت درد الفت آ گیا
کی صبا نے کوئی گستاخی مقرر زلف سے
سامنے آنکھوں کے اک دود جگر سا چھا گیا
تو نے اتنا بھی نہ ہو چھا ہے سب بارش ہے کیوں
مدتوں تک ابرگرہ روز مینہ برسا گیا
ایک بوسہ بھی نہیں اچھی طرح لینے دیا
بولے جھنجلا کر ، اجی بس دم مرا گھبرا گیا
دیکھے عمر دو روزہ میں ہو کیا صورت نسیم
ایک ہی لمحے میں غم سارا کلیجا کھا گیا

(۹۳)

خندہ کیوں لب پہ ترے اوھر بے داد آگیا
 کیا تجھے کوئی تم بھولا ہوا یاد آگیا ؟
 شومیہ تقدیر بد پر نساڑ کرنا چاہیے
 سوے گل دیکھا نہ تھا ہم نے کہ صیاد آگیا
 وصل کی شب ناسحر بوئے تبسم نے لیے
 حجر میں منہ چومنے کو جوش فریاد آگیا
 دے مبارک باد آزادی اسیروں کو اجل
 پاؤں سے زنجیر نکلی سر پہ جلاذ آگیا
 رک گیا ساقی کا جی رندوں کے چہرے ہیں آداس
 دیکھ تو محفل میں تیری کون ناشاد آگیا
 ہاے بھیجا ہے رقیبوں کو عیادت کے لیے
 ہم کو تیرے رحم میں بھی لطف بے داد آگیا
 دید کے قابل ہے اس کی ناامیدی اے نسیم
 ہاے وہ طائر جو زیر دام صیاد آگیا

(۹۴)

زخم بالبدہ ہوئے داغوں پہ جوین آگیا
 پرورش پایا کیا جو زیر دامن آگیا
 دوری امید آخر کھینچ لاتی متصل
 دشمن قاتل قریب خط گردن آگیا
 اشک خوں آلودہ ہے پیرہن بلبل قریب
 اور ہی رنگینوں پر اب تو دامن آگیا

کون سا یہ خاکسار آتا ہے دیکھ اوشہ سوار
اک ہکولا سا قریب گردِ توسن آ گیا

دستِ وحشت نے مٹا دی آج دونوں کی خلش
کچھ گریباں جھک گیا کچھ پاس دامن آ گیا

شورشِ برخیزِ محشر نے جگایا تھا مگر
میری آنکھوں کو لحاظِ خوابِ مدفن آ گیا

بہ گیا دل خون ہو کر رہ گیا دردِ فراق
دوست کے بدلے مرے پہلو میں دشمن آ گیا

توڑ کر تسبیحِ میلِ رشتہ زنا رہے
بعدِ مدت یاد اک طفلِ برہمن آ گیا

دشمنوں کی پردہ پوشی کی ہوائے شوق نے
گردنوں میں خار کی پیراہن تن آ گیا

آتشِ داغِ سمنا پرورش کرنے لگی
مثلِ اخگر دل تہ دامنِ کلخن آ گیا

باغِ عالم میں یہ شکلِ ہلبلِ تصویر ہوں
کچھ غرض رکھتا نہیں کر سوئے گلشن آ گیا

صورتِ سوزن بنا کر بخیہ کر کے ہاتھ میں
ہوسہ چاک جگر لینے کو آہن آ گیا

اے فلک شاید گمانِ خندہ اس پر بھی ہوا
جو لبِ ہر زخمِ زیرِ مشقِ سوزن آ گیا

آج راحت پائی احسانِ اجل سے اے نسیم
فاتحہ پڑھنے لحد پر یارِ بد ظن آ گیا

(۹۵)

کیا آج جلد تیر نظر کام کر گیا
آف تک نہ کر سکے کہ جگر سے گزر گیا

جوش سرشک دیدہ تر میں کمی کہاں
دریا یہ وہ نہیں کہہ چڑھا اور اتر گیا

اللہ رے سیاہی شام شب فراق
مجھ سا اسدوار اجل صاف ڈر گیا

روز جزا بھی پاس رضا آ گیا مجھے
منکر ہوئے وہ قتل سے میں بھی مکر گیا

چلا رہا ہوں یاد دل گم شدہ میں میں
اے میرے لالچے مرے پیارے کدھر گیا

جاگو غنودگان اجل خواب تا کجا
تا جیب طول چاک قبائے سحر گیا

اللہ رے کرشمہ تیغ اداے یار
کوئی ذبیح کوئی تباہ کوئی مر گیا

اب دست احتیاج اٹھانے سے فائدہ
برسوں گزر چکے کہ دعا سے اثر گیا

تنگی نے اعتقاد دھن دل سے کھو دیا
افراط نازی سے گہاں کمر گیا

سمجھا مذاق شعر ہمارا وہی نسیم
طے جو کہ راہ منزل ادراک کر گیا

(۹۶)

کس منہ سے کہتے ہو کہ تیرا وقت ٹل گیا
 کچھ آپ کا مزاج نہ تھا جو بدل گیا
 خالق کو تھی پسند جو برگشتگی مری
 پتلا ہزار بار بنا اور بدل گیا
 اب جامے خون دھان جراحت میں پیپ ہے
 کیا انقلاب ہے کہ لہو تک بدل گیا
 مانند طفل اشک ہوں ابتر سرشت میں
 پیدا ہی ہوئے آنکھ سے باہر نکل گیا
 انجام عمر سے بڑھی کیا کیا خمیدگی
 دن کم رہا تو سایہ دیوار ڈھل گیا
 اللہ رے بے کسی کہ یہ نوبت ہے آج کل
 ارمان تک بھی دل سے ہارے نکل گیا
 بھتی' سنائی یار نے، آنے ہلال عید
 ملنے کو جھک کے میں جو قریب بفل گیا
 ہاں التفات یار سے بیمار جاں بلب
 اچھا تو کیا ہوا ہے مگر کچھ سنبھل گیا
 بوسوں سے غیر کے، لب شیریں ہوئے ہیں تلخ
 بکڑی وہ چاشنی، وہ قوام غسل گیا
 کب برہمی کی شکل نہ پیش نظر رہی
 کس روز تیرے طرۂ گیسو سے ہل گیا

۱۔ ”بھتی“، نسخہ اول و دوم میں لیکن ’فرہنگ آصفیہ‘ میں

”تی“ ہے ”بھتی“، نہیں۔ ص ۵۵۵ فرہنگ آصفیہ جلد

اول۔ (مرتب)

ممکن نہیں کہ راست کبھی کچھ مزاج ہو
 اس چرخ پیر کا نہ جوانوں سے بل گیا
 پھر کہہ دیا کچھ اُس بت وعدہ خلاف نے
 پھر کچھ دنوں مریض محبت سنبھل گیا
 تھا خوف اس قدر چمن روزگار سے
 جب کوئی گل ہنسا تو مرا جی دھل گیا
 صیاد ساتھ ہے چمن کائنات میں
 قسمت کو کیا کریں گے اگر دل پہل گیا
 مدت کے بعد ربط سخن پھر بڑھا نسیم
 مضمون کی تازگی سے ذرا دل پہل گیا

(۹۷)

ٹھہری آکھڑ کے سانس برا وقت ٹل گیا
 منت کچھ اور مان کہ میں پھر سنبھل گیا
 شانے کی راستی یہ کجی کیا مٹائے گی
 ہم بندگی کریں گے جو زلفوں سے بل گیا
 دوڑو خدا کے واسطے دیکھو تو کیا ہوا
 کہنا ہے کوئی ہائے کلیجا نکلی گیا
 کیوں لائے دوست اُس کو عیادت کے واسطے
 دیکھا جو میرے زخم جگر کو دھل گیا
 موقوف کر لکائے گا بھاہے کہاں کہاں
 اے چارہ گر تمام کلیجا ہی پہل گیا
 جھوٹی تسلیوں کی توقع گزر گئی
 جملہ آ ترے مریض کا منکا بھی ڈھل گیا

افسوس کر رہا ہے وہ پہچانتا نہیں
 اس حال پر نثار میں ایسا بدل گیا
 توہ تو ہے بلا ہے جو ویسا نہیں ہے دل
 زاہد بہ شکل شیشہ سے کیوں اہل گیا
 افسوس ہم جہاں سے بے آرزو چلے
 لو وہ بھی آ کے خود کف افسوس مل گیا
 دیکھا جو اس کو آنکھ چھکی کچھ نہ کہہ سکا
 واعظ کا بھی قدم نہ جا ، لو بھسل گیا
 سامان سفر کے ساتھ ہیں ہر وقت اے نسیم
 کیا خاک اس جہاں میں مرا جی بھل گیا

(۹۸)

ہیبت سے مرغ روح بدن سے نکل گیا
 تیر نکاح جب کوئی سن سے نکل گیا
 تکلیف ہو نہ بازوئے قاتل کو ، اس لیے
 اک ایک استخوان مرے تن سے نکل گیا
 کیا تنک گور کن دل بے تاب سے رہے
 تڑپا میں جب مزار کہن سے نکل گیا
 کیا کیا نہ دود آہ نے کیں سر بلندیاں
 ایسا بڑھا کہ چرخ کہن سے نکل گیا
 اللہ رے سوز ہاتھ ابھی تک بندھے نہ تھے
 شعلہ بھڑک کے تار رسن سے نکل گیا
 بخشی دراز دستی وحشت نے غلصی
 لاشہ مرا حجاب کفن سے نکل گیا

اب جامے حسن سبزہ نوخیز ہے نمود
 آب حیات چاہِ ذقن سے نکل گیا
 لاشہ مرا لحد سے ہوا جا کے ہم کنار
 دولہا کا اشتیاقِ دلہن سے نکل گیا
 مضمونِ آبدار نے جنبش لبوں کو دی
 گوہر سخن کا درجِ دہن سے نکل گیا
 تن کاہشِ فراق سے مثل خیال تھا
 گزرا لحد سے صاف کفن سے نکل گیا
 ہائی نہ قدر میرے سہی قد کے رو برو
 بل راستی کا سرو چمن سے نکل گیا
 اصلاح کی یہ نکمت گیسوے یار نے
 سودا دماغِ مشکِ ختن سے نکل گیا
 رخ جلوہ گر ہوا شبِ زلفِ سیاہ سے
 مدت کے بعد چاند کہن سے نکل گیا
 یارانِ رخِ دوست نے دیں وہ اذیتیں
 میں منہ چھپا کے اپنے وطن سے نکل گیا
 مانع ہوئی نہ کچھ سپرِ آسماں نسیم
 ہر تیر آہِ چرخ کہن سے نکل گیا

(۹۹)

جب اختیارِ قید سخن سے نکل گیا
 نالہ کلام ہو کے دہن سے نکل گیا
 کیا رخِ ترکِ صحبتِ احباب کا ہوا
 دوچار کوس جب میں وطن سے نکل گیا

آئی نظر نہ تربت پروانہ جب کہیں
 ہر اشک شمع بہہ کے لکن سے نکل گیا
 کیا حال دل چھپے کہ جہاں دو گواہوں
 روکا نگاہ کو تو دھن سے نکل گیا
 باقی رہی صراحی غنچہ ، نہ جام گل
 سامان انبساط چمن سے نکل گیا
 دنیا کے رابطے سے مراد دلی ملی
 مردوں کا کام صحبت زن سے نکل گیا
 زلفیں ہٹا کے بوسہ رخسار لے لیے
 مطلب ہمارا سانپ کے من سے نکل گیا
 اے دل ہزار حریف جو قتل سے ہا ہٹے
 وہ سور پھر نہیں مے جو رن سے نکل گیا
 دامن تک اشک آگے نہ جائیں گے آنکھ میں
 پھرتا نہیں گہر جو عدن سے نکل گیا
 رشک اس قدر دہا لب و دندان ہار نے
 گوہر عدن سے ، لعل یمن سے نکل گیا
 رہوار عمر کی نظر آئی نہ گرد تک
 تو سن کہاں تیز تھا سن سے نکل گیا
 افسون دل فریب سے ہم آشنا نہ تھے
 آخر کو بار حیلہ و فن سے نکل گیا
 کس دھوم کی پڑھی مے غزل آپ نے نسیم
 تمہیں کا شور بزم سخن سے نکل گیا

(۱۰۰)

دل کے آنے ہی یہ نقشا ہو گیا
 کیا پتاؤں دوستو کیا ہو گیا
 تم نے فرصت پائی گھر بیٹھے طیب
 سر گیا بیمار اچھا ہو گیا
 کر چکا تھا کام الفسون رقیب
 آج ہم سے آن سے ہرچہا ہو گیا
 آن پہ دل آیا بڑی مشکل بڑی
 مدعی پہلو میں پیدا ہو گیا
 ہائے بے تاب نے میری کیا کیا
 حال سب آن پر ہو پیدا ہو گیا
 ایک ظالم پر طبیعت آ کئی
 پھر وہی اب حال میرا ہو گیا
 شکر ہے پیدا کیا خالق نے جسم
 روح کا کچھ دن کو بردا ہو گیا
 کھل گئے زخموں کے منہ اچھا ہوا
 درد کے بڑھنے کو رستا ہو گیا
 توہمی چل اے روح جوش شوق ہے
 خط کے آنے میں تو عرصا ہو گیا
 وقت بد کچھ ہوچہ کر آتا نہیں
 ہنستے ہنستے آن سے جھکڑا ہو گیا

۱۔ ”ہرچہا ہوتا، (۱) لیصلہ ہونا۔ انفصال ہونا۔ جھکڑا طے ہونا۔ ٹرھنک (آمفیہ، ج ۱، ص ۵۱۳) (سرتب)

حال کیوں ابتر ہے اس درجہ نسیم
سچ کہو دل کس پہ شیدا ہو گیا

(۱۰۱)

مجھ کو سمجھاتا تھا یا تو آپ شیدا ہو گیا
میں تو دیوانہ تھا اے ناصح، تجھے کیا ہو گیا
آدمی کسے فرشتے سینکڑوں موجود تھے
میرے لاشے ہر جو وہ آئے مماشاً ہو گیا
میں نہ کہتا تھا نہ دیکھو آئینہ اچھا نہیں
صدقے جاؤں حال میرا سا سمھارا ہو گیا
اب تو افسانے کی میرے ہر طرف اک دھوم ہے
مر گیا کو میں ہلا سے نام تیرا ہو گیا
شکر ہے دنیا سے اٹھا آج شیدا آپ کا
جان دینا اس مرض والے کو اچھا ہو گیا
دشمنی کی مجھ سے میرے ازدیاد شوق نے
اضطراب ایسا بڑھا آخر کو پردا ہو گیا
سو گئے ان کے فریب وعدہ سے شب کٹ گئی
ہائے اب چونکے کہ جب ایسا سویرا ہو گیا
کوئی نا واقف اگر کہتا تو کہتا غم نہ تھا
کیوں جی تم بھی مجھ کو کہتے ہو کہ سودا ہو گیا
یہ دکا یہ عقل ایسے ہوش سب جاتے رہے
مجھ کو حیرت ہے خدا جانے مجھے کیا ہو گیا
پھر وہی دھوئیں پڑیں وحشت کی میری اے نسیم
پھر وہی جوش گزشتہ دل میں پیدا ہو گیا

(۱۰۲)

تیری بالائی کا شہرہ سب سے بالا ہو گیا
 تو نرالا کیا ہوا عالم فرالا ہو گیا
 شام سرقد چاندنی تھی تیرے رخ کے دھیان سے
 جو اللہ ہیرا سامنے آیا آجالا ہو گیا
 وہ سخی تھا بعد مردن دیں ہا کو ہڈیاں
 گوشت باقی تھا سو سرقد کا فوالا ہو گیا
 حلقہ رخ زلف تھی ، تھا نور رخ کا گرد زلف
 ہالہ مہ شب ہوئی ، مہ شب کا ہالا ہو گیا
 اوس گل کو زندگی تھی زہر موذی کو ہوئی
 سانپ نے چائی جو شبم منہ میں چھالا ہو گیا
 ساحر امید بن جاتی ہے انسان کی دعا
 ہاتھ جب سوئے فلک اٹھا پیالا ہو گیا
 دل مشبک ہے تو سینہ ہر طرف سے ہے شکاف
 تیرے مڑگان کا تصور ہم کو بھالا ہو گیا
 ابر نیساں کی ہڑیں بوندیں جو تیری زلف پر
 موتیوں کا گردن انعی میں مالا ہو گیا
 سرکنے تیغ نکاہ ہار سے جھکڑا مٹا
 جین برسوں کا ہوا دم بھر کسالا ہو گیا
 انتظار سنگ دل میں سنگ برے آنکھ سے
 تابہ دامن اشک آنے آنے والا ہو گیا
 بھر خم شمشیر ابرو کا ہوا سودا مجھے
 زخم بخشی پر نہ آیا تھا کہ آلا ہو گیا

ناسخ مغفور تھا استاد یکتا اے نسیم
لکھنؤ والوں میں وہ سب سے نرالا ہو گیا

(۱۰۳)

جان بہ لب ہوں جب سے وہ بے رحم بدظن ہو گیا
حال میرا اب مبارک باد دشمن ہو گیا
کچھ عجب تاثیر تھی اس ہمت کے نظارے میں بھی
جو مسلمان اس طرف کزرا برہمن ہو گیا
صدقے میں کتنا ترا تیر نظر بے تاب تھا
چھد گیا پہلو کبھی سینے میں روزن ہو گیا
بے ہوا آڑتا ہوں جب بے تائیاں کرتا ہے دل
کاہش الفت سے کیا ہلکا مرا تن ہو گیا
میں بھی مرنے کے لیے آیا ہوں آزرده نہ ہو
اب یہ وہ کوچہ کہاں لوگوں کا مدفن ہو گیا
ہائے کس پردہ نشیں کی آہرو کا پاس تھا
اشک جو دامن پہ آیا زیر دامن ہو گیا
وہ توقع تجھ سے بر آئی جو مجھ کو اس سے تھی
او عدو کے دوست تو بھی اب تو دشمن ہو گیا
حلقہ زنجیر جب پہنی تو یہ ثابت ہوا
ہاؤن میرا شاہد آغوش آہن ہو گیا
بڑھ کے ٹھہرا جب یہ سمجھا میں کہ وہ آتی ہیں وہ
بارہا میرا تصور مجھ کو رھزن ہو گیا
سوز پنہاں کی یہ کثرت تھی کہ ہر مر استخوان
رات کو مثل جبین صبح روشن ہو گیا

سر اٹھانے کی کہاں طاقت پس مردن نسیم
آج تو احسان قاتل بار گردن ہو گیا

(۱۰۴)

لو فراغت ہو گئی کیسا سبک جان ہو گیا
چاک دامن ہو گیا ٹکڑے گریباں ہو گیا
عشق میں زلف و رخ دلدار بے مثال کے
کوئی ہندو ہو گیا کوئی مسلمان ہو گیا
گھٹتے گھٹتے ناتوانی سے وہ ہوں کاہنہ تن
ذرۂ افتادہ' رینگ بیاباں ہو گیا
آنکھیں دکھلاتے ہیں مثل ہاسیاں منکر نکیر
کنج مدفن بھی مجھے قسمت سے زنداں ہو گیا
کی گہر ریزی ہمارے آبلوں نے ٹوٹ کر
تھا متاع عمر جو وقف بیاباں ہو گیا
حسن جاناں نے کیا گر ماہ کامل کو خجل
داغ میرے داغ سے مہر درخشاں ہو گیا
آتش جان سوز نالہ شعلہ عاڑے آہ دل
ایک مشت استخوان پر سب کا احسان ہو گیا
ناتوانی نے یہاں تک آج کل تاثیر کی
نالہ' زنجیر کا بھی شور پنہاں ہو گیا
کچھ نہیں لطف چمن کی ہم کو خواہش اے نسیم
شکل گل ہر زخم دل سینے میں خنداں ہو گیا

التماس شکر میں دل رہ گیا
 سر پہ کچھ احسان قاتل رہ گیا
 رحم آیا ناتوانی پر مری
 ذبح کرتے کرتے قاتل رہ گیا
 تم نے اک بوسہ دیا احسان کیا
 بات میری رہ گئی دل رہ گیا
 صلح کی امید بھر گل پر گئی
 سہل ہو کر کار مشکل رہ گیا
 تیری جلدی سے نہ بر آئی مراد
 اے اجل دیدار قاتل رہ گیا
 کاوش صیاد نے فرصت نہ دی
 دل میں ارمان عنادل رہ گیا
 جلوۂ رخسار نے ساکت کیا
 آئندہ ہو کر مقابل رہ گیا
 غیر ممکن ہے کہ آساں ہو سکے
 رہ گیا جو امر مشکل رہ گیا
 پھر طبیعت اپنی گہرائی نسیم
 امتحان فکر کامل رہ گیا

(۱۰۶)

ہر رفیق بے کسی منزل بہ منزل رہ گیا
 گر پڑا آنسو کسی جا پر کہیں دل رہ گیا
 صید لاغر کر دیا تاخیر قاتل نے مجھے
 ذبح کے لائق نہیں مرنے کے قابل رہ گیا

اے اجل فرصت نہ دی افسوس ہے افسوس ہے
 آرزومند جفا احسان قاتل رہ گیا
 وائے قسمت بخل قاتل ہے نہ بر آئی مراد
 تشنہ آب دم شمشیر ہسل رہ گیا
 جوش حیرت نے نہ دی فرصت کہ جنبش کر سکے
 آئہ میری طرح آن کے مقابل رہ گیا
 سخت جانی نے مزے کیا کیا دکھائے وقت ذبح
 کر گیا خنجر کبھی بازوئے قاتل رہ گیا
 زمزمہ سنجی بھلا دی خطرہ صیاد نے
 آنے آنے کان تک شور عنادل رہ گیا
 سایہ انگن کا کل پیچاں ہے روئے صاف ہر
 ابر میں پوشیدہ ہو کر ماہ کامل رہ گیا
 دی نہ فرصت ہم رہی کی اضطراب روح نے
 دل میں پروانے کے سوز شع محفل رہ گیا
 سر جدا تن سے کیا آنکھوں پہ بٹی باندھ کر
 اے نسیم افسوس ہے دیدار قاتل رہ گیا

(۱۰۷)

دونوں جانب شرم مطلب شوق پہناں رہ گیا
 کچھ مجھے حسرت بڑھی کچھ ان کو ارمان رہ گیا
 ناتوانی نے جو دھڑکے نا ابدی کے دے
 سوئے دامن دیکھ کر چاک گریباں رہ گیا
 موت سے مہلت نہ ہائی شوق نے رخصت نہ دی
 ہاؤں پھیلا کر ترے کوچے میں سپاں رہ گیا

جو غضب آیا زمیں پر عالم افلاک سے
 میرے سر پر صورت احسان جانان رہ گیا
 خاک ہو کر خاک میں عاشق کے لاشے ملے
 ہائے خالی پہلوئے گور غریباں رہ گیا
 کیوں خفا ہے باغباں ، میں گلشن ایجاد میں
 چند لحظہ صورت صبح گلستان رہ گیا
 لاکھ چاہا پر نہ نکلا صورت ارماں کبھی
 آرزو بن کر مرے سینے میں پیکان رہ گیا
 اس کو بھی معشوق ہونے کی سہائی آرزو
 منہ چھپا کر میرے دل میں داغ بننا رہ گیا
 آنے نے کر دیا آئینہ میرے پار کو
 دیکھ کر وہ جلوہ اپنا آپ حیراں رہ گیا
 فکر کامل کو پریشانی نے جب برہم کیا
 کھلتے کھلتے عقدۂ زلف پریشاں رہ گیا
 شعلہ داغ تن عاشق نہ تجھ سے بچھ سکا
 اے صبا اپنا چراغ زہر داماں رہ گیا
 زیست بھر آیا نہ راز عشق ہرگز تا زباں
 ہائے بے تعبیر یہ خواب پریشاں رہ گیا
 ہم کو محرومی رہی تا عمر وصل یار سے
 یہ مرض وہ تھا کہ جو محتاج درماں رہ گیا
 بعد مردن جسم سے الفت نہیں ہوتی نسیم
 روح چھوٹی قید سے بے کار زنداں رہ گیا

(۱۰۸)

میں نگاہوں میں چار زلف جانان ہو گیا
 دیکھتے ہی دیکھتے خواب پریشان ہو گیا
 تھا ستم ، ہر چاہنے والوں کو ارمان ہو گیا
 ظلم جانان کی طرح آخر میں احسان ہو گیا
 ناز سے فرصت نہیں دیتی کسی دم بے کسی
 میں تو اپنے جیتے جی گور غریبان ہو گیا
 طعنہ کم ہمتی اٹھے نہ میرے اشک سے
 گو کہ قطرہ تھا مگر شرما کے طوفان ہو گیا
 تھا میں طفلی سے بغل پروردہ بے روتی
 صبح مایوسی ، کبھی شام غریبان ہو گیا
 رحم نے جلاد کے چھوڑا جو مجھ کو نیم ذبح
 خط خنجر میری گردن کو گریبان ہو گیا
 طول عمر درد فرقت کا نہ ہو چھو مجھ سے حال
 اس قدر دل میں رہا میرے کہ ارمان ہو گیا
 جو یہاں تشریف لائے پھر نہ ہائی مخلصی
 دل سرا ہر آرزو کے حق میں زندان ہو گیا
 عشق میں رنگ دو رنگی عمر بھر دیکھا کہے
 ہائے ہم کافر بنے جب تو مسلمان ہو گیا
 شہر ویران کر دیا تاثیر وحشت نے مری
 قصد سے دو چار دن پہلے یہاں ہو گیا
 زیر دستوں کو زیر دستوں سے کچھ چارا نہیں
 درد فرقت جبر سے سینے میں سپان ہو گیا

ایک سے دو داغ ، دو سے چار ، بھر تو سیکڑوں
 کھلتے کھلتے پھول سینے پر گلستاں ہو گیا
 اشک خونیں مثل گل رہتے ہیں اس میں ہر گھڑی
 اب تو دامن بھی مرا جیب گلستاں ہو گیا
 ساغر مے بتے ہی دو صورتیں پیدا ہوئیں
 زاہدوں کی توبہ میں رندوں کا ایمان ہو گیا
 خون کے دھبوں سے کیا کیفیتیں ہیں اے نسیم
 گوشہ دامن مرا رشک گلستاں ہو گیا

(۱۰۹)

بابند زیست تھا نہ اسیر مزار تھا
 تھا جوش اشتیاق قدم بوس یار تھا
 کیا ہوجھتے ہو اب تو اسیر نفس ہوں میں
 دو دن کی بات ہے کہ شریک بہار تھا
 کیوں جانتا تھا حسن پریشانیاں مری
 اے روزگار میں بھی مگر زلف یار تھا
 دونوں سے شرم سار رہا اضطراب میں
 پاس کفن مجھے نہ لحاظ مزار تھا
 وہ بھی مٹا خیال سیاہی زلف سے
 کچھ دم کو عکس مہ جو ردائے مزار تھا
 اس جسم پر ذلیل کیا تو نے اے ہوس
 دو استخوان کے واسطے شوق مزار تھا
 ہیبت سے بخیہ گر کی مری جان نکل گئی
 ہر ہر دھان زخم دھان مزار تھا

کرتے تھے مرگ بازو سے قاتل پر آفریں
 جو زخم تھا بہ شکل شکاف مزار تھا
 ہاتھ تھے اہل درد خیر سرگزشت کی
 میں بعد مرگ خط جیبی مزار تھا
 اے جوش شوق تو نے کیا بھر امید وار
 ورنہ مجھے تہیہ خواب مزار تھا
 کھٹکا کیا ہوں خاک کو بھی خاک ہو کے آہ
 میں سینہ مزار کا اپنے غبار تھا
 برسوں رہا زبان صغیر و کبیر پر
 میرا فسانہ بھی ستم روزگار تھا
 منت بھی کی مگر نہ کسی نے مری سنی
 مانند قول یار میں بے اعتبار تھا
 میں نے دھان آبلہ میں اس کو لے لیا
 میدان میں زبان نکالے جو خار تھا
 اے روزگار مجھ سے دورنگی تھی کیا ضرور
 میں حسرت خزاں نہ امید بھار تھا
 مثل خیال یار رہیں گردشیں مجھے
 آیا اسی کے دل میں جو امیدوار تھا
 ہو چھی نہ مجھ سے بارے کچھ میری سرگزشت
 میں روز بازیرس بھی ننگ شہار تھا
 ثابت ہوا کشاکش دنیا سے یہ ہمیں
 تھے رنج چند، نام فقط روزگار تھا
 آئے لحد میں بالش و مسند سے اے نسیم
 انجام عیش دھر یہ کنج مزار تھا

(۱۱۰)

نہیں شکوہ جدا ہے گو کہ ہر بارہ سرے دل کا
 کیا صانع نے دو لکڑے ازل سے لفظ قاتل کا
 بلا کر لطف سے گردن تہ شمشیر رکھتا ہے
 فریب آہیز دیکھا وقت مردن رحم قاتل کا
 اجازت دی اگر شوق شہادت نے کہ منہ کھولو
 کہا ہمت نے ہم احسان نہ لیں گے دست قاتل کا
 زباں تک شکوہ بے داد آیا تھا کہ شرم آئی
 کہا دل نے یہ کیا کرتے ہو منہ دیکھا ہے قاتل کا
 نہ ٹھہرا پاؤں گھر میں وہ اجل کی بے تراری تھی
 یہ شکل جذب الفت کھینچ لایا قہر قاتل کا
 یہ کس کے قتل سے بالیدگی ایسی ہوئی حاصل
 کہ ٹوٹا آج ڈورا خود بہ خود شمشیر قاتل کا
 ہجوم شوق کی بے قابیوں میں اس قہر چوسا
 کہ دم رک رک گیا زخموں کے منہ میں تیغ قاتل کا
 وہ لذت تھی دھان زخم میں میرے کہ خون بن کر
 ٹپکتا ہے لعاب اب تک زبان تیغ قاتل کا
 اٹھاتے ہیں مگر کہتے نہیں جو کچھ گزرتی ہے
 دھان زخم میں بھی ضبط ہے شمشیر قاتل کا
 وہ اشک گرم تھے ٹپکے جو وقت ذبح آنکھوں سے
 نہیں جاتا ہے چھالا آج تک شمشیر قاتل کا
 عجب اس کا نہیں گر چشم جوہر کور ہو جائے
 ٹپک کر اشک ہوگا آہلہ شمشیر قاتل کا

مجھے فریاد کرنی یا نہ کرنی دونوں مشکل ہے
 ندامت روح سے حاصل لحاظ آتا ہے قاتل کا
 اٹھائے اس قدر رگڑے زمان ذبح گردن کے
 کہ چھالا چھل گیا سینے میں آخر تیغ قاتل کا
 خوشی کرتا ہے کیسی لے کے خنجر دست فاذک میں
 الہی تو نگہیاں ہو جیو بازوے قاتل کا
 بدل کر قافیہ لکھو غزل اب کے نسیم ایسی
 کہ مضمون و معانی میں اثر ہو تیغ قاتل کا

(۱۱۱)

عجب عالم ہے اس گل پیرہن کی یاد میں دل کا
 کہ نالہ منہ سے نکلا زسزمہ بن کر عنادل کا
 بتایا جوش ہمت نے ارادہ دست ہاذل کا
 وہ دولت ہوں کہ منہ نکتا ہوں میں دامن سائل کا
 نہیں دیتا ہوں فرصت ایک ساعت بے قراری سے
 بدلتا ہوں میں کروٹ درد ہوں پہلوے ہسمل کا
 مٹنائیں بہت کچھ ہیں مگر جا یا نہیں سکتی
 ازل سے نیند کو حاصل ہے شکوہ چشم ہسمل کا
 تردد ہے سرے آنسو کو دامن تک پہنچنے میں
 مسافر کو لگا رہتا ہے کھٹکا بعد منزل کا
 فراق جسم سے اے روح تکلیفیں گزرتی ہیں
 بہت یاد آئے گا لیلیٰ مجھے آرام محل کا
 مناسب ہے بشر کو فکر آخر روز اول سے
 پھر آسانی کہاں ممکن جب آیا وقت مشکل کا

مٹا دے آپ کو ہنّا اگر منظور خاطر ہے
 ہوئی شکل اور ہی بے سر ہوا جب لفظ مشکل کا
 وہ رہ جاتا ہے ان کے پاس یہ ہر دم ہلٹا ہے
 زیادہ شوق سے ہے اب تو گہیراٹا سرے دل کا
 ہجوم شوق مجنوں اس قدر تھا ساتھ لیلیٰ کے
 کہ ناقے سے نہ اٹھا اک قدم بھی بوجھ بھل کا
 دم تکلیف ہر گز پاس الفت رہ نہیں سکتا
 نہیں منظور قالب کو ٹھہرتا روح بھل کا
 بڑھا دی ہے کسی ایسی کمال ناتوانی نے
 کہ نالہ بھی نہیں منہ چومنے آتا عنادل کا
 کمنائے عدو آخر وبال زیست ہوتی ہے
 بس مردن نفاست آشنا ہے قہر قاتل کا
 بشکل جام خالی ہر نفس دوری ہے مقصد سے
 مجھے میرے مقدر نے بنایا ہاتھ سائل کا
 ہوس کو آدمی کی آدمی ہر پیش دستی ہے
 کہ بڑھتا ہے زیادہ تر قدم سے ہاتھ سائل کا
 بشر ہو صاحب ہمت تو ہر تکلیف آسان ہے
 کہ گھٹ جاتا ہے آخر چلتے چلتے طول منزل کا
 رہا یہ پاس یکتائی کہ توڑا اس نے آئینہ
 نہ دیکھا منہ کہ تا دیکھے نہ منہ عکس مقابل کا
 جگر میں ڈوب کر دل سے گزر کر تم تک آیا ہے
 مزا تیر نظر سے بوجھ لو تکلیف بھل کا
 عنان تو سن خاطر نسیم اب اور جانب ہو
 کہ دل میں حوصلہ ہے بندش مضمون مشکل کا

(۱۱۲)

مژدہ صحت سنا دل دکھ گیا آزار کا
 آگیا گھٹنے پر اب بڑھنا شب بیمار کا
 اے دل مشتاق شوق بوسہ اب بے کار ہے
 لے گیا ساغر مزا منہ چوم کر دلدار کا
 جھانکتی ہیں آرزوئیں میری تجھ کو بار بار
 کیا شگاف سینہ روزن ہے تری دیوار کا
 دن میں سوسو بار گہبراتے ہیں جذب شوق سے
 اب تو میرا سا ہوا عالم مزاج یار کا
 بارش گریہ سے میری اب تو یہ نوبت ہوئی
 نہم نہیں سکتا ہے آنسو روزن دیوار کا
 تجھ کو اے واعظ مبارک ہو یہ اسباب غرور
 میں نہیں رکھتا ہوں سودا جیہ و دستار کا
 اشک میری آنکھ سے ٹپکا جو اس کی زلف پر
 جتنے جتنے ہو گیا چھالا زبان مار کا
 اب تو مثل دانہ الہاس آنسو ہو گئے
 بعد مدت رنگ بدلا دیدہ خون بار کا
 بارہاے قلب سوزان آگے کھائے تو سہی
 دیکھ لیں گے حوصلہ ہم سرخ آتش خوار کا
 ایک عالم ہے دل دیوانہ کا اب تک نسیم
 کام اپنا کر گیا جادو نگاہ یار کا

ردیف بائے موحدہ

(۱۱۳)

بلبل سے کرتی کب ہے عروس چمن حجاب
 ہم سے ہے کس لیے تجھے اے گل بدن حجاب
 افسون شرم باعث تسخیر ہو چکا
 کب تک رہے گا او بت بیاں شکن حجاب
 حسن برہنگی کے اٹھاتے بڑے مزے
 ہوتا نہ روح کو جو لباس بدن حجاب
 ہر ہزم میں نثار ہے پروانہ شمع ہر
 عاشق کے واسطے نہیں کچھ انجمن حجاب
 کج بازیوں کے لطف جوانی میں خوب ہیں
 پیری میں ہے بشر کے لیے بانک بن حجاب
 دنیا کا ترک بعد فنا بھی نہیں حصول
 اس شرم سے ہے لاش بشر پر کفن حجاب
 نافہ نہیں یہ پردہ غیرت ہے او پری
 رکھتا ہے تیری زلف سے مشک ختن حجاب
 بے پردہ دیکھتے ترے نور جہاں کو
 ہوتی اگر نہ چادر چرخ کہن حجاب
 برسوں ہوئے کہ عاشق خدمت گزار ہوں
 مجھ سے نہ چاہے تجھے اے سیم تن حجاب
 دیکھ آنکھ اٹھا کے بار کہ عالم شکر ہو
 کس کا تجھے ہے ظالم ناوک فکن حجاب

آخر کنورت آہی گئی اتحاد میں
 کرنے لگی خزاں سے بہار چمن حجاب
 اچھا کلام شاہد ہے پردہ ہے نسیم
 رکھتا نہیں کسی سے ہمارا سخن حجاب

(۱۱۴)

جی میں آتا ہے دکھائیں مستیاں ی کر شراب
 جلد لا ساق برنگ لالہ آحمر شراب
 دور رکھ شیشہ نظر سے سرتکوں کر جام کو
 فرقت دلدار ہے ساق ہیں کیوں کر شراب
 ابر ہے امڈا ہوا گل دے رہے ہیں نکہتیں
 آج کی شب ہو جدا منہ سے نہ اے دلبر شراب
 آرزو کیا ہوچھتا ہے رند ساغر نوش کی
 یہ تمنا ہے ہیں قاتل تہ خنجر شراب
 لے خدا حافظ چلے مسرور ہو کر اپنے گھر
 پی چکے محفل میں تیری او ہری پیکر شراب
 بے تعلق ہو نہیں سکتے تعلق آشنا
 غیر ممکن ہے رہے بے شیشہ و ساغر شراب
 بھر سنا ہے مژدہ آمد کسی سے نوش کا
 ڈھونڈتا ہے آج بھر میرا دل مضطر شراب
 وعدہ دی روز کا کچھ پاس کرنا چاہیے
 آج دے ساق ہمیں جو سب میں ہو بہتر شراب
 اس طرف بھی آج ہڈل مہربانی چاہیے
 ساتھ غیروں کے توائے جاں پی چکے اکثر شراب

بہن گیا ہر لخت دل ٹکڑے جگر کے ہیں کہاب
 گرمیاں کرتی ہے ہم سے صورت دلیر شراب
 ہم بھی بے شک ہیں غلامان علی میں اے نسیم
 ساقی کوثر سے لیں گے چل کے اک ساغر شراب

(۱۱۵)

کیا دیکھتا ہے طائر بسمل کا اضطراب
 بڑھ کر ہے اس سے عاشق بے دل کا اضطراب
 امیدوار مرگ سے کیوں منہ چھپا لیا
 اب کون لے گیا مرے قاتل کا اضطراب
 نہیں کسی کی آرزو کہ سر شب سے قاسم
 دیکھا کیے ہیں صاحب محفل کا اضطراب
 مدت سے آرزو ہے کوئی لحظہ بیٹھ کر
 تم بھی تو دیکھ جاؤ مرے دل کا اضطراب
 ممکن نہیں کہ عشق کی تاثیر کچھ نہ ہو
 لیکن تھان ہے صاحب محفل کا اضطراب
 اس کو قرار ہے اے پرواز دم بہ دم
 سحاب سے لڑوں ہے مرے دل کا اضطراب
 قاتل یہ کوئی دم کا تاشا ہے دیکھو بھر
 لے جائے گی اجل ترے بسمل کا اضطراب
 تدبیر کچھ ضرور ہے بیٹھے ہو کیا نسیم
 جاتا نہیں ہے آج مرے دل کا اضطراب

(۱۱۶)

گر ایروے کشیدہ ہیں شمشیر کا جواب
 مژگان تیز میں ہے ترے تیر کا جواب
 فریاد بے کسی بہ کسی کو نظر کہاں
 دیتا ہے کون عاشق دل گیر کا جواب
 اچھا ہوا کہ آئنے کا منہ ہوا سیاہ
 لایا تھا تیری زلف گرہ گیر کا جواب
 آمادہ ہے مڑہ بھی خدنگ نظر کے بعد
 آتا ہے اور تیر غضب تیر کا جواب
 اے انتظار یار یوں ہی آنکھ وا رہے
 دیتا ہے مجھ کو دیدہ زنجیر کا جواب
 کیا دخل بیش و کم کو ہمارے خیال میں
 لکھنا محال ہے خط تقدیر کا جواب
 لاکھوں ستم کیے ہیں جوانان دھر پر
 دے آہ شعلہ زا فلک پیر کا جواب
 اچھی زمیں سمجھ کے کہے شعر کچھ نسیم
 لکھا نہیں ہے آتش دل گیر کا جواب

(۱۱۷)

جتنے قصے ہیں سرے شکوۂ بے داد ہیں سب
 ذکر کا ہے کو ہیں انسانہ فریاد ہیں سب
 للہ الحمد کہ میں ریخ فراموش نہیں
 جو ستم تم نے کیے ہیں وہ مجھے یاد ہیں سب

جس طرف دیکھیے دو تین بھڑکتے ہیں اسیر
 کیوں نہ صیاد خوشی ہو قفس آباد ہیں سب
 خواست گاران قضا ہیں تہ خنجر بے تاب
 شائق حسن اجازت ترے جلاد ہیں سب
 اُن کو تکلیف رسانی کی عبث ہے تعلیم
 نالہ وآہ و فغان تیرے ستم زاد ہیں سب
 بھوٹ جائے جو بھپھولا تو روان ہوں آنسو
 اشک اے جان جہاں آہلہ بنیاد ہیں سب
 طوق و زنجیر کے خواہاں ہیں ترے دیوانے
 روز و شب منتظر خدمت حداد ہیں سب
 کفر و اسلام برابر ہیں زمانِ رحمت
 حسن جتنے ہیں زمانے میں خدا داد ہیں سب
 تا کجا کاوش صیاد اجل ہے نزدیک
 ایک دن اس قفس جسم سے آزاد ہیں سب
 اب یہ حالت ہے کہ دشمن بھی دعا دیتے ہیں
 دست برداشتہ میرے لیے جلاد ہیں سب
 ناتواں وہ ہوں کہ ہر پال و پال جان ہے
 ضعف سے موئے بدن خنجر فولاد ہیں سب
 سخت جان ہوں مری تسکین کو ہتا دے قاتل
 کس قدر گھر میں ترے خنجر فولاد ہیں سب
 میں ہوا، قیس ہوا، وابق بے چارہ ہوا
 دل گرفتار ہیں سب عاشق ناشاد ہیں سب
 عاشق و وحشی و دیوانہ و رسوا کہہ کے
 جس طرح چاہے ہلا تیرے ہی ارشاد ہیں سب

آمد آمد ہے مگر میرے سہی قامت کی
 باغ میں ہر طرف استادہ جو شمشاد ہیں سب
 ایک سے ایک نرالا ہے زمانے میں حسین
 جلوۂ نور الہی یہ پری زاد ہیں سب
 تیری آنکھوں کے جو مضمون لکھے ہیں میں نے
 حرف جتنے نظر آتے ہیں مجھے صاد ہیں سب
 دور تک تیری گزرگاہ جفا ہے او ترک
 ہفت افلاک مرے مسکن فریاد ہیں سب
 اپنے اشعار کا آتش نے دیا آپ جواب
 معترض ہو جیے تو قابل ایراد ہیں سب
 راست کہتا ہوں یہ میں ، ناسخ و سودا و نسیم
 اپنے انداز میں بے مثل ہیں ، استاد ہیں سب

(۱۱۸)

طرۂ مشک بار ہے جلوۂ آب دار شب
 نسبت زلف یار ہے باعث افتخار شب
 مشفق من خطا معاف جھوٹ ہے آپ کا کذاب
 چشم غنودہ میں ہے صاف حسرت انتظار شب
 آ کہیں جلد بے وفا دل نہیں مانتا مرا
 چہرۂ روز پر جھکا کیسوے تاب دار شب
 حال نہ ہو چہ ہم نشین ہے غم دل پر حسین
 شعلہ آہ آتشی ہوتا ہے ہم کنار شب
 وعدہ ہے وصل یار کا ، واہ رے بخت نارسا
 اول شام سے ہوا پہلے ہی اختصار شب

ہے کوئی آساں جناب جس نے کیا یہ انتخاب
 حافظ روز آفتاب ، ماہ ہے پاس دار شب
 قالہ آتشیں سے ڈر آب کہیں نہ ہو جگر
 ہوتی ہے شام صبر کراے دل خواست گارشب
 سہنے کبھی نہ ایک دم فرقت ہار کے ستم
 صبح نہ ہونے دیتے ہم ہوتا گر اختیار شب
 دیکھتے ہیں نسیم ہم لحظہ بہ لحظہ یہ ستم
 ہجر میں طول روز غم ، وصل میں اختصار شب

(۱۱۹)

پہنچے ہیں تھکے ہائے دل دوستان قریب
 آئے ہیں اے فلک بہت آہ و فغاں قریب
 کنج لحد کا حال کہیں ہم کسی سے کیا
 ہم درد پاس ہے نہ کوئی مہربان قریب
 لب وا ہیں اشتیاق میں آنکھیں ہیں منتظر
 پہنچا ہے لخت دل کا سرے کارواں قریب
 ہر روز بعد چرخ میں تھکتے ہیں بال و پر
 اے سرخ روح ڈھونڈ کوئی آشیاں قریب
 اے عندلیب جاں افس جسم سے نکل
 جلدی پہنچ بہشت کا ہے بوستان قریب
 فریاد جاں گزا سے زمانہ بتک ہے
 بدلیں گے کوئی اور لباس فغاں قریب
 اے آہ ہے محل ادب میں ٹھہر یہیں
 اب آ چکا ہے مسکن کرویاں قریب

اے مرگ اب وصال میں تاخیر چاہیے
 آیا ہے وقت وصل بت دل ستاں قریب
 کب تک یہ انتظار کہ فرصت قلیل ہے
 رخصت طلب ہے یار ترا میہاں قریب
 شاید یہاں سے کوچہ جاناں ہے متصل
 آتا چلا ہے دغدغہ ہاسباں قریب
 اے دل ہتا بتا کہ سکونت وہیں کریں
 ہو پیر سے فروش کی جس جا دکاں قریب
 اے عندلیب رنگ چمن بے ثبات ہے
 آخر ہوئی بہار اب آئی خزاں قریب
 جینا هجوم آہ شر ہار سے محال
 تن بھونک دیں گے شعلہ سوز نہاں قریب
 اے دل سنہل کہ دام مصیبت ہے سامنے
 دیکھ آچکا ہے کوچہ زلف ہناں قریب
 کس طرح دود آہ سے جینا ہے تو نسیم
 رکنا ہے دم وہاں کہ جہاں ہو دھواں قریب
 ردیف بائے ہندی

(۱۲۰)

تیوری چڑھی ہوئی ہے کشیدہ نظر ہیں آپ
 کچھ اور حوصلہ ہے جو آئے ادھر ہیں آپ
 صیاد رنج فکر اسیری ہے کس لیے
 سوز نفس سے خاک مرے ہال و ہر ہیں آپ

ناحق آٹھائیں منت فساد ہم نفس
 سو جسم ناتواں پہ یہاں نیشتر ہیں آپ
 ھے آمد آمد نفس واپسیں حضور
 پہنچا یہاں یہ حال مگر بے خبر ہیں آپ
 آگاہ سے ضرور نہیں عرض مدعا
 کیا کہجے خوب واقف درد جگر ہیں آپ
 ہر روز شان حسن نئی ھے جہاں میں
 خورشید ہیں کبھی ، کبھی رشک قمر ہیں آپ
 حسرت فزا ہیں جذب محبت کے حوصلے
 یاں اپنے نالہ ہائے سحر بے اثر ہیں آپ
 اے آہ و نالہ بعد فنا بھی نہ کم ہو جوش
 اتنا رہے خیال شریک سفر ہیں آپ
 کوسوں ضیائے حسن نے بخشی ھے روشنی
 کھلتا بھی ھے نور کے شاید ہشر ہیں آپ
 ھے انتہائے شوق سے پرواز مرغ روح
 قاصد ہم اپنے حال کے خود نامہ پر ہیں آپ
 بگڑے ہیں اشک ٹھنڈے آہ کیا سنوں
 ہنگامہ آفریں مرے نور نظر ہیں آپ
 آنکھوں میں ھے لحاظ ، تبسم فزا ہیں لب
 شکر خدا کہ آج تو کچھ راہ پر ہیں آپ
 فریاد اے جس شب وصلت میں کس لیے
 ہم دل تکار نالہ مرغ سحر ہیں آپ
 جلاہ روز گل ملا ھے کسے خطاب
 اب شکر کہجیے کہ بڑے نامور ہیں آپ

قربان جان و دل سے نہ کس طرح میں رہوں
 رونق فزائے شعلہ داغ جگر ہیں آپ
 باتوں میں ہے فریب تو افسوں نگاہ میں
 ہر ہر طرح سے ہوش رہائے بشر ہیں آپ
 پروانے سے حجاب نہیں کچھ بھی شمع کو
 عاشق سے کیوں گریز ہے معشوق گر ہیں آپ
 وا کیجیے نسہ عقدہ زلف دراز کو
 اتنا رہے خیال کہ نازک کمر ہیں آپ
 بابا غزل نے طول، نہیں کم ابھی اسنگ
 کچھ خیر ہے نسیم کہاں ہیں کدھر ہیں آپ

(۱۲۱)

بھر خفا رہنے لگے عاشق ناچار سے آپ
 بھر چھپانے لگے منہ طالب دیدار سے آپ
 کیا گرفتار محبت کی بھی ہے تعدیر
 بات بھی کرتے نہیں اپنے گنہگار سے آپ
 اب تو وہ بھی نہیں ملت سے میسر ہم کو
 جھانکتے تھے جو کبھی روزن دیوار سے آپ
 وہ بھی کیا دن تھے چوکتے تھے غزل کو پہروں
 لطف اٹھاتے تھے مری بندش اشعار سے آپ
 نزع کے وقت بھی آتے نہیں دم بھر کے لیے
 ایسے آزرده ہوئے اپنے دل انکار سے آپ
 گو غرض کوئی نہیں ہے مکرانے جان جہاں
 منہم ہو جیے گا صحبت اغیار سے آپ

بہر بھنسے دام محبت میں مبارک ہو نسیم
آشنا بہر ہوئے اک کافر عیار سے آپ

(۱۲۲)

جانتے ہیں ہم سے شرمائیں گے آپ
عمر بہر اے جان ترمائیں گے آپ
کب بھلا ہم کو یقین آتا ہے یہ
مہربانی آج فرمائیں گے آپ
کوئی دم نسکین دل ہو جائے گی
میرے پہلو میں اگر آئیں گے آپ
جانتا ہوں بندہ پرور عادتیں
کس طرح دل میرا بہلائیں گے آپ
یہ نصیحت حضرت، ناصح معاف
رند ہوں، کیا مجھ کو سمجھائیں گے آپ
دیکھئے میں بھی کہوں گا کچھ ضرور
بہر بشکل زلف ہل کھائیں گے آپ
کیا ارادہ ہے ذرا ہم بھی سنیں
بندہ پرور کس طرف جائیں گے آپ
بے سبب آرائش کیوں نہیں
سمجھے ہم کوئی بلا لائیں گے آپ
آئیے اب جلد میں مہمان ہوں
بہر بھلا مجھ کو کہاں بائیں گے آپ
کل کے سب انوار پورے ہو گئے
آج بھی کوئی قسم کھائیں گے آپ

خیر ہے بستر اٹھایا کیوں نسیم
اب یہاں سے کس طرف جائیں گے آپ

(۱۲۳)

بٹھ رہتے ، نہ ملی ایسی کوئی جا دل چسپ
نہ لگا جی کہ نہ تھا سبزہ صحرا دل چسپ
تنگ آئے ہیں بہت خاطر برہم سے ہم
ساقیا دے کوئی پیمانہ صبا دل چسپ
بڑھ گئی آہ و فزاں اور وہاں سے آگے
نظر آیا نہ مگر عرش معلّٰی دل چسپ
جائے آرام زمیں کو تو نہ پایا افسوس
ہاں مگر ستے ہیں ، ہے عالم بالا دل چسپ
کچھ تسلی نہ ہوئی گلشن ایجاد سے آہ
ڈھونڈھیے اور ہی مسکن کوئی اچھا دل چسپ
میں تری چشمِ نسوں خیز سے نسبت کیا دوں
آنکھ رکھتی نہیں کچھ نرگس شہلا دل چسپ
دام گیسو سے مٹائے رہائی ہے خطا
ہے دل آویز ہلا وہ مجھے سودا دل چسپ
سر سے ہا تک نظر آتا ہے ہر اک شعلہ نور
کیا بتائے ہیں خدا نے ترے اعضا دل چسپ
جا بہ جا مسکن یاران فنا دوست ملا
نظر آتا ہے عدم کا مجھے رستا دل چسپ
کر دیا محفل خاموش نے افسردہ مزاج
ساقیا اٹھ کہ ہے دور میرے مینا دل چسپ

لطف ہوئندوں میں ہسینے کی جو ہے عارض پر
 اس طرح سے ہے کہاں عقد ثریا دل چسپ
 اس جفا کے بھی تصدق کہ تسلی بخشے
 ظلم بھی ہو تو کوئی اے ستم آرا دل چسپ
 کم پریشانی خاطر نہ ہوئی صد افسوس
 نہ الہا داغ دروں سے کوئی شعلہ دل چسپ
 ہوس سیر چمن کا ہے یہاں کس کو دماغ
 کہا نہیں خانہ زنجیر ہمارا دل چسپ
 جان ہی جاتی ہے ہر عاشق شیدائی کی
 کس قدر ہے تری زنجیر مطلق دل چسپ
 جانے دل سینے میں آئینے نے رکھا اس کو
 بس کہ تھا پار کا عکس رخ زبیا دل چسپ
 جا بہ جا ہیں مٹے گل رنگ کے چھینٹے زاہد
 خوب ہی آج تو ہے رنگ مصلیٰ دل چسپ
 نقش دل مانی و بہزاد نے اس کو سمجھا
 کس قدر تھا تری تصویر کا نقشا دل چسپ
 جز ترے نقشہ تصویر ہزاروں دیکھے
 ڈالتے آنکھ نہ پایا کوئی اتنا دل چسپ
 سرگذشت اپنی سنا روز اسی طرح نسیم
 کہ نہیں اس سے زیادہ کوئی قصا دل چسپ

(۱۲۴)

لہرا رہے ہیں طرۂ زلف دوتا کے سائب
 بل کر رہے ہیں پیش نظر کس بلا کے سائب

اٹھنے لگے ہیں سینہ سوزاں سے بھر دھویں
 اڑنے لگے زمیں سے لٹک تک ہلا کے سانپ
 لاقی صبا ہے زلف مسلسل کی نکبتیں
 اترے ہیں آہاں سے زمیں پر ہوا کے سانپ
 اچھا نہیں ہے طول ہلا او ستم شعار
 پاؤں تک آچکے تری زلف دوتا کے سانپ
 دھوکا ہے حسن گیسوے پیچان یار میں
 اے دل بنے ہوئے ہیں فریب و دغا کے سانپ
 دشوار کیوں نہ ہو تری زلفوں سے جان بری
 زوروں پہ چڑھ گئے ہیں یہ قہر خدا کے سانپ
 کافر کھلے گا حال جب اسلام و کفر کا
 ہتکام مرگ آ کے ڈسے گے قضا کے سانپ
 توباق کیا کرے کہ یہاں زھر چڑھ چکا
 کام اپنا کر چکے تری زلف دوتا کے سانپ
 زلفوں کو کھول بے خبر آگاہ ہو رہیں
 سونے ہووے کو یار دکھا دے جگا کے سانپ
 جنبش ہے بات بات میں افعی زلف کو
 لائے کہاں سے آپ یہ مہتر پڑھا کے سانپ
 دل سے خیال زلف کسی وقت کم نہیں
 نکلے نہیں ابھی مرے ماتم سرا کے سانپ
 آنے کی میرے سن کے خبر اڑ گیا رقیب
 بھاگا کہاں خوف سے کیا دم دبا کے سانپ
 شانے کیسے ہیں بار کی زلف سیاہ میں
 ہالے ہیں ہم نے ہاتھ پرانے کھلا کے سانپ

کیا کیا نہ ہوں گی منکر عقبیٰ کو حسرتیں
 دکھلانے جائیں گے جو عذاب خدا کے سانپ
 خوگر ہوئے جو الفت زلف سیاہ کے
 کیا کیا بلائیں ہم نے اُنھائیں۔ بلا کے سانپ
 دیوانہ تیرے طرہ گیسو نے کر دیا
 کیسا الگ ہوا مجھے رستا بتا کے سانپ
 بے وجہ کب ہیں رخ پہ ترے حلقہ ہائے زلف
 محفوظ گنج حسن کیا ہے بٹھا کے سانپ
 زلفیں جھوٹے گا بار کی یہ منہ تو دیکھیے
 سر پر عدو کے کھیل رہے ہیں قضا کے سانپ
 انصاف ہے تو جلوہ حسن سیاہ دیکھو
 پیدا کیے نسیم نے کس کس بلا کے سانپ

ردیف نامے فوقانی

(۱۲۵)

چشم فلکی سے بھی نہاں میں تو رہا رات
 گویا سری عرباں بدنی کی تھی قبا رات
 رہ دن کو یہاں ، مدن اعدا پہ جو تھا رات
 زندوں کی مدارات ہو مردوں کی زیارات
 خنجر کی زباں زخم کے لب آبلوں کے منہ
 کس کس میں سری بے سخنی کے ہیں اشارات
 گردش نے تھکایا ہے ثواب حل نہیں سکتی
 شاید کہ سری طرح ہوئی آہلہا ، رات

اے ہجر ملالے شب گیسو کی سیاہی
 ہو جائے دوتا تا صفت زلف دوتا رات
 کانوں میں چلی آتی ہیں فرقت کی صدائیں
 جھٹکڑے نالوں کی ہوئی زنگہ پا رات
 زنجیر سے جکڑا اے ہاتھوں کے خطوں نے
 باندھا کیا اے جان ترا دزدِ حنا رات

(۱۲۶)

افزائشوں پہ تھا قلقِ دلِ تمام رات
 کٹی ہے ہم نے بار بہ مشکلِ تمام رات
 ہر لحظہ دل میں شوقِ شہادت کے جوش تھے
 ہم کو رہا تصورِ قاتلِ تمام رات
 محظوظ تھا وہ دیکھ کے اپنا فروغِ حسن
 آئینہ ماہ کا تھا مقابلِ تمام رات
 فرصت نہ ہائی ریزشِ گریہ سے ایک دم
 جاری رہا ہے قافلۂ دلِ تمام رات
 کیا ہو جھٹے ہو عاشقِ مضطر کی سرگزشت
 بے تائیاں تھیں صورتِ ہسلِ تمام رات
 فرصت نہیں تصورِ جاناں سے ابک دم
 رہتا ہے سامنے مہِ کاملِ تمام رات
 دامن میں آ کے اشک ٹپکتے ہیں اے نسیم
 لٹتی ہے خوب دولتِ حاصلِ تمام رات

(۱۲۷)

تھا وصلت جنوں کا جو سامان مہم رات
 لیٹے رہے ہیں دست و گریبان مہم رات
 بھاگے جو داغ ہائے فروزاں سے ہٹ گئے
 شعلے تھے جلوہ گر تہہ داماں مہم رات
 گھیرے رہے ہیں دل کو خیالات حسن یار
 بریاں رہی ہیں گرد سلیاں مہم رات
 جھپکی نہیں ہے آنکھ اسیران عشق کی
 شاعر رہے ہیں روزن زنداں مہم رات
 پیش نظر تھی عارض کل رنگ کی چار
 دیکھا کیے ہیں لطف گلستاں مہم رات
 آئینہ جہاں میں وہ تھیں صفائیاں
 نکلتے رہے ہیں دیدہ حیراں مہم رات
 اللہ رہے شوق دید رخ یار، ہم رہے
 مصروف منت سگ و درہاں مہم رات
 کس کس طرح سے دل تہ و بالا ہوا کیا
 برہم رہی جو زلف پریشاں مہم رات
 پڑھتا رہا میں مصحف عارض کی آیتیں
 پیش نظر رہا۔ مرے قرآن مہم رات
 ہاتھوں پہ اپنے میں دل بے تاب کو لیے
 بھرتا تھا گرد کوچہ جاناں مہم رات
 ہٹ ہو چکی بس اب سر انصاف آئیے
 انکار بھر رہے گا سری جاں مہم رات

گھر میں بلا کے رنج دیے آپ نے ہیں
 کیا خوب کی ہے خدمت مہاں تمام رات
 فرصت جنوں سے ایک گھڑی بھی نہیں ملی
 زیر قدم رہا ہے یہاں تمام رات
 کشتوں کے زخم ہنسنے تھے کنج مزار میں
 روتی تھی شمع کور غریباں تمام رات
 تھا قید پیرہن میں مرا جسم ناتواں
 طوق گلو رہا ہے گریباں تمام رات
 گھبرے رہی ہے روئے زمیں ہشت آسمان
 تاریکی مزار غریباں تمام رات
 آسمان نہیں ہے دشت نور دی کچھ اسے نسیم
 دن بھر ہے دھوپ خار مغیلاں تمام رات

(۱۲۸)

غنچے نے تاج ، گل نے کیا پیرہن درست
 شادی بہار کی ہے ہوا ہے چمن درست
 پیغام رستخیز ہے آمد بہار کی
 مرا کر ہوئی ہے نور گس بیار تندوسبت
 رکھا دھان تنگ نے مطلب کو ناتمام
 نکلا بھارے سنہ سے نہ کوئی سخن درست
 گل جلوہ گر ہیں آمد فصل بہار ہے
 کر باغبان نشیب و فراز چمن درست
 پیوند مہر و ماہ لگاتا ہے روز و شب
 کرتا ہے چرخ پیر رداے کہن درست

دست جنوں نے تید تعلق سے دی نجات
پہنچا نہ ایک قابہ کو پیرہن درست

کرتی ہے جمع باد صبا خاک منتشر
ہوتا ہے بھر نشان مزار کہن درست

ہوتی ہیں جوش، شق میں جو جوشکاپتیں
کہتا ہے ناز سے وہ بت سم تن درست

فرہاد نے قریب محبت میں جان دی
سمجھا کہ ہے معاملہ پیرزن درست

ساقی بھلا ہو خیر سب کو کوئی جام دے
رکھے خدا ہمیشہ تری الجھن درست

فاحق خراش زخم کی دیتا ہے زینتیں
کرتا ہے شانہ زلف بت سم تن درست

کس رشک گل کی شہرت نظارگی ہے آج
کرتے ہیں غنچہ ہائے چمن پیرہن درست

زنک دوئی سے آئندہ دل ہے پاک و صاف
رہتا ہے اپنا گوشہ بیت الحزن درست

بے فائدہ ہیں چارہ گروں کی مشقتیں
ہوتے نہیں ہیں عشق کے بیابان درست

چاٹا ہے ایک عمر لعاب زبان تیغ
زخموں کے مدتوں میں ہوئے ہیں دھن درست

بدلو ردیف اور کہ جی بھر گیا نسیم

ہو اور طرح زلف عروس سخن درست

(۱۲۹)

کعبہ نہیں ہے زاہد غافل نشان دوست
 دل ڈھونڈ عاشقوں کا بھی ہے مکان دوست
 انسانہائے دوست میں کشتے ہیں رات دن
 رہتی ہے لب پہ آٹھ پہر داستان دوست
 گر خاک بھی ہوا تو ہوا کوئے یار کی
 بعد فنا بھی چھٹ نہ سکا آستان دوست
 جھگڑا مٹا عذاب گیا ، مخلصی ملی
 رکھتے تھے ایک دل سو ہوا میہان دوست
 نکلے نہ منہ سے بات بیڑ ذکر یار کے
 لب آشنا کسی سے نہیں جز بیان دوست
 بیٹا ہے تو تو دیدہ بیٹا ہے دیکھ لے
 پیدا ہے ہر خفی و جلی میں نشان دوست
 کیا تاب مدعی جو لگائے نظر انہیں
 رہتے ہیں آہ و نالہ مرے پاسبان دوست
 جان لے کے بھی خوشی نہ ہوئی میرے یار کی
 راضی نہ ہو سکا دل نامہربان دوست
 ہوتی ہے شقی بے ادبی گالیوں کے ساتھ
 رکھتی ہے اور طرح کا چسکا زبان دوست
 ہے سرفروشیوں پہ بھائے جہاں یار
 ارزاں ہے آج کل تو متاع دکان دوست
 میں داغ سینہ صورت آتش دھک رہے
 ہاں آج کل بہار پہ ہے گلستان دوست

مانند گل دھان جراحت شگفتہ ہیں
 ہے اور رنگ ہر چمن بے خزان دوست
 دل صاف ہو تو راز حقیقت کھلے تمام
 دیکھا کرے بصورت آئینہ شان دوست
 دیکھے جو برگ گل تو لبوں کا ہوا گہاں
 غنچہ نظر پڑا تو میں سمجھا دھان دوست
 دھوکے دیے نزاکت جانان نے اے نسیم
 پایا عدم میں بھی نہ نشان میان دوست

(۱۳۰)

آنہ بن کر رہوں ہر وقت پیش روئے دوست
 وہ مجھے دیکھا کرے دیکھا کروں میں سوئے دوست
 سیر جنت خوب جب رضوان مجھے دکھلا چکا
 بے تامل منہ سے نکلا ہاے لطف کوئے دوست
 بدر کو دیکھا تو سمجھا عارضی تابان یار
 جب ہلال آیا نظر جانا کہ ہے ابروئے دوست
 آہ دل سے کہہ نہتا ہوں دیکھ کر ہر سرو کو
 کیسا کیسا یاد آتا ہے قد دل جوئے دوست
 دل سے بہتر روشنی یا قوت و گوہر میں نہیں
 نورتن کیا یہ نگیں ہے قابل بازوئے دوست
 ماہ بدلے میری عادت کا بدلنا ہے محال
 چاند کوئی ہو مگر میں دیکھتا ہوں روئے دوست
 عشق وہ شے ہے کہ پتھر میں بھی کرتا ہے اثر
 جاے دل سینے میں ہے در نجف کے موئے دوست

کچھ نہ کچھ ہر شخص کو اُس سے تعلق ہے ضرور
 کوئی محو روئے جانان کوئی محو خوئے دوست
 حسرت دیدار میں کیا کیا نہ تڑپِ عندلیب
 ناقص لائی صبا جس دم چمن سے ہوئے دوست
 ہے ترا معشوق بھی عاشق کہیں اے عندلیب
 سونگھ لے پھر دامن گل دے رہا ہے ہوئے دوست
 قسمت اپنی اپنی اس میں کیا کسی کا اختیار
 ہم ہیں ہم پہلوئے ہجران دل ہے ہم پہلوئے دوست
 دل فریبی ہو چکی اب کیا غرض الطاف سے
 ہے زمیں تکیہ بجائے تکیہ پہلوئے دوست
 ہر طرف تیر نگاہ ناز کرتے ہیں شکار
 صید کیا صیاد افکن ہو گئے آہوئے دوست
 کاٹ لیں ہم آپ سر اپنا توقف کیا ضرور
 ہے بعد از شرط آفت رنجش بازوئے دوست
 خاکساروں کو نشیب آرزو درکار ہے
 عرش سے بہتر سمجھتا ہوں زمین کوئے دوست
 چاہیے قاتل زمان چاک تن اتنا لحاظ
 یہ وہ پہلو ہے کہ جو ہوتا تھا ہم پہلوئے دوست
 سچ تو یہ ہے سرگ عاشق کے تصدق جائے
 چشم مصروف نظارہ ، سر تہ زانوئے دوست
 فتنہ ہائے چشم سحر آلود کی ہیں شہرتیں
 کس طرف کس جا نہیں افسانہ جادوئے دوست
 ہاں خدارا اے اجل اتنا توقف چاہیے
 چلتے چلتے اک نظر پھر دیکھ لیں ہم روئے دوست

زینت جاوید رکھتا ہے لباس دوستی
 پیرہن ہے خاکساروں کا غبار کوئے دوست
 سخت جانی کا ہرا ہو دل ہے شرمندہ نسیم
 بھر گیا خنجر کا منہ شل ہو گئے بازوئے دوست

(۱۳۱)

نا صحالے راہ اپنی جاتے ہیں اب سوئے دوست
 ہم تو بے قابو ہوئے دل پر ہوا قابوئے دوست
 بے تکلف افقی رہزن کا ہوتا ہے یقیں
 جب نظر پڑتی ہے میری جانب کیسوئے دوست
 سر پہ چڑھ کر بھی نہ چھوڑیں عاجزی کی عادتیں
 چومتے ہیں پاؤں آ کر بارہا کیسوئے دوست
 جان نثاری کے مزے عاشق سے بوچھا چاہیے
 اے خوشا وہ سینہ جو آئے نہ زانوئے دوست
 عاشقوں کی آرزو بعد فنا بھی ہے یہی
 بدلے جنت کے ملے دو گز زمین کوئے دوست
 آتی ہے آواز عاشق کی کنار قبر سے
 آج خالی دوست کے پہلو سے ہے پہلوئے دوست
 مجھ کو سمجھاتا ہے کیا پھر تجھ کو سمجھانا پڑے
 تو بھی دیوانہ ہونا صحیح دیکھ لے گر روئے دوست
 دل تڑپتا ہے طبیعت میں ہے کیا کیا کچھ خیال
 دیکھئے کس دن میسر ہو ہمیں پہلوئے دوست
 ٹکٹکی ہے دیدہ حیران کی ہر لحظہ نسیم
 دیکھتے ہیں رات دن آنند زانوئے دوست

ردیف قائم ہندی

(۱۳۲)

میں یوں ہوا عقوبت قاتل سے دل 'اوچاٹ'
 ہو جس طرح کوئی کسی مشکل سے دل اوچاٹ
 دی سخت جانیوں نے اجازت نہ ذبح کی
 قاتل ہوا تہیہ باطل سے دل اوچاٹ
 فرقت میں مجھ کو آتش بے دودھے چمن
 ہوتا ہے نغمہ ہائے عنادل سے دل اوچاٹ
 کیوں کر کٹیں گی بعد عدم کی مشقتیں
 ہونے لگا مسافت منزل سے دل اوچاٹ
 جب سامنے ہو آئینہ حسن او پری
 کیوں کر ہو کوئی تیرے مقابل سے دل اوچاٹ
 باہم ہوئے قصور نگاہوں کے لطف میں
 افسردہ ہیں مزاج ہوا دل سے دل اوچاٹ
 حسرت مرے گلوے پریدہ کی کم نہیں
 قاتل ذرا نہ ہو ابھی بسمل سے دل اوچاٹ
 تسبیح پارہ ہائے جگر چاہیے انہیں
 عاشق نہ کیوں ہو دور انامل سے دل اوچاٹ
 اب ہم نہ آئیں گے کبھی مثل شرار شمع
 جاتے ہیں بے وفا تری محفل سے دل اوچاٹ

۱۔ ”اوچاٹ“ طبع اول و دوم میں واو کے ساتھ ہے موجودہ املا بغیر واو ہے اس لیے جدید املا رکھا۔ (مرتب)

مسکن کیا نگاہ نے رخسار صاف پر
 کیوں کر ہو تجھ سے حور شائل سے دل اوچاٹ
 کیا دانہ ہائے اشک سے جز غم ہے فائدہ
 ہو کیوں نہ ایسی کشت کے حاصل سے دل اوچاٹ
 جاؤں کہاں کہ ضعف سے اب تو یہ حال ہے
 راہی ہو جیسے بعد منازل سے دل اوچاٹ
 نفرت ہے اس قدر مجھے گھر کے نشان سے
 ہوتا ہے خانہ ہائے سلاسل سے دل اوچاٹ
 کیا تیرے رومے صاف سے نسبت ایسے میں دوں
 ہے داغ سینہ نہ کامل سے دل اوچاٹ
 نازک دماغ ہوں نہ لحد پر چڑھاؤ گل
 ہوئے لکا ہجوم عنادل سے دل اوچاٹ
 کس کو دماغ ہے جو سنے شکوہ ہائے گل
 کیوں کر نہ ہو حدیث عنادل سے دل اوچاٹ
 ہر بات میں ہیں بے ادبی کے ہزار ڈھنگ
 ہو کس طرح نہ صحبت جاہل سے دل اوچاٹ
 مشتاق مرگ ہوں مجھے سر ہے وہاں دوش
 پھرتا ہوں میں تغافل قاتل سے دل اوچاٹ
 ہرزانہ وار اور کہیں دل جلائیں گے
 او شمع رو ہوا تیری محفل سے دل اوچاٹ
 خدمت گزار یوں میں کمی کون سی ہوئی
 کس واسطے ہو عاشق پیدل سے دل اوچاٹ
 ہے حسب حال مصرع اشرف نسیم کے
 او شمع رو ہوا تری محفل سے دل اوچاٹ

ردیف ثانیہ مثلثہ

(۱۳۳)

کل رخنوں کی ہے ہوس اے دل ناشاد عبث
 ہے ہوائے چمن عالم ایجاد عبث
 سنگ دل سوم نہ ہوں گے یہ ہوس بے جاد ہے
 نالہ بے فائدہ ہے شورش فریاد عبث
 ناتواں وہ ہوں تصور سے گرائی ہے مجھے
 مجھ پہ ایجاد ستم اے ستم ایجاد عبث
 سخت جانی نہیں دینے کی کبھی فرصت مرگ
 سر کو رکھتے ہیں تہ خنجر بیداد عبث
 زور بازوے جنوں سے مرے بچنا مشکل
 فکر میں طوق و سلاسل کے ہیں حداد عبث
 دوستی کرتے ہیں اس سے جو محبت رکھے
 اس ستم پیشہ کی اے دل ہے تجھے یاد عبث
 کیا ہو اسید وفا ایسے ستم گر سے بھلا
 حال سن کر مرا کہتا ہے وہ جلاد عبث
 رجم آیا نہ کبھی عاشق شیدا پہ تجھے
 خدمتیں کیں تری ہم نے ستم ایجاد عبث
 کیا غرض ہے اسے دیوانہ سری سے تیری
 دیکھ اے دل ہوس یار پری زاد عبث
 توتیا چشم فلک کا نہیں جو ہوں کا عزیز
 اے صبا خاک مری کرتی ہے برباد عبث

قسمت بد سے میسر نہ ہوا وصل حبیب
 تھی بے کوہ کئی محنت فرہاد عبث
 تا گلو تیغ نہ آئے گی کہ مر جاؤں کا
 زور بازو مجھے دکھلاتا ہے جلاذ عبث
 خوب رویوں سے تمناے وفا حیف نسیم
 دل لگایا ہے تو اب شکوہ بیداد عبث

(۱۳۴)

سہربانی ہے دم مرگ یہ اے یار عبث
 دیکھنے آئے ہو تم صورت بیمار عبث
 کم نہ تھے داغ جگر سیر کو افسوس کہ ہم
 دیکھنے آئے ہیں کیفیت گلزار عبث
 آپ کی بخل طبیعت سے اب امید نہیں
 لوٹنے آئے ہیں ہم دولت دیدار عبث
 کون سی بے ادبی کی جو کہا حال اپنا
 ہم سے بل کرنے لگے گیسوئے خمدار عبث
 غیر ممکن ہے کہ ہمسک سے میسر ہو فیض
 دھن زخم نے چوڑے لب سوافار عبث
 میں ہوں افرہ، ہنسی آئے گی کیوں کر لب پر
 گدگداتے ہیں کف ہا کو سر خار عبث
 مان لو تم سے جو کہنا ہے وہ عیار نسیم
 ہو نہ آزرده کہیں کرنے ہو تکرار عبث

(۱۳۵)

بال آٹنے میں آیا خود بھائی ہے عبث
 خط ہوا وجہ کدورت اب صنائی ہے عبث
 یہ تصور وہ نہیں تم کو چھوٹا چھوڑ دے
 بندہ پرور اجتناب و ہارسائی ہے عبث
 عاشق جاں باز سے کیا ہانک بن کی گفتگو
 راست بازوں سے سری جاں کچ ادائی ہے عبث
 فصل گل میں کر دیا بے بال و پر صیاد نے
 اے دل مایوس اب شوق رھائی ہے عبث
 کاٹ کر پہلے سے سر رکھ دے گا قاتل ہاتھ پر
 اے دل شوریدہ شوق جبہ سائی ہے عبث
 کام کیا نکلیے گا اے دل آہ بے تاثیر سے
 یہ قدر اندازی، تیر ہوئی ہے عبث
 نکھت زلف معنبر سے معطر ہے دماغ
 اے صبا تو بونے گل بھر پاس لاقی ہے عبث
 خاکساروں کے لیے ہے خاک سے زینت نسیم
 آسمان پر ان غباروں کی چڑھائی ہے عبث

ردیف جیم عربی

(۱۳۶)

کہہ تو کیا اے چارہ گر تجھ کو ہوا منظور آج
 گھورتا ہے بے طرح کچھ دہلے نامور آج

دور سے آئے تھے شہرہ سن کے یہ اسیدوار
 بات بھی تو نے نہ ہو چھی اوہت مغرور آج
 کچھ عجب تاثیر کی تیغ نگاہ مست نے
 زخم کے منہ سے ٹپکتی ہے سے انگور آج
 اے خوشا قسمت کہ ہے پہلو میں وہ رشک قمر
 جلوہ گر ہے بعد مدت خانہ بے نور آج
 حشر کے سامان سے کم سامان فرقت بھی نہیں
 آ رہی ہے میرے فالوں سے صدائے اصوَر آج
 ہٹ پر آئے ہیں اگر وہ آئیں تو کچھ غم نہ کیا
 ہم بھی اے دل کب کسی کرتے ہیں تا مقدور آج
 ہو چھتے کیا ہو تب فرقت کی اے جاں گرمیاں
 ہاتھ بھی رکھنے نہیں دیتا تن مغرور آج
 برچھیاں کھائیں نظر کی اس قدر بہم نسیم
 دل ہارا ہو گیا ہے خانہ زنبور آج

(۱۳۷)

بیا جام سے چشمِ بیاں آج
 ہوئے پرانہ سالی میں جوان آج
 گریباں ساید دامن کرے کا
 کہ ہے مشقِ جنوں کا امتحاں آج
 تصور بھی نہیں جاتا وہاں تک
 غل ہے خوفِ چشمِ ہاسباں آج
 اشاروں نے خبر دی مدعا کی
 ہوئے باہم کلام بے زباں آج

اڑے اوراق گل باد خزاں سے
 ہوئی برہم کتاب بوستان آج
 عدم ہے میرا لاشہ کاشوں سے
 کہیں ڈھونڈو مزار بے نشان آج
 نہیں حال کمر میں اول آخر
 کہوں گا درمیاں کی داستان آج
 اثر لینے لگا ہر سے دعا کے
 کہ تھا مطلوب اک غنچہ وہاں آج
 صبا سے ہیں سبک باری کی دعوے
 بڑے بل پر ہے تیرا ناتوان آج
 چمن ویران ہوا مرجھا چکے بھول
 چلو ہوجھیں مزاج باغبان آج
 کھنچے شمشیر ہاں خالی نہ جائے
 یہ دولت ہو نصیب دشمنان آج
 نگاہوں سے جہاں ہوتا ہے زخمی
 لگاتے ہیں وہ تیرے بے کہاں آج
 نسیم اپنے کلام پاک سے ہے
 بہار گلشن ہندوستان آج

(۱۳۸)

حکم تھا روز گزشتہ میں کہ ہم آتے ہیں آج
 جو کہا تھا گل وہی پھر آپ فرماتے ہیں آج
 حال دل کیوں کر کہیں ہٹ پرانہیں ہاتے ہیں آج
 میرے بوسوں کی لب ناز کہ قسم کھاتے ہیں آج

رنگ عارض غیر کے بوسوں نے پھیکا کر دیا
 دیدہ بیدار ان کے ہم سے شرماتے ہیں آج
 مزدہ اے دل ہاتھ سوے دامن قاتل بڑھا
 ہاؤں آغوش اجل میں چل کے پھیلاتے ہیں آج
 اب تو یہ نوبت ہوئی تم بھی قدم رنجہ کرو
 جا چکے عیسیٰ احیا دیکھنے آتے ہیں آج
 منزل مقصود تک جانے کی طاقت جو نہیں
 جا بہ جا آنسو مرے تھک تھک کے رہ جاتے ہیں آج
 دم نہیں لیتے جو منہ کھولیں اماں کے واسطے
 متصل قبر ننگہ وہ ہم پہ ہر ساتے ہیں آج
 آؤرو متد تعلق ہے مری دیوانگی
 دیکھنے کو دیدہ زنجیر ترسانے ہیں آج
 غفلت قاتل سے حاصل ہے ہمیں ہڑمردگی
 زخم تن اپنے مرے ہو ہو کے مرجھاتے ہیں آج
 دیکھنے ہیں ابر رحمت سے ترے کیا کیا ملے
 اے فلک ہم دامن فریاد پھیلاتے ہیں آج
 کی ہے تعلیم حیا تیغ ادب آسوز نے
 اس لیے منہ کھولنے میں زخم شرماتے ہیں آج
 خندہ دزدیدہ ہے ہر ہر دھان زخم میں
 شادی آلودہ سے دل اپنا پھیلاتے ہیں آج
 شام لوقت نے سکھائے ہیں مجھے کیا کیا خیال
 اے فلک ہشیار پھر فالے مرے آتے ہیں آج
 گو قبل از حشر مل کر فیصلہ کر لیں ہم
 زندہ کر لینا ہمیں تو تم پہ مر جاتے ہیں آج

ہیں خیالی نامہ و پیغام ان سے اے نسیم
متصل بیک تصور اپنے دوڑاتے ہیں آج

(۱۳۹)

بے خبر ہے انجمن بے ہوش ہے جانا نہ آج
خوب چکر دے رہی ہے گردش پہاڑ آج
حسرتیں عاشق کی اپنے دیکھ لے ہنگام نزع
ایک دم تو اور بھی پہلو سے ظالم جا نہ آج
صحبت اک حور بہشتی سے جو حاصل ہے مجھے
رشک فردوس معلّا ہے مرا کاشانہ آج
تیزیء ناخن سے دامن جراحت چاک ہے
امتحان عشق کرتا ہے ترا دیوانہ آج
جان جاں ثابت ہوا شب صرف بیداری ہوئے
محو خواب شرم ہے کیوں نرگس مستانہ آج
فیصلہ ہو جائے باہم اب ادھر ہوں یا ادھر
گفتگو کرتے ہیں خود قاتل سے بیباکانہ آج
بن گیا اشک ندامت دیدہ زنجیر میں
شرم سے ہانی ہوا ایسا ترا دیوانہ آج
صورت ہسمل طپاں تھا میں فراق یار میں
کیا کہوں کیا کیا رہا ہے حال بے تابانہ آج
خیر ہے کس واسطے گھبرا رہے ہو اس طرح
کس طرف جاتے ہو کیوں ہے حال بے تابانہ آج
بہر ہمار آئی بڑھے جوش جنوں کے ولولے
لے چلا بہر سوئے صحرا شوق بے تابانہ آج

جام کیسا خم کے خم خالی نہ کر دیں تو سہی
 دیکھ لے ساقی کمال ہمت مستانہ آج
 کیا ادب ہے محفل رندان ساغر فوش کا
 کرتی ہے موج حیا بھی لغزش مستانہ آج
 ہے ہجوم کیف مستی لڑکھڑاتے ہیں قدم
 لے چلی دیکھیں کدھر کو لغزش مستانہ آج
 چشم ساغر دل ہے مینا شوق سے کیفی ہے روح
 آمد انفاس میں ہے لغزش مستانہ آج
 ہاتھ میں ساغر بغل میں شیشہ سر پر ہو سبو
 کیجیے پیر مغاں کی خلعتیں مستانہ آج
 دیکھتا ہے سوئے ساغر کیوں نگاہ تیز سے
 دیکھتے لاتا ہے آت کیا دل مستانہ آج
 رشک سے کیوں کرنہ چائے ہوئے اپنے بادہ خوار
 لذت سے لے رہا ہے ہر لب بہانہ آج
 کس کو گل گشت چمن میں عزم سے نوشی ہوا
 دست شاخ گل بہ ہے گل صورت بہانہ آج
 ہجر جاناں میں نہ دے ساقی مجھے تکلیف جام
 ہے بھرا اشکوں سے آنکھوں کا سرے بہانہ آج
 جوش مستی پاؤں کس کس کے نہ ڈالے گا نسیم
 گردشیں کیا کیا نہ دے گی گردش بہانہ آج

(۱۴۰)

جسم میں موجود ہے کیفیت سے خانہ آج
 روح مثل بادہ ، تن ہے صورت بیانہ آج
 دید کے قابل نہیں ہے محفل رندانہ آج
 دختر رز کو لیے ہے گود میں بیانہ آج
 بے خودی آغوش ہی میں کر رہی ہے مستیاں
 سے خیال یار ہے دل ہے مرا بیانہ آج
 بن گئے پہلے ہی کیفی ہم نگاہ مست کے
 لب تک آنے بھی نہیں پایا لب بیانہ آج
 یک نہ زاہد اس قدر چل سوئے سے خانہ چلیں
 دیکھ لے تو بھی بہار صحبت رندانہ آج
 دل منور ہے خیال عارضی پر نور سے
 مطلع خورشید تاہاں ہے مرا کاشانہ آج
 خون ہو کر سے ٹپکتا ہے دھان زخم سے
 بن گیا ہوں میں شکاف پہلوئے بیانہ آج
 چھٹ نہیں سکتا وہ کی ہے بخیہ دوزی شوق نے
 ہے دھن گویا کہ پیوند لب بیانہ آج
 محاسب نے آ کے محفل کو نمازی کر دیا
 جھک گئے خم گر پڑا سجدے میں ہر بیانہ آج
 روح اپنا گھر سمجھتی ہے تو عشق اپنا مقام
 دو مکین ہیں ایک قصر جسم میں ہم خانہ آج
 زلف میں ہنگام آرائش نہاں ہو جائے گا
 جسم سو پیدا کرے گا استخوان شانہ آج

التیام زخم کر دے گی یہ آرائش تری
 چاک گیسو اے صنم بھر دے گا چاک شانہ آج
 چھپ گئے پردے میں خم آنے ہی مجھ سے نوش کے
 چین گیسو ہو کے سٹا دامن سے خانہ آج
 جل رہا ہوں وصل میں بھی شعلہ رخسار سے
 بن گئی تقدیر میری قسمت پروانہ آج
 ناز کرتا ہے تصور بھی جلال بار کا
 دل کو حاصل ہے مرے تکلیف معشوقانہ آج
 چرخ ہر روحیں زمانے میں بشر مشتاق ہیں
 ناز جانان ہو گیا شاید مرا انسانہ آج
 شمع ہالیں کی کھتا ہے نہ پرواے چراغ
 بے کسی دکھلا رہی ہے ہمت مردانہ آج
 بعد مدت آمد آمد ہے عروس مرگ کی
 جلوۂ مدفن کھاتا ہے مرا کٹکانہ آج
 ہمت جلاد دے گی قید جسمی سے نجات
 مژدہ باداے روح تجھ کو فرقت کٹکانہ آج
 جل گیا پروانہ دیکھو ایک ہی انداز میں
 بار نے کی شمع کو تعلیم معشوقانہ آج
 یہ غزل فرمائش احباب سے لکھی نسیم
 ورنہ یہ سوداے بے جا اپنے سر تھا میں نہ آج

ردیف جم فارسی

(۱۴۱)

نہیں دیکھے یہ تصور کی بھی زنجیر کے بیچ
 کس ہلا کے ہیں تری زلف گرہ گیر کے بیچ
 لاکھ انسان ہو ہوشیار مگر اے دل زار
 فہم میں آئے ہیں کس کی خط تقدیر کے بیچ
 خط میں اوصاف لکھے کا کل برہم کے جو آج
 ہم سمجھتے ہیں ستم گر تری تحریر کے بیچ
 ایک دو ہوں تو کلمہ ان کا زبان پر آئے
 روز ہوتے ہیں نئے آس بت بے ہر کے بیچ
 سرگزشت اپنی سنائیں تجھے کیا خاک نسیم
 ہم سے جاتی ہی نہیں اس فلک پر کے بیچ

ردیف حامی حطی

(۱۴۲)

بہاؤ ہے جب سے دلبر عیار کی طرح
 بے ہوش ہوں میں مردم بیمار کی طرح
 کہتے ہیں مجھ کو دیکھ کے خاموش ، خیر ہے
 کیوں چپ کھڑے ہو سامنے دیوار کی طرح
 اے روزن درجہ جانان قصور کیا
 کیوں کھورتا ہے چشم ستم گار کی طرح

اللہ رے درازی گیسوے دل رہا
 گھٹتے نہیں کبھی شب بیمار کی طرح
 کچھ حال اپنا کہہ تو ہوا کیا تجھے نسیم
 کرتا ہے آہیں کس لیے بیمار کی طرح
 (۱۴۳)

رکھتی ہے کب اعتبار اے جان روح
 جسم میں ہے چار دن مہمان روح
 فکر دنیا خواہش عیش بقا
 کیا نہیں رکھتی بھلا ارمان روح
 میٹروں آنے ہیں خاطر میں خیال
 روز کرتی ہے نئے سامان روح
 جسم کیا شے ہے کہ تا هنگام مرگ
 دوست رکھتی ہے اے ہر آن روح
 غور سے دیکھا جو ہم نے اے نسیم
 تن میں رکھتی ہے نہایت شان روح
 (۱۴۴)

رہی' ہمیشہ اسیری کے اختیار میں روح
 چھٹی بدن سے بھنسی دام زلف یار میں روح
 بدل رہا ہے جنازے پہ کروٹیں لاشہ
 پس فنا ہے تری یاد جسم زار میں روح

۱۔ سراپا سخن (صفحہ ۳۱) میں یہ زائد ہے
 خراش پائیں سری وہ مزے ہوئے حاصل
 سوال کرتی جو ہوئی زبان غاروش روح

ملال تم کو ہے تم ہو دل مکدر میں
 غبار روح میں ہے یا کہ ہے غبار میں روح
 کہیں اجازت رفتار دے نزاکت بار
 کہ راہ نکلتی ہے آغوش انتظار میں روح
 فناے عشق میں کیا پرگزیدگی ہے ہیں
 کہ اپنا جسم ہوا ہے تن مزار میں روح
 نہ زندگی سے خوشی ہوں نہ موت سے راضی
 نہ اختیار میں دل ہے نہ اختیار میں روح
 دکھا دے جلوۂ آخر کہ وقت ہے آخر
 ہے مہیاں نفس چند جسم زار میں روح
 نہیں ہیں کم ترے مستوں کی مستیاں پس مرگ
 بہک رہی ہے ابھی تک اُسی غبار میں روح
 یا ہے بادۂ آفت کا ساغر لب ریز
 اسی سرور میں دل ہے اسی غبار میں روح
 عجب نہیں جو ہکڑے تجھے مری آغوش
 ترا خیال ہوا ہے مری کنار میں روح
 خیال گل کبھی خاطر سے کم نہ ہو بلبل
 ہار یہ ہے کہ نکلے اسی ہار میں روح
 ہار داغ جگر سے ہوا مزاج نہ سر
 تمام عمر رہی میر لالہ زار میں روح
 خیال کا کل برہم سے حال ہے برہم
 پھنسے ہوئے ہے عجب دام انتشار میں روح

۱۔ "آخر ہے"۔ سراپا سخن (ص ۳۱) (مرتب)

۲۔ "انتظار"۔ سراپا سخن (ص ۳۱) (مرتب)

۳۔ "برہم ہے"۔ سراپا سخن (ص ۳۱) (مرتب)

عدم ہوا ہے بدن کا ہش محبت سے
کنار قبر میں ہے زحمت فشار میں روح
خوش آئی عادت طفلی پس فدا بھی نسیم
کہ لوٹتی ہے مرے دامن مزار میں روح

(۱۲۵)

تن ضعف سے کہاں کہ جو ہوتی بدن میں روح
لپٹی ہوئی ہے جسم سمجھ کر کفن میں روح
ہے آپ اپنے دید میں معشوق باطنی
بحو برہنکی ہے لباس بدن میں روح
قاتل ضرور چاہیے تکلیف مخلصی
کب سے اسیر دام ہے رکھائے تن میں روح
ہر سوں سے ہیں نظارۂ باہم کے مشغلے
یاں روح تن کی دید میں ہے دید تن میں روح
سینہ ہجوم داغ سے گویا ہے لالہ زار
رہتی ہے یاد دل پر گل ہیرہن میں روح
ہر سو ہے مثل نکمت گل جوش انتشار
ہے جستجوئے دل پر غنچہ دہن میں روح

- ۱۔ ”تن ضعف سے کہاں ہے جو ٹہہرے بدن میں روح“
تذکرۂ نادر ص ۱۶ مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب
مطبوعہ سرگراز پریس لکھنؤ ۱۹۵۷ء
۲۔ ”سینہ ہجوم داغ سے کرتا ہوں لالہ زار“
تذکرۂ نادر ص ۱۶ مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب
مطبوعہ سرگراز پریس لکھنؤ ۱۹۵۷ء
۳۔ ”کرتا ہوں لالہ زار“۔ سراپا سخن ص ۳۲

دیتا ہے زخم اثر جاں لعاب تیغ
 رکھتا ہے ہر شکاف جراحت دھن میں روح
 ایسے ہیں حلقہ ہائے رگ جسم استوار
 گویا پڑی ہے بندش قار رسن میں روح
 ممکن نہیں کہ جائے مصیبت فراق کی
 نکلے گی ایک دن اسی ریخ و عن میں روح
 اے عشق! کچھ غبار بدن چھوڑ دیجیو
 احباب سے لپٹ نہ سکے گی کفن میں روح
 غافل طلسم دھر مقام فریب ہے
 الکائنہ تو محبت ہر مرد و زن میں روح
 کیسا لعاب افعی گیسو میں زہر تھا
 پانی ہوئی جو دیکھتے ہی میرے تن میں روح
 اے شمع رہ بصورت پروانہ رات دن
 رہتی ہے محو دید تری الجمن میں روح
 عصمت شعار پاک ہیں لوٹ گناہ؟ سے
 پردہ کھے رہی گے حجاب بدن میں روح؟
 ہر وقت؟ ہے اذیت بے حد ہمیں نسیم
 بے چین ہے خیال بت سیم تن میں روح

۱۔ ”ہوئے ہے“ مرتب

۱۔ ”طائف“ تذکرہ ناظر ص ۱۶۳ اور تذکرہ شرائط سخن ص ۳۲

۲۔ ”نگاہ“ دیوان نیم ص ۱۳۶ میں ہے اور تذکرہ سراپا سخن ص ۳۲ میں ”گناہ“ ہے۔ (مرتب)

۳۔ تذکرہ سراپا (ص ۳۲) میں مقطع سے پہلے یہ شعر زائد ہے۔

دل صاف کہ جلوۂ باطن نظر پڑے

آئی ہے دید حسن دکھانے بدن میں روح

ردیف خائے معجمہ

(۱۴۶)

نہیں جلاد کی کچھ آستیں سرخ
 شہیدوں کے لہو سے ہے زمیں سرخ
 دکھایا اشک غوٹیں نے نیا رنگ
 سر داسن سے ہے تا آستیں سرخ
 یہ رنگ پیرہن تہمت فزا ہے
 کہ ہے قاتل ابھی تک آستیں سرخ
 غضب لائے گی یہ آتش مزاجی
 کہ ہے غصہ سے روئے مہ جیبی سرخ
 شگون قتل ایذا دوستان ہے
 جو ہے ہر میں لباس نازنیں سرخ
 ہمارا لخت دل ہو زیب خاتم
 کہ اب بہتر نہیں اس سے نکلیں سرخ
 خبر کیا میرے دل کی ہو چھتے ہو
 سناں تیر کیا دیکھے نہیں سرخ
 نشان خون بسمل کم نہ ہو کا
 رہے گا مدتوں روئے زمیں سرخ
 میں شیدا تھا لب رنگیں کا تیرے
 کفن دینا مجھے اے نازنیں سرخ
 ترا بسمل جو بے تاب پر آئے
 تو ہو ہشت فلک روئے زمیں سرخ

زبان تیغ سے ہے جسم رنگیں
 وہاں زخم ہیں اے ہم نشیں سرخ
 لباس سرخ پہنا سم تن نے
 نظر آتا ہے رنگ باسپیں سرخ
 جہا رنگ شہادت میرا ایسا
 کہ آن کی آنکلیاں ہرسوں رہیں سرخ
 نکالا ہے بغل سے دل کو میں نے
 برائے نذر لایا ہوں نگیں سرخ
 نسیم اسے لکھے ہیں شعر رنگیں
 ہرنگ گل غزل کی ہے زمیں سرخ

ردیف دال مہملہ

(۱۴۷)

نہ جانے گی ترے وحشی کی رائگاں فریاد
 یقین ہے کہ ہو زنجیر آسمان فریاد
 فلک تو کیا ہے لب عرش تک یہ جانے کی
 میں ناتواں ہوں نہیں میری ناتواں فریاد
 شب فراق بڑے لطف سے گزرتی ہے
 انیس نارنگان دوست مہربان فریاد
 بہت دنوں میں ہمیں آج نیند آئی ہے
 نہ کر مزار پہ رو کے نوحہ خوان فریاد
 یہ ضعف ہے کہ ہم اک آہ کو ترستے ہیں
 اسیر سینہ ہے کیا آئے تا دھان فریاد

کمال قاعدہ دان ستم ہے برسوں سے
 اٹھا چکی ہے بہت صحبت ہستاں فریاد
 اثر بھرا ہے وہ درد فراق کا مجھ میں
 کریں گے بعد فنا میری اے استخوان فریاد
 بہت دنوں میں دل آزاریاں یہ سیکھے گی
 ابھی نہیں ہے تمھاری اے مزاج دان فریاد
 نہ تخت عرش نہ کرسی نہ لا مکان دیکھا
 نہ جانے کی ابھی میری کہاں کہاں فریاد
 کبھی تو جذب محبت اثر دکھائے گا
 کبھی تو لائے گی اُن کو کشاں کشاں فریاد
 خیال کا کل شب رنگ سے یہ حال ہوا
 مرے دھن سے نکل کر ہوئی دھواں فریاد
 یہی ہے اے فلک پیر صورت انصاف
 سنیں وہ نغمہ مطرب کروں میں یاں فریاد
 نسیم چرخ و زمیں پر نہیں ہے کچھ موقوف
 کہاں کہاں نہ بنائے گی آشیان فریاد

(۱۴۸)

سنائے کیا تمھیں یسار ناتوان فریاد
 کہ دل سے آ نہیں سکتی ہے تازباں فریاد
 شب فراق میں تا صبح میرے ساتھ رہی
 بہت دنوں میں ہوئی مجھ پہ مہرباں فریاد
 فراز چرخ سے تا عرش کون سا ہے سفر
 ابھی نہ جانے کی دیکھو کہاں کہاں فریاد

صدا نکلتی ہے ہر استخوان سے وقت شکست
 میں کر کے خاک پہ کرنا ہوں بے دہاں فریاد
 فلک کے ظلم سے ہر وقت لب پہ آہیں ہیں
 جفا سے پیر سے کرتے ہیں نوجوان فریاد
 وہ لطف کرتے ہیں دل دیکھنا جو ہے منظور
 مجھے ہے ڈر نہ رکے وقت امتحان فریاد
 ہزار طور سے ڈھونڈھا پتا نہیں ملتا
 نکل کے منہ سے ہوئی بے نشان کہاں فریاد
 بلندیاں جو سہائیں مزاج عاشق میں
 بہت دنوں سے ہے سیاح آسمان فریاد
 یقین ہے کہ دکھائے نسیم کچھ تاثیر
 نہ جائے گی کبھی عاشق کی راتیں فریاد

(۱۲۹)

اپنی ہستی پر نہ کیوں ہو منفعل ہر بار درد
 جانتا ہے دشمن اپنا صاحب آزار درد
 وہ بھی آ جاتے ہیں اکثر ہوجھنے کے واسطے
 باعث راحت مجھے ہے کہو نہ اے غم خوار درد
 ایک جانب چارہ گرہیں ایک جانب غیر دوست
 ہم کو دکھلاتا ہے کیا کیا گرمی بازار درد
 صبح سے تا شام نالہ شام سے تا صبح آہ
 کس قدر رکھتا ہے دل میں عاشق بیمار درد
 صورت حرف غلط بیمار ہجران کا ترے
 مٹ گیا اے جان زیر سایہ دیوار درد

ضعف سے طاقت نہیں فریاد کی باقی رہی
 دل میں ہے میرے ہشکل لذت پیکار درد
 صورت معشوق ہے اس کی جدائی نا گوار
 دوست رکھتا ہے نہایت زخم جسم زار درد
 بے مصیبت دوستی لطف سخن ہوتا نہیں
 دل میں کچھ پیدا کرے ہر صاحب اشعار درد
 زخم دل چاک جگر سینہ سرا سر داغ دار
 کیا کہے رکھتا ہے کیا کیا عاشق ناچار درد
 عاشقوں کے حال کی معشوق کو ہروا نہیں
 تجھ کو کیا معلوم ہے رکھتے ہیں کیا اے یار درد
 نظم ہے کیفیت حال مصیبت غیر عشق
 کیا عجب پیدا کریں دل میں مرے اشعار درد
 ہم نفس کیا ہو چھتا ہے نالے میں کرتا ہوں کیوں
 آج کی شب ہے مرے پہلو میں بے دلدار درد
 کثرت تکلیف سے آتے ہیں نالے تا زبان
 غیر ممکن ہے کہ ہو بے کاوش آزار درد
 چاک کرتا ہے دم فریاد ہر گل ہیرن
 کس قدر رکھتا ہے شور بلبلی گلزار درد
 کم نہیں ہے زخم سے ایذا کلام تلخ کی
 کرتی ہے پیدا جگر میں بات کی تلوار درد
 بات منہ سے کس طرح نکلیے کہ عالم غیر ہے
 آج رکھتا ہے نسیم اپنا دل افکار درد

(۱۵۰)

نقاب منہ سے اٹھا دے اگر ہمارا چاند
کنار چرخ سے کرنے لگے کنار چاند

فروغ رخ کے مضامین کنار فکر میں ہیں
فراز چرخ سے آغوش میں آتارا چاند
دو نیم ہو تری تیغ نگاہ سے کٹ کر
جو دیکھ ہائے ذرا آنکھ کا اشارا چاند

نہ دیکھے سوئے قمر بھر کبھی نظر بھر کر
دکھائی دے جو تجھے اے فلک ہمارا چاند
فروغ حسن نے ایسی تجلیماں بخشیں
زمین پہ ہے تری ہابوش کا ستارا چاند

یہ نور عکس رخ یار سے ہوا حاصل
کہ اپنے سینے میں آئے نے آتارا چاند
اٹھا نقاب کہہ دل دیر سے تڑپتا ہے
دکھادے حسن جہاں تاب کا خدارا چاند

جو دیکھ لے کف ہا یار کے قدم چومے
کرے فراق کنار فلک گوارا چاند
چاڑ نور قدم سے ترے منور ہوں
عجب نہیں جو بنے روئے سنگ خارا چاند

ہلال بن کے فلک پر جو بدر ہوتا ہے
سمجھ گیا تری ابرو کا کچھ اشارا چاند

تمہارے حسن نے ہر دانو^۱ میں آئے جیتا
 ہزار طرح سے گھٹ بڑھ کے بازی ہارا چاند
 چمک کے تیغ تبسم نے روشنی یہ دی
 ہوا ہے سینے میں دل کا ہر ایک ہارا چاند
 نسیم ایسی غزل یہ بلند روشن ہے
 سنے جو ہار کہے چرخ سے آقارا چاند

(۱۵۱)

کس قدر خاطر غم دیدہ ہے دشوار پسند
 جز اجل کچھ نہیں کرتا ترا بسیار پسند
 سر و تن دیدہ و دل جان و جگر حاضر ہیں
 آج محروم نہ رکھ کچھ تو کراے بار پسند
 دیکھ لیتے ہیں تمہیں جب ادھر آجاتے ہو
 کس طرح ہوں نہ ہمیں روزن دیوار پسند
 رحم کچھ عیب ہے جس سے کہ خفا ہوتے ہو
 یہ خوشی ہے جو کہیں دل پر آزار پسند
 جی کو بھابھا ہے کچھ ایسا کہ نہیں کچھ بھاتا
 میل صحرا ہے نہ ہے جلوۂ کلی زار پسند
 کام غلام سے ہے اس کو نہ غرض حوروں سے
 کچھ نہیں کرتا ترا طالب دیدار پسند

۱۔ دانوں یا داؤں (دانو یا داؤ) شطرنج کی چال، وار، نوبتدار،

مکر، فریب، حیلہ، دھوکا۔ فرہنگ آصفیہ جلد ۲ ص ۲۲۹

(مرتب)

خار سے ابلے پا کو ہے رغبت ایسی
 جس طرح حضرت منصور کو تھی دار پسند
 خانہ قید سمجھ کر نہ ہسر کی اس میں
 اس لیے روح کو آیا نہ تن زار پسند
 تم ہٹیں لاکھ کرو دل نہیں ہٹنے کا مرا
 جی میں جو آئے کہو ہے مجھے تکرار پسند
 کس لیے چین بہ جبین ہو کہو کیسا ہے مزاج
 کون سی فکر میں ہے خاطر اغیار پسند
 دام الفت سے بجز مرگ رہائی مشکل
 کیا کرے غیر قضا تیرا گنہ گار پسند
 کیا مزے ہم نفس سرد میں ہاتے ہیں نسیم
 اس لیے عشق کی ہے گرمی بازار پسند
 ردیف ذال معجمہ

(۱۵۲)

ہوش باقی نہیں جس دم سے کہ دیکھا تعویذ
 قہر لایا ہے مرے دل پہ بکھارا تعویذ
 دل تو کیا جان کے پڑ جائیں گے لالے سب کو
 آفتیں لائے گا اے جان نہ کیا کیا تعویذ
 جو کہوں وہ نہ کریں عذر و تامل اس میں
 دوستو لائو میرے لیے ایسا تعویذ
 تھا نہ افسوں نہ یہ جادو نہ جگایا منتر
 کچھ تو سوچے کہ جو یوں آپ نے پھینکا تعویذ

جو ارادے ہیں طبیعت کے وہ سب ہیں معلوم
 کہتے ہیں ہنس کے نہ باندھیں گے یہ تیرا تعویذ
 چین کیسا کہ نہیں ہوش کسی میں اے جان
 مل گیا ہے کسی استاد سے اچھا تعویذ
 بھر کوئی صورت دل خواہ نظر میں آئی
 آج تو نام خدا آپ نے باندھا تعویذ
 یہ تو اک بارہ دل ہے جو مرے ہاتھ میں ہے
 بدگمانی سے اسے آپ نے سمجھا تعویذ
 گومری زہست ہے منظور تو جلد اے غم خوار
 دفن کر آئندہ در اس کے کسی جا تعویذ
 مہر و مہ گرد ہیں کیا حسن ہے اللہ اللہ
 کچھ دکھاتا ہے نئی طرح کا جلوہ تعویذ
 دھجی باندھی جو ذرا داغ چھپانے کو نسیم
 میرے بازو پہ مرے بار نے سمجھا تعویذ

(۱۵۳)

ڈورا بھی چاہیے ایسا جو ہو ایسا تعویذ
 باندھنا رشتہ جان سے مرے اپنا تعویذ
 چاہیے سب سے حسنینوں کا ہو اچھا تعویذ
 تیرے بازو پہ بندھے شمس و قمر کا تعویذ
 اثر کرمی الفت نے کیا سوز سوا
 جل گیا بعد فنا میری لحد کا تعویذ
 عوض ظلم کوئی رحم بھی کراے گلچیں
 قبر بلبل پہ ہو برگ گل تر کا تعویذ

رات دن بازوے مڑکں پہ بندھا رہتا ہے
 ہے مرا اشک سرے دیدہ تر کا تعویذ
 پھر وہی حالت دل ہے کہ نہیں دم پھر چیں
 دوستو لاؤ کہیں سے تو خدارا تعویذ
 کچھ ابھی سے خفقاں کو سرے افزائش ہے
 کیا غضب لائے گا دیکھیں یہ سمھارا تعویذ
 کھینچ لائے اثر جذب محبت سے تجھے
 او بری ہم نے کیا اب کے وہ پیدا تعویذ
 خود بخود وہ پس مدت ادھر آئے ہیں نسیم
 کام آیا سری تقدیر کا لکھا تعویذ

ردیف رائے مہملہ

غزل مستزاد

(۱۵۲)

صدقے ترے جاؤں سرے ہمارے سرے دل بر، تو کیوں ہے مکدر
 حاضر ہوں ترے در پہ جھکائے ہوئے میں سر، لے ہاتھ میں خنجر
 جب تک کہ ہوں چپ جان غنیمت اسے دل پر، ہٹ کر نہ ستم کر
 کھلوا نہ مرا منہ کہ نہایت ہوں مکدر، کھل جائیں گے دفتر
 بے ڈھب نظر آتے ہیں جو دل پر ترے تیور، ہر وقت ہوں مضطر
 ہوں زیست کے سامان میسر مجھے کیوں کر، جب تو ہو مکدر
 کیا پوچھتے ہو عس کے کہ تو کیوں ہے مکدر، کیوں رہتا ہے مضطر
 ہر بارہ دل آنش فرقت سے دھک کر، ہے سینے میں انگر
 یہ حسن خداداد کہاں اس میں ہے اے جان، تو کیوں ہے پرارماں
 کیا بات ہے یوسف میں سرے آت دوراں، ہو تجھ سے جو بہار

کیا منہ سے کہوں اس کے سوا شکر خدا ہے ، جو کچھ ہے بچا ہے
 سب جانتے ہیں حال مرا مجھ کو ملا ہے ، معشوق ستم گر
 کتنی ہے بڑی کش مکش رنج میں اوقات ، آنت ہے ہر اک رات
 سنتا نہیں وہ ظالم بے درد مری بات ، اے واٹے مقدر
 ہوتا ہی نہیں شور کسی وقت ذرا کم ، آشفہ ہے عالم
 رہتا ہے بیا کوچہ سفاک میں ہر دم ، عنکابہ محشر
 دربان ہے تو بھی ستم و جور میں کامل ، بد کہنے سے حاصل
 کیوں ہم کو گھر کتا ہے کہ قابو میں نہیں دل ، ہیں عاشق مضطر
 اک طرفہ تماشا یہ نمایاں ہے مری جان ، روتا ہوں جو ہر آن
 جو بوند گراتی ہے مری چشم در افشاں ، بن جاتا ہے گوہر
 اب چارا کروں کا بھی ہوتا ہے اشارا ، ہم کو نہیں یارا
 جز وصل نہیں عاشق ے تلخ کا چارا ، کیوں کر نہ ہوں ششدر
 ساجد ہیں ترے در پہ مسلمان و برعین ، رکھتے ہوئے گردن
 بھر عارض تاباں کا دکھا جلوۂ روشن ، او آنت محشر
 بھر خوبی تقدیر سے آئی وہی مشکل ، ہو جائیں گے بسمل
 بھر آج ہیں اس قاتل خون خوار کے اے دل ، بدلے ہوئے نیور
 کیوں کر نہ ہو ہر عاشق بے تاب کو ارمان ، قربان دل و جان
 دو عارض تابندہ ترے اے مہ تاباں ، ہیں صبح مکرر
 جب سے کہ ہوا میں غم فرقت میں گرفتار ، مانند گنہگار
 وا رہتے ہیں اے جان سرے دہدۂ بیدار ، ہر دم صفت در
 ہاں قسمت اغیار پہ رشک آتے ہیں ہر دم ، کیا اور کہیں ہم
 سو وہ سرے پہلو میں بھی او فتنۂ عالم ، شب بھر نہیں دم بھر
 اے دل ہوس عشق نہ کرنا کبھی زہار ، ہشیار خبردار
 کب ہو چھتے ہیں بات حسینان جفا کار بے سلسلۂ زر

ریخ سخن تلخ کے شہرے ہوئے ہر سو ، نادم نہیں کچھ تو
 شمشیر زباں کے تری لو دل پر بد خو ، کھلنے لگے جوہر
 تدبیر ہے بے فائدہ اچھا نہیں انجام ، ہوں عاشق ناکام
 آنے کا شب ہجر میں کیوں کر بچھے آرام ، بے پہلوئے دل پر
 دل حاجت دنیا سے پریشان ہے کیسا ، کوڑی ہے نہ بیسا
 افلاس نے گھبرا ہے نسیم آپ کو ایسا ، اے اے مقرر

(۱۵۵)

جس نے دیکھی ہو ترے رخسار روشن کی بہار
 کب خوشی آئی ہے اے اے دوست گلشن کی بہار
 اس قدر نازاں نہ ہو یہ رنگ گل ہے بے ثبات
 چار دن کے واسطے ہلبل ہے گلشن کی بہار
 فرقت جانناں ہجوم رنگ بے تاب کے جوش
 دل ٹھکلنے ہو تو دیکھیں چل کے گلشن کی بہار
 کون دیکھے بے ثباتی عالم ایجاد کی
 عارض گل کی طرح مہاں ہے گلشن کی بہار
 جلوۂ رخسار تاباں کا جو ہر جانب ہے عکس
 برق تاباں کی چمک دہتی ہے دامن کی بہار
 کیوں خفا ہوتا ہے چھینٹوں سے لبو کے بار بار
 اور بڑھ جائے گی ظالم تیرے دامن کی بہار
 سبزۂ نوخیز سے لطف گلستان ہے عیاں
 دیکھ آ کر او ستم گر میرے مدفن کی بہار
 گر نہیں کوئی لہ ہو باقی ہے کس کو احتیاج
 دیکھتی ہے بے کسی اب میرے مدفن کی بہار

کیوں صدقے جانے اے دل ہجوم داغ کے
 کم نہیں ہے جلوۂ گل زار سے تن کی ہمار
 ہاں الہا اب پردۂ رخسار روشن اے بری
 دیکھنے آئے ہیں ہم بھی تیرے جویں کی ہمار
 کہتے ہو تو بھی بہن جیسا کہ دیکھا انہیں
 تم کو خوشی آئی مگر ہوشاک دشمن کی ہمار
 مثل پیراہن ہوئے ہے زیور وحشت کی قدر
 کم کربیاں سے نہیں ہے طوق گردن کی ہمار
 سوز فرقت سے بھڑک اٹھتی ہے جب سینے میں آگ
 گرد ہو جاتی ہے اکثر شمع روشن کی ہمار
 داغ ہجر یار سینے پر غنیمت ہے نسیم
 دیکھتے ہیں ہر سحر ہم اپنے گلشن کی ہمار

(۱۵۶)

پھر شجر سر سبز ہیں کہتے ہیں آتی ہے ہمار
 رنگ بدلا دیکھیے کیا رنگ لاتی ہے ہمار
 مدتوں سے منتظر بیٹھے ہیں مشتاق جنوں
 دیکھیے کس کس کو دیوانہ بناتی ہے ہمار
 دیکھیے جب رنگ عالم اک نئے عالم پہ ہے
 صورت انفاس ہر دم آتی جاتی ہے ہمار
 رہتی ہیں فصل خزاں کی مدتوں تک گریباں
 چار دن کے واسطے گلشن میں ہے ہمار
 سبز کر دیتی ہے بنے سرخ کر دیتی ہے بھول
 رنگ کس کس طور سے اپنا جاتی ہے ہمار

کوئی گل ہے سرخ کوئی زرد کوئی نیلگون
 دیکھے جس رنگ میں کچھ رنگ لاقی ہے بہار
 جلوۂ گلشن دکھا کر بھشتی ہے راحتیں
 کلفت رنگ خزاں دل سے مٹاتی ہے بہار
 چھپ کے خود پردے میں کر دیتی ہے ظاہر صورتیں
 آپ پنہاں ہے مگر جلوے دکھاتی ہے بہار
 حال ہو جاتا ہے اہتر رنگ عاشق کی طرح
 سنتے ہی نام خزاں کچھ سہم جاتی ہے بہار
 غیر ممکن ہے کہ جھوڑے بے غنسائے صبح کو
 رات بھر غنچوں کو کیا کیا گدگداتی ہے بہار
 خندۂ گل کی صدائیں بے سبب آتی نہیں
 جوش و ہشت کے ہمیں مژدے سناتی ہے بہار
 اپنے استقبال اول سے نہ کیوں کر خوش رہے
 پہلے سب سے باغ میں بلبل کو ہاتی ہے بہار
 بلبلیں ہوتی ہیں خوش رنگینی گل دیکھ کر
 اپنے احساں چار دن سب ہر جتاتی ہے بہار
 بے ثباتی کا جو اپنی دھیان آتا ہے اسے
 گل سے اور بلبل سے کیا آنکھیں چراتی ہے بہار
 غالباً، عاشق ہے یہ بھی کسی کی ورنہ کیوں
 آپ کو ہر چشم لینا سے چھپاتی ہے بہار
 آدمی کر دیکھنا لازم ہے چشم غور سے
 کب بھلا ہنسنے میں لہجے مسکراتی ہے بہار
 آمد فصل خزاں ہے لطف رخصت ہے نسیم
 چلیے اب سوئے چمن سنتے ہیں جاتی ہے بہار

(۱۵۷)

آنسو نہیں ہیں یہ مڑا اشک بار ہر
 گویا نمود آبلہ ہے نوک خار ہر
 ناصح نہ کر یہ سر زنجیں بس معاف رکھ
 کب اختیار ہے دل بے اختیار ہر
 انہی کا شک ہوا کبھی زنجیرِ ناز کا
 کیا کیا گاہاں نہیں ہمیں گیسوے بار ہر
 نائب ہوں بدلتوں سے سمجھنا نہ اور کچھ
 تم سو رہو بس آج مرے اعتبار ہر
 جلوے دکھا رہا ہے عجب رنگ سوسنی
 نام خدا لبوں کی مٹی ہے بہار ہر
 کس طرح آنے چن بچھے ہجر بار میں
 بجلی گری ہے غم کی دل بے قرار ہر
 گلچیں ہے باغ میں نہ فغاں عندلیب کی
 دھوکے خزاں کے ہوتے ہیں فصل بہار ہر
 کیسی بہ باد گل تھی کہ خاموش کر دیا
 نالے بھی آسکے نہ زبان ہزار ہر
 رہنے دے کوئے بار میں جزو ضعیف ہوں
 احسان کر اے صبا مری مشت اخبار ہر
 کر امتحان حق و نفا عاشقوں کا کچھ
 صیاد عندلیب کے کھول ایک بار ہر
 امیدوار جوش جنوں چند روز سے
 بیٹھے ہوئے ہیں آمد فصل بہار ہر

جلوے دکھا رہے ہیں جگر میں معجوم داغ
 جوین ہے آج کل تو سرے لالہ زار پر
 ثابت نہیں یہ کس کے ہر ارمان کی خاک ہے
 اک بے کسی ہستی ہے شمع مزار پر
 رہتی ہے اشک بار جو شب بھر وہ میری طرح
 ہنستی ہے صبح گریدہ شمع مزار پر
 جو اس میں روشنی ہے وہ اس میں چمک کہاں
 چشمک ہے اشک کی گہر آب دار پر
 تارے بھرے ہیں دامن شب نے یہ ہے گان
 افشاں چمک رہی ہے جو کیسوے یار پر
 مدت کے بعد چند نفس چین آ گیا
 رکھا ہے کس نے پاؤں ہمارے مزار پر
 کھائے ہیں داغ ہم نے یہاں تک کہ اے نسیم
 دھوکا ہے کل ستان کا دل داغ دار پر

(۱۵۸)

ہوں میں عاشق جان جاتی ہے مری اُس نور پر
 وہ جو آیا تھا نظر موسیٰ کو جلوہ طور پر
 بس کہ لازم ہے حضوری عاشقوں کے واسطے
 دیکھ میرے دل میں دیکھا تھا جو موسیٰ طور پر
 لطف دید بے تکلف میں ہے عاشق کے لیے
 آنکھ بھی جھپکی تو کیا موسیٰ نے دیکھا طور پر
 ہر تعلق سے بری رہتا ہوں میں مثل ملک
 پھر طبیعت آگئی ہے ایک رشک حور پر

یہ نواکت یہ ادا یہ ناز یہ شوخی کہاں
 تجھ کو دیکھا ہے بڑے گی آنکھ کیوں کر حور پر
 ایک ہی گو نام میں لیکن جدا خصلت میں ہے
 آنکھ رندوں کی بڑے کیا زخم کے انگور پر
 وقت بے ہوشی جو لب پر نام انگور آگیا
 ہاتھ ڈالا میں نے اپنے زخم کے انگور پر
 وہ حرارت ہے کہ جو بہتا ہے آنسو آنکھ سے
 آنے آتے سوکھ جاتا ہے تن محروم پر
 وہ نہیں آکھ رسم دوستی سے جان جان
 رحم کرنا چاہیے کچھ عاشق مجبور پر

ولہ

(۱۵۹)

کل اگر آہیں کریں گے خاک پر
 جائیں گے نالے مرے افلاک پر
 ہاتھ میں خنجر کمر میں تیغ تیز
 یہ آزادے ایک مشت خاک پر
 روح عاشق یا حجاب آرزو
 ہیں کہاں کیا کیا تری پوشاک پر
 چھپ سکے گا تم سے کیا میرا مزار
 حسرتیں لوٹا کریں گی خاک پر
 تیغ غم کس کس طرح روز فراق
 ناز کرتی ہے دل صد چاک پر

داغ دل بے کار جانے کا نہیں
 بھول لالے کا آگے کا خاک پر
 صید جو دو چار ہیں لٹکے ہوئے
 آج عالم ہے ترے فتراک پر
 ہوسہ لب ہائے گل گون جو لیے
 رنگ ہے ہر ریشہ مسواک پر
 کیا عجب مجھ رند کا آنسو رہے
 دانہ انکور بن کر تاک پر
 حسرت انزا ہے مری طبع رواں
 رشک ہے اس تو سن چالاک پر
 کچھ تو فرماؤ غطا کیا ہو گئی
 قہر کیوں ہے عاشق غم ناک پر
 ابر کو دریا کو وقت امتحان
 رشک آیا دیدہ نم ناک پر
 متیں مانو اگر ہے آرزو
 آگے تم میرے مزار ہاک پر
 خال اک دانہ ہے کیوں کر رہ سکے
 آپ کے رخسار آتش ناک پر
 یاد دندان پری رو آ گئے
 برق چمکی خاطر غم ناک پر
 کس طرف جاتا ہے وہ عیار آج
 بیٹھیں اب چل کے اس کی تاک پر
 جان و دل جو محبت ہیں نسیم
 میں فدا ہوں صاحب لولاک پر

(۱۶۰)

جا ہے قطرہ خون جگر شمشیر دشمن پر
 محاشا ہے یہ گل پھولا نیا دیوار آہن پر
 اذیت دی میرے سوزِ نہاں کے جلنے والوں کو
 زباں میں پڑ گئے چھالے قدم رکھا جو مدفن پر
 اثر ہے حقیقت عشقِ صنم کا خاک میں اب تک
 قدم رکھے سے نیند آتی ہے میرے سنگِ مدفن پر
 وہ پرارِ ماں اٹھا میں اس جہاں سے بعدِ مردن بھی
 ہزاروں آرزوئیں لوٹتی ہیں خاکِ مدفن پر
 شکافِ پیرہن سے کثرتِ شادی ہویدا ہے
 کہاں ہوتا ہے ہنسنے کا ہمارے چاکِ دامن پر
 رگ گردن نہ کیوں کر صورتِ زناں ہو جائے
 طبیعتِ آگئی ہے اپنی اک طفلِ برہمن پر
 کبھی خنجر کبھی شمشیر وہ رکھتے ہیں پاس اپنے
 نہ کیوں کر رشک پیدا ہو ہمیں تقدیرِ آہن پر
 دکھاتی ہے قیامتِ جلوہ دیوانے کے جلنے میں
 بقیں ہے صور کا ہر قالہ زنجیرِ آہن پر
 بنایا باغ کو بھی دشتِ آخرِ بختِ بلبل نے
 نظر آتے ہیں کانٹے ہر طرف دیوارِ کشن پر
 سیاہی ہے سببِ کب ہے نہیں خالی یہ دھوکے سے
 کہاں ہے بختِ عاشق کا ہمیں گلِ ہائے سوسن پر
 خوشا قسمت کہ ہم آغوشِ ہر دم تم سے رہتا ہے
 بجا ہے رشک آئے گر مجھے تقدیرِ دشمن پر

ہند چشم سوزن ہوں اگر میں کیا عجب اس کا
نقاہت سے کہاں ہے رشتہ باریک کا تن پر
گلو سے کر دیا آزاد اس کو میرے ہاتھوں نے
جنوں احساں ہوا تیرا نہایت طوق گردن پر

ولہ

(۱۶۱)

رحم آ جاتا ہے دشمن کی پریشانی پر
زخم خوں روئے ہیں شمشیر کی عربانی پر
کیوں رکھا کاتب قدرت نے فلک پر خورشید
نقطہ دینا تھا یہ تیرے خط پریشانی پر
صاف رکھ قاتل عالم شکن ابرو کو
سورجہ جم نہ رہے تیغ خراسانی پر
آمد فصل بہاری ہے بے استقبال
کھولے ہیں شوق میں سرغاں گلستانی پر
نالہ زنجیر سے چھپ چھپ کے نکل جاتا ہے
پاسیاں ہاتے ہیں الزام نکبیانی پر
ہو کئی بے سخنی قفل دہن غنچوں کو
تھا شک بے ادبی خندہ پہنانی پر
برہمی کرتی ہے مجموعہ خاطر برہم
صبر کھو دیتے ہیں زلفوں کی پریشانی پر

نقطۂ حسن ہے تل مصحف رخ پر تیرے
 کفر ہے صورت شک آہۂ قرآنی پر
 تیرے آگے تو فروغ رخ روشن معلوم
 دیجیے نقطۂ شک یوسف کنتعانی پر
 آسماں صحبت احباب سے کب خالی ہے
 نالے رہتے ہیں ہمارے فلک ثانی پر
 ہم وہ مشتاق اذیت ہیں کہ ہر دم قاتل
 زخم کھاتے ہیں امید تک افشانی پر
 سرگئے ایک ہی جلوے میں پری رویوں کے
 پاؤں دکھا بھی نہ تھا تخت سلیمانی پر
 راہ برگشتہ فصیحی نظر آئے کیا کیا
 خضر کا شک ہے مجھے غول پیاہانی پر
 سرگئے کہتے ہی کہتے ترے کیسو کاحال
 مختصر جھکڑے ہوئے قصۂ طولانی پر
 قبر میں جوشش گریہ نے ابھارا ہے نسیم
 ہم تہ خاک بھی دھتے ہیں سدا پانی پر

(۱۶۲)

غیر ممکن ہے کہ ہو ہجر میں اے بارِ سحر
 دیکھے کرتا ہے کیوں کر ترا بارِ سحر
 ناخن نکرے بھی کھل نہیں سکتی ہرگز
 ہو گئی میرے لیے عقدۂ دشوارِ سحر

نظر آتی نہیں کس وقت سے ہم دیکھتے ہیں
 ہو گئی اب تو یہ شکل - کمر یار سحر
 ہو چھٹا کیا ہے گزرتی ہے شب غم کیوں کر
 رو کے کرتے ہیں ترے عاشق بیمار سحر
 کیا کہوں ہوتی ہے کچھ اور ہی ان کی صورت
 دیکھتے ہیں جو ترے طالب دیدار سحر
 آنکھیں وعدہ فراموش کہ عالم ہے تنگ
 اب نہ دیکھیں گے ترے تازہ گرفتار سحر
 میں تو ہوں فزع میں اُن کو ہے اذیت ہر دم
 کس طرح کرتے ہیں دیکھوں مرے غم خوار سحر
 منہ دکھاتی نہیں انسوس شبِ فرقت میں
 دکھتی ہے عاشق جاں باز سے کیا عار سحر
 کچھ حیات نفس چند ہے باقی اے دل
 ہم ہڑیں ہوں گے کسی کے پس دیوار سحر
 رات اور دن کے نمونے ہیں مری جاں تجھ میں
 زلف ہے شام اگر ہیں ترے رخسار سحر
 ہر نفس میں دم آخر کے مزے آتے ہیں
 یہ بقیں کب ہے کہ دیکھیں ترے بیمار سحر
 وہ تو پہلو میں نہیں درد کی شدت دیکھیں
 آج کس طور سے ہواے دل بیمار سحر
 روز دو چار نئے گل نظر آتے ہیں نسیم
 جاتے ہیں ہم جو کبھی جانب گل زار سحر

(۱۶۳)

زخم' تیغ یار نے بخشا دھاں بالائے سر
 شکر کو کیوں کر نہ ہو ہر موزبان بالائے سر
 نوک نیزہ سر پہ ہے گردن پہ ہے پیکان تیر
 اک زباں زیب گلو ہے اک زباں بالائے سر
 زندگی' کرتی جو بحث حرمت بلاہ حرام
 کھینچ کر رکھ دیتے واعظ کی زباں بالائے سر
 خوب دیکھے اس خراب آباد کے پست و بلند
 خاک زیر پا ہے دود آہاں بالائے سر
 عاشق آس کا ہوں کہ ہنگام لراق جسم و روح
 لمے کی لاشے کو سرے حور جنان بالائے سر
 راحت' آغوش کف پا کی حنا حاصل کرے
 ہل کرے کیوں کر نہ زلفاے جان جان بالائے سر

۱۔ یہ مطلع تذکرہ سراپا سخن مؤلفہ محسن، ص ۱۶، نول کشور دہلی طبع ۱۸۹۸ ع میں زیادہ ہے۔

بے زبانوں کو ملا اوج لسان بالائے سر
 ہر شجر رکھتا ہے کوہل کی زباں بالائے سر

کلیات نسیم میں دو غزلہ ہے۔ سراپا سخن میں غزل ۱۶۴ کا بھی ایک شعر اور بعض مصرعے شامل ہیں۔

۲۔ یہ مصرع تذکرہ سراپا سخن (صفحہ ۱۶) میں اس طرح ہے۔

گفتگوئے حرمت سے زندگی کرتی حرام

۳۔ ابشاً راحت آغوش پا رنگ حنا کو ہو حصول - (مرتب)

بیچ و خم بھرا فمی گھسو کے دکھلانے لگا
 بھر بلا لایا دل نا مہرباں بالائے سر
 اے فلک تیرے ستم کو کیا سمجھتے ہیں بھلا
 لیتے ہیں ہر روز ہم جو رہتاں بالائے سر
 کس کی بابوسی کی خاطر یہ بلندی ہے تجھے
 اے فلک ہے کون سا عرش آسماں بالائے سر
 شاہد سودائے عشق پار ہیں مجھ کو عزیز
 سنگ طفلان کے میں رکھتا ہوں نشان بالائے سر
 صحبت یک دم سے بلبل کو نہ گلچیں منع کر
 لے نہ جانے کی آٹھا کر بوستان بالائے سر
 ساہہ پرورد نمنا ہے دل نادان مرا
 لائیو آفت نہ کوئی آسماں بالائے سر
 قیدِ ظالم سے ہو حاصل خلصی کس دن نسیم
 دیکھے کب تک رہے یہ آسماں بالائے سر

(۱۶۴)

ہے بلندی میں بھی ہستی کا نشان بالائے سر
 آسماں رکھتا ہے اور اک آسماں بالائے سر
 صحبت اعلیٰ سے ادنیٰ کو بھی عزت ہے حصول
 طرہ دستار نے پایا مکان بالائے سر
 کب بھلا فرصت ملی تعلیم گردش سے حسین
 روز چکر کر رہا ہے آسماں بالائے سر

۱۔ مطلع ایضاً : تنگ آئے ہیں دل نالاں سے کیسا اے نسیم
 روز ہے ہنگامہ شور و فغان بالائے سر

خواب تنہائی میسر ہے کہاں اس دہر میں
 چل رہی ہیں آہاں کی چکیاں بالائے سر
 دید بھیم کے بھرے ہیں دل میں کیا کیا حوصلے
 خوش نہیں آنا حجاب آہاں بالائے سر
 دیکھ ہے رفعت کا باعث اتحاد خاک و باد
 جاتی ہے اڑ اڑ کے گرد کارواں بالائے سر
 نذر لیلیٰ کے لیے کس شوق سے اک مشت خاک
 دشت سے لایا ہے قیس ناتواں بالائے سر
 کس ادب سے پیش آتی ہے ہنس مردن صبا
 رکھتی ہے مشت غبار بے کساں بالائے سر
 ابر میں الہکھیلیاں غنچوں سے کرتی ہے صبا
 شوخیاں دکھلاتی ہے برق تہاں بالائے سر
 نالہ جان سوز بھی افسوس کر سکتے نہیں
 بھر ہلا لائے نہ کوئی ہم زباں بالائے سر
 تنگ ہیں ہم اس دل نالوں سے کیسے اے نسیم
 روز ہے ہنگامہ شور و فغاں بالائے سر

(۱۶۵)

مرگئی افسوس اے بلبل نہ کیوں سر توڑ کر
 کر دیا قید قفس صیاد نے پر توڑ کر
 کہوں مکدر ہو کم و کیا شے ممہیں ملتی نہیں
 حکم ہو لادوں فلک سے ہار اختر توڑ کر
 خون کا قطرہ نہ نکلا خشک تھا ایسا بدن
 منفل کیا کیا ہوا فساد نشتر توڑ کر

بعد مردن چاہیے صیاد کچھ الطاف بھی
 قبر پر بلبل کے رکھ دینا کل تر توڑ کر
 خستہ جانوں پر نہ ایسا ظلم کرنا چاہیے
 ریخ بلبل کو نہ دے گلچیں کل تر توڑ کر
 دیکھتا روئے مصفا کی جو تیرے روشنی
 پھینک دیتا یار آئینہ سکندر توڑ کر
 سخت جانی کا برا ہو یار کو صلے دے
 ہاندہ کر شمشیر آتے ہیں وہ خنجر توڑ کر
 ایک قطرہ خون کا نکلا نہ جسم خشک سے
 حیرتی فصاد ہیں نشتر بہ نشتر توڑ کر
 اُس کے کوچے تک رسائی کس طرح ہو اے نسیم
 کوئی بڑا سکتا نہیں حد مقرر توڑ کر

(۱۶۶)

جس طرح آہو نہ آئے دشت اے جاں چھوڑ کر
 جا نہیں سکتا ہے دیوانہ بیاباں چھوڑ کر
 غیر ممکن ہے کہ مجھ سے ترک عشق زلف ہو
 جا نہیں سکتا پریشان کو پریشان چھوڑ کر
 تنگ خاطر رحم کے قابل ہے چندے ہاسباں
 میں ابھی آیا ہوں زنداں میں بیاباں چھوڑ کر
 صاحب اسلام ہیں اے عشق ہم سے یہ محال
 کیجیے باد صم آیات قرآن چھوڑ کر
 رہتے رہتے بے کسی کو بھی محبت ہو گئی
 کس طرح جائے مرا حال پریشان چھوڑ کر

مرتبہ بہتر ہے کچھ آغاز سے انجام کا
 ہاتھ دامن کی طرف دوڑا گریباں چھوڑ کر
 طعنے اب سہتے ہیں عربانی کے اے دست جنوں
 کیوں ندامت تو نے لی تار گریباں چھوڑ کر
 دیکھنے کو کچھ نشان رہنے دے اے جوش جنوں
 چاک کر سب پیر من لیکن گریباں چھوڑ کر
 کچھ دنوں میں خاک ہو کر خاک میں مل جاؤں گا
 کب بھلا جاتا ہوں اب میں کوئے جانان چھوڑ کر
 اتحادِ ناقیامت ہے فراق اس کو محال
 جانے کی حسرت کہاں گور غریباں چھوڑ کر
 داغ تن کے لطف باد آئیں گے اے جاں حیف ہے
 کیسی بلبلی تھی کہ جاتی ہے گلستان چھوڑ کر
 نام بھی لیتا نہیں کوئی کسی کا بعد سرگ
 منفعل کیسی ہوئی ہے جسم کو جاں چھوڑ کر
 ربطِ باہم مثل روح و تن ہے کیوں کر جاسکے
 صبح ماتم دامنِ شامِ غریباں چھوڑ کر
 میہاں ہیں کچھ تو خاطر کر کہ تیرے واسطے
 اے لحد ہم آئے ہیں دنیا کا سامان چھوڑ کر
 وصلِ کامل کی جدائی فکرِ ناخن سے محال
 بخیہ کیا جائے گا پیوندِ گریباں چھوڑ کر
 دونوں تیری جستجو میں بھرتے ہیں در در تباہ
 دیرِ ہندو چھوڑ کر، کعبہِ مسلمان چھوڑ کر
 بعدِ مردن بھی وہی عہدِ وفا کا پاس ہے
 بے کسی جاتی نہیں گور غریباں چھوڑ کر

بے رخ اُس سے کس لیے رہتے ہو عاشق ہے نسیم
وہ کہاں جائے گا تم سا ماہ کنعاں چھوڑ کر

(۱۶۷)

مخلصی ہائے ہلا سے دل مضطر کیوں کر
توڑے حلقہ زنجیر مقدر کیوں کر
آنکھ جھپکے گی نہ مشتاق قضا کی ظالم
دیکھ کرتے ہیں نظارے تہ خنجر کیوں کر
آنکھ اٹھا دیکھ ذرا جانب خنجر قاتل
گھورتا ہے مجھے ہر دہدہ جوہر کیوں کر
کوہنچ شمشیر اگر دل میں ارادہ کچھ ہے
دیکھ سر جائے ہیں جاں باز ستم گر کیوں کر
گر بھی ضعف رہا فرصت پر خیز کے بعد
ناتواں جائیں گے تیرے لب کوثر کیوں کر
سر جھکایا نہ کبھی ناصیہ سائی کے لیے
منہ دکھائے گا تجھے خسرو خاور کیوں کر
جو لکھا صفحہ قسمت میں وہ مٹنے کا نہیں
مختصر کیجیے طومار مقدر کیوں کر
کیا وفادار جفا پیشہ ہے دیکھ او ظالم
دوستی کرتا ہے دم سے دم خنجر کیوں کر
دھوم آئے رخسار کی سن کر تیرے
چین ہائے گا تہ خاک سکندر کیوں کر
ہر رگ تن میں ہے میری اثر مقناطیس
مخلصی ہائے گا فساد کا نشتر کیوں کر

دیکھ ہر ہر سر مڑگان کا بھاشا ظالم
 ڈوب جاتا ہے رگ جاں میں یہ نشتر کیوں کر
 ساتھ مدت سے ہیں سرمایہ سودا میرے
 پھینک دوں دامن لب رہز سے پتھر کیوں کر
 سنگ دل کو مرے نالوں پہ نہ رحم آئے گا
 سوم ہو جائے گا لرباد سے پتھر کیوں کر
 آتش گرمی مضمون سے بھکا جاتا ہے
 نامہ لے جائے گا تا یار کبوتر کیوں کر
 صدقے اس قوت بازو کے دل و جاں سے نسیم
 دیکھ اکھاڑا ہے علی نے درخیر کیوں کر

(۱۶۸)

عضو تن میرے دھکتے رہے اخگر ہو کر
 پرورش روح نے پائی ہے سمندر ہو کر
 اب تو بدخواہ بھی پیش آتے ہیں کم تر ہو کر
 تیغ ملتی ہے گلے سے مرے خنجر ہو کر
 مختصر ہو کے دکھا لطف درازی اے زلف
 میری آغوش میں آجا شب محشر ہو کر
 کیسا پایا قفس تنگ ، الہی توبہ
 طائر روح رہا جسم میں بے پر ہو کر
 ہاتھ بڑھ بڑھ کے پڑے پر نہ پڑھے یہ قاتل
 رہ گئے زخم جگر حد مقرر ہو کر
 روح بھی کوئی دلیہن تھی کہ مرے قالب سے
 منہ چھپائے ہوئے نکلی نہ خنجر ہو کر

بہ کہنا ہے کہ وہ بھی مری آغوش میں ہوں
 جی میں ہے خلق کو لوں دامن محشر ہو کر
 غیرت آتی ہے شب ہجر میں مرنے سے مجھے
 رنج دہتی ہے اجل ملعنہ دل پر ہو کر
 بڑ گئی چھینٹ تو اتنا نہ خفا ہو واعظ
 مے رہے گی تری آغوش میں دختر ہو کر
 خواہش وصل سے خط پڑھنے کے قابل نہ رہا
 لپٹے الفاظ سے الفاظ مکرر ہو کر
 موت شرمائے گی کیوں کر مجھے بد عہدی سے
 صاف بھر جاؤں گا میں وعدہ دل پر ہو کر
 آب شمشیر سے محروم نہ رکھ اے قاتل
 سوکھے جاتے ہیں لب زخم مرے تر ہو کر
 متیں کرتے ہیں آتی نہیں اللہ اللہ
 نیند بھی بار ہوئی آنکھ سے باہر ہو کر
 کس قدر حسرت پرواز بھری ہے دل میں
 روح نکلی بدن زار سے شہر ہو کر
 دود پیچیدہ جو اٹھے تھے مری آہوں کے
 مدقوں چرخ سے لپٹے رہے اژدر ہو کر
 کس قدر راحت آغوش نے بالیدہ کیا
 اشک ٹپکا مرے دامن سے سندر ہو کر
 کیا اثر ہے لب شیریں جو ترے چومے تھے
 زہر گھلتا ہے دھن میں مرے شکر ہو کر
 مرے ہٹ کرتے ہیں دیکھو تو عدم کے سفری
 حشر تک قبر سے اٹھنا نہیں ہستر ہو کر

مضطرب تھا دم قبولیز مقرر صانع
 وہ گیا مصرع ابرو جو مکرر ہو کر
 ذبح کے بعد بھی کم حسرت دیدار نہ ہو
 کھورے روئے قضا دیدہ جوہر ہو کر
 ہوسے گر ہم نے لیے ہیں تو دیے بھی ہم کو
 چھٹ گئے آب کے احسان سے برابر ہو کر
 سر کٹا کر تجھے دکھلائیں گے جلوئے قاتل
 شمع بن جائیں گے ہم قامت بے سر ہو کر
 کبھی خالی کبھی لب ریز ہسر کی ہے نسیم
 شکل خم ، مثل سبو ، صورت ساغر ہو کر

(۱۶۹)

کبھی ہوتا ہوں ظاہر جلوۂ حسن نکو ہو کر
 کبھی خاطر میں چھپ جاتا ہوں تیری آرزو ہو کر
 کبھی کم ہو کے شرماتا ہوں مثل قطرہ ساغر میں
 کبھی کثرت سے رک جاتا ہوں شیشے کا گلو ہو کر
 بڑھا لیتا ہوں اکثر ربط ، یار پاک دامن سے
 لپٹ جاتا ہوں دست و پا سے میں آب وضو ہو کر
 سکونت سے بہت بڑھ کے ہے میری خانہ بردوشی
 رہا کرتا ہوں ہر خاطر میں تیری جستجو ہو کر
 نہیں ہے احتیاج غیر وقت جوش بے تاب
 جھلک جاتا ہوں بے تکلیف ساق میں سبو ہو کر
 سکھائی ہے نئی تدبیر مجھ کو میری خاطر نے
 پسند آتا ہوں دشمن کو بھی تیری گفتگو ہو کر

نہیں چلتی کوئی تدبیر کیا کیا فکر کرتے ہیں
 میں کر دیتا ہوں فائل سب کو تیری گفتگو ہو کر
 تقاضائے ممنا سے نہ اک جا دو گھڑی بیٹھے
 پھرایا عمر بھر عالم میں تیری جستجو ہو کر
 نہ کیوں کر شور ہو عالم میں میری فکر خاطر کا
 دلوں کو کھینچ لیتا ہوں تمہارا رنگ رو ہو کر
 نہیں ممکن کبھی تردانی میں فرق کچھ آئے
 بہا کرتے ہیں اشک چشم میرے آب جو ہو کر
 نشان کیا ہوجھتے ہو بے نشانوں کے ٹھکانوں کا
 دماغوں میں رہا کرتا ہوں میں گیسو کی بو ہو کر
 کبھی ملک حلب میں ہوں کبھی شہر ختن میں ہوں
 نہیں رہتا تری شہرت کی صورت ایک سو ہو کر
 خراش زخم سینہ مدتوں کا دور کرتا ہوں
 لپٹ جاتا ہوں جب شافے سے زلف مشک بو ہو کر
 کمی میں بھی مری ہستی کی ہستی اور پیدا ہے
 کبھی ابرو بھی بن جاتا ہوں قصر آبرو ہو کر
 اٹھا لیتا ہوں جو آئے مصیبت اپنے سر پر میں
 سہا کرتا ہوں ظلم دل رہا عاشق کی خو ہو کر
 بھلی کو بھی سمجھتا ہوں بری ہر دوست دشمن کی
 نہیں قابو میں میں رہتا مزاج جنگ جو ہو کر
 مرے سوز دروں میں سو طرح کے لطف حاصل ہیں
 جلاتا ہوں دلوں کو یاد یار شمع رو ہو کر
 لہو سے پیرہن تر دیکھ کر یاروں نے فرمایا
 نسیم آیا ہے کوئے یار سے کیا سرخ رو ہو کر

(۱۷۰)

میں جو بے خود ہوں کسی کا روئے زیبا دیکھ کر
 کہتے ہیں احباب میرے مجھ کو کیا کیا دیکھ کر
 سب بھی کہتے تھے وہ بے رحم ہے بے درد ہے
 دل دیا اس بے مروت کو بھلا کیا دیکھ کر
 اے اجل قربان تیرے مجھ پہ کیا احسان کیا
 خوش ہوا وہ میرے مرنے کا تماشا دیکھ کر
 دوست روتے ہیں عزیز و اقربا بے ہوش ہیں
 تم کو رحم آنا نہیں کچھ حال میرا دیکھ کر
 کیا کہوں کیسی بلا آئی ہے میری جان پر
 او بت کافر تری زلف چلیا دیکھ کر
 تیری آنکھوں کی ہمیں وہ مستیاں یاد آ گئیں
 وقت بے ہوشی صنم تاثیر صبا دیکھ کر
 لو میں پھر بیمار ہوتا ہوں کہیں راضی رہو
 میں نے سمجھا تم خفا ہو مجھ کو اچھا دیکھ کر
 ساتھ تھا اک قافلہ طفلان ایذا دوست کا
 وہ بھی کچھ گھبرائے میرا جوش سودا دیکھ کر
 ضبط خواہش گر نہ کرتا یوں نہ رہتے پارسا
 کیا کہوں کیا دل میں آیا تم کو تنہا دیکھ کر
 میں نے اک دریا بہایا آنکھ سے بے تیرے گل
 اور لہر آئی مجھے بھی موج دریا دیکھ کر
 ایک کا ہے ایک شاکی ایک سے آزرده ایک
 حال اپنا ہے دگرگون حال دنیا دیکھ کر

وہ ابھی آئے نہیں دم لے خدا کے واسطے
 اے اجل گہرا کیا تیرا تقاضا دیکھ کر
 غیر ممکن ہے کہ خوش آئیں ہمیں حور جانا
 آنکھ اب کس پہ پڑے گی حسن تیرا دیکھ کر
 کیسے یہ بے درد ہیں یا رب کہ بدلے رحم کے
 لوگ ہنستے ہیں کسی کا بھوکو شیدا دیکھ کر
 دوست دشمن وہ خفا آزرده مرگ و آہاں
 رحم آتا ہے ہمیں اب حال اپنا دیکھ کر
 شب جو تھے ہم وہ ہم ، جوش حسد سے یہ فلک
 قہر لایا عاشق و معشوق یک جا دیکھ کر
 دوستوں نے رو دیا جب شکل دیکھی اے نسیم
 کیا کہوں کیا حال تھا وہ حال تیرا دیکھ کر

(۱۷۱)

میں مر گیا ہوں تیرے خریدار دیکھ کر
 ٹھنڈا ہوا ہوں گرمی بازار دیکھ کر
 افتادگان خاک کو ہابوس کا ہے شوق
 رکھنا قدم زمیں پہ ذرا بار دیکھ کر
 آئیں جو یادِ وقت گزشتہ کی صحبتیں
 رونے لگا میں جانبِ گل زار دیکھ کر
 اب دیکھیں ہم کو خوبیِ تقدیر کیا دکھائے
 پھر دل دیا ہے بار طرح دار دیکھ کر
 مرنے کا ہو گیا ہے جو ہر شخص کو یقیں
 رونے ہیں وہ بھی صورتِ بیمار دیکھ کر

آئینے نے سکھائیں انہیں کج مزاجیاں
 ٹیڑھے ہوئے وہ ابرو خم دار دیکھ کر
 برہم ہوا ہے ایک جہاں جس طرح کہ میں
 محشر بہا ہے جلوۂ رخسار دیکھ کر
 بردہ کیا انہوں نے طلب گار جان کر
 چہتے ہیں اب وہ خواہش دیدار دیکھ کر
 ثابت نہیں کہ آج ہوئی کون سی خطا
 کروں گھورتے ہیں مجھ کو وہ ہر بار دیکھ کر
 مجھ کو تو ہے خیال جو تم کو نہیں خیال
 جلتا ہوں میں یہ صحبت اغیار دیکھ کر
 تیغ نگاہ یار کے دل پر جو زخم ہیں
 میں کانپتا ہوں ابروئے خم دار دیکھ کر
 جھکتی ہے خود بہ خود سری گردن اسی طرف
 اے یار تیرے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر
 آخر کو رنج عشق سے حالت بہ ہو گئی
 روتے ہیں مجھ کو اب سرے غم خوار دیکھ کر
 درد جگر، فراق کی تپ، شوق کی غشی
 حیراں ہے چارہ گر سرے آزار دیکھ کر
 ہر سی جو آگ صحن زمیں پر تمام رات
 گھبرا گئے وہ آہ شرر بار دیکھ کر
 ایسا ہجوم شوق نے بے خود بنا دیا
 دیوار ہوں میں یار کی دیوار دیکھ کر
 مڑگاں کے وصف میں نہ لکھے شعر اے نسیم
 رکھا قدم نہ منزل پر خار دیکھ کر

(۱۷۲)

اشک آمڑے تہ دامن سے ٹپک کر باہر
 قمر دریا سے نکل آئے شناور باہر
 اس قدر جوش محبت سے گلو نے کھینچا
 کھینچے کھینچے نکل آیا دم خنجر باہر
 چشم دزدیدہ بھی وا ہے سرے نظارے کو
 سینہ تیغ سے ہے دیدہ جوہر باہر
 خلعت مرگ میں بھی تنگ دل اے قائل
 پاؤں ڈھانکتے بھی کفن نے تو رہا سر باہر
 جذب مشتاق شہادت کو نظر کر ظالم
 آگل آیا ہے کمر سے تری خنجر باہر
 منہ فقط اتنے لیے وہ نہیں دکھلاتے ہیں
 رہے آغوش تصور سے بھی باہر باہر
 خاک پیوند لحد کے لیے لائی ہے صبا
 کارسازی کے سب اسباب ہیں باہر باہر
 کاٹا ہے سرے اس خوف سے بازو صیاد
 کہ نہ ہو چاک غفس سے بھی کوئی پر باہر
 نہ ملا حضرت دل کا تو بنا وقت شکاف
 نکل آئے سرے پہلو سے کچھ اخگر باہر
 گر نہیں ضبط کا بارا ہے تو ہاں بسم اللہ
 جھوڑ پہلو کو نکل جا دل مضطر باہر
 کم نہیں ایک گھڑی مشغلہ بے تاب
 وحشت دل سے برابر ہے ہمیں گھر باہر

خوف آوارہ مزاجی میں آتا ہے نسیم
 طفل اشک آنکھ سے رہنے لگے اکثر باہر

(۱۷۳)

قربان ہو رہی ہے مری جان ادھر ادھر
 وان رخ بہ ہے جو زلف پریشان ادھر ادھر
 جاتے ہیں جب وہ سوئے چمن سیر کے لیے
 ہوتے ہیں ساتھ عاشق نالان ادھر ادھر
 ہیں لخت دل کہیں تو کہیں پارۂ جگر
 رہتے ہیں بیش چشم گلستان ادھر ادھر
 ہنگامۂ جنوں سے جو دونوں ہوئے ہیں چاک
 دامن ادھر ادھر ہے گریبان ادھر ادھر
 زلفیں چھٹی ہوئی ہیں جو چہرے پہ دو طرف
 لہرا رہے ہیں انعی بیچاں ادھر ادھر
 دیکھا انہوں نے مردہ مجھے میں نے اشک یار
 آئے نظر میں خواب پریشان ادھر ادھر
 یا دشمنوں سے قطع ہو یا مجھ سے ترک ربط
 کیوں دل کو کر رہے ہو مری جان ادھر ادھر
 مطرب وہاں ہیں جمع نوا ساز اس طرف
 ہوتے ہیں گل سے عیش کے سامان ادھر ادھر
 کیوں کر کروں میں بات چپ و راست یار کے
 رہتے ہیں ساتھ ساتھ نگہباں ادھر ادھر
 وہ اپنی ہٹ پہ ہیں مجھے اپنے کہنے کی شد
 سمجھا رہے ہیں دونوں کو انسان ادھر ادھر

آنکھوں پہ سائباں ہیں مزے دید کے ہوں کیا
 بھیلے ہوئے ہیں دامن مڑکن ادھر ادھر
 وہ بت ہے میں ہوں صاحب دہن بہر فیصلہ
 ہوتے ہیں جمع گہر و مسلمان ادھر ادھر
 وہ چاہتے ہیں آئیں میں کہتا ہوں آپ جاؤں
 کس لطف پر ہے رغبت احسان ادھر ادھر
 نالائ وہ اقربا سے میں ہوں غبروں سے تنگ
 کس کس طرح کے دل میں ہیں ارمان ادھر ادھر
 ہر جائی ان کو کہتے ہیں بے شرم بھوکو لوگ
 اٹھتے ہیں رات دن یہی طوفان ادھر ادھر
 منظور ہے جو رخصت سابق کا فیصلہ
 ہر روز جمع ہوتے ہیں مہاں ادھر ادھر
 میں پہلوؤں میں داغ جو دونوں طرف نسیم
 جلوہ دکھا رہے ہیں گلستاں ادھر ادھر

ردیف زای معجمہ

(۱۷۴)

کیوں کر اٹھائے طرہ زلف دوتا کے ناز
 کانر سے نہ جائیں گے ہم سے بلا کے ناز
 برسوں کے بعد میری برآی ہیں حاجتیں
 کیا کیا نہ آرزو پہ ہوئے ہیں دعا کے ناز
 کس کس مصیبتوں سے ہوئی ہے نصیب مرگ
 کیا کیا اٹھائے ہیں شب غم میں قضا کے ناز

کھلتے ہیں عقد غنچہ کس آہستگی کے ساتھ
 ہوتے ہیں کیا عروس چمن سے صبا کے ناز
 عشاق جاں فروش کے کچھ اور رنگ ہیں
 کستاخ ہو گئے ہیں کھارے آٹھا کے ناز
 اے دل ستم گروں کی جفا سے نہ بھیڑ منہ
 سہنے نہیں کشا کش روز جزا کے ناز
 گنجایش عذاب دل زار میں نہیں
 کب تک آٹھائیں ظالم نا آشنا کے ناز
 کیا کیا نہیں ہوا ہے حجاب نگاہ سے
 لائیں میں آفتیں تری شرم و حیا کے ناز
 بے ہودگی ہے نالہ و فریاد بے کسی
 جز مرگ کون آٹھائے مری مدعا کے ناز
 نوبت کمر سے تا بہ قدم بار آچکی
 طولانیوں پہ ہیں تری زلف دوتا کے ناز
 دیکھو ضرور بار نزاکت سے ہوگا رنگ
 اے جاں نہ آٹھ سکیں گے قدم سے حنا کے ناز
 تن شعلہ ہائے غم سے ہوا خاک اے نسیم
 دیکھیں گے استخوان نہ ہمارے ہا کے ناز

(۱۷۵)

باقی ہے شوق قاتل شمشیرزن ہنوز
 ٹپکا رہے ہیں زخم لعاب دہن ہنوز
 منظور دل ہے عزت بے پردگی میں
 کرتے ہیں چاک کنج لحد میں کفن ہنوز
 اب تک وہی ہیں ہم سے تری کج ادائیاں
 اے چرخ کم ہوا نہ ترا بانکپن ہنوز

ہوتے نہیں ہے کم سرے ویرانہ دوستی
 جانا نہیں ہے سرے خیال وطن ہنوز
 قاتل دریغ کر نہ لعاب زبان تیغ
 کھولے ہوئے ہیں زخم ہمارے دہن ہنوز
 تجدید رنج یاد رخ و زلف میں ہوئے
 مصروف تازگی ہیں عذاب کہن ہنوز
 ہم سرد بھی ہوئے نفس سرد کھینچ کر
 گرمی دکھا رہی ہے تری انجمن ہنوز
 ہر خنجرہ منعقد ہے ترے شوق دید میں
 بابتد آرزو ہے بہار چمن ہنوز
 جلوئے دکھا رہے ہیں سرے داغ ہائے دل
 اے رشک گل وہی ہے ہوائے چمن ہنوز
 پہلے ہی سے سوال کی ہیں ہدگائیاں
 نکلا نہیں دہن سے ہمارے سخن ہنوز
 ایسی اسے خوش آئی ہے قالب کی کہنگی
 بنے ہوئے ہے روح وہی پیرہن ہنوز
 اے جان اضطراب نہ کر رات ہے ابھی
 باقی ہے دیکھ صحبت شمع و لکن ہنوز
 آئیں گے کیا سوال نکیرین کے لیے
 باقی ہے قبر میں بھی وہی ضعف تن ہنوز
 ہر لخت دل میں ریزہ الہاس ہے نسیم
 بھولا نہیں ہے بار کا وہ نور تن ہنوز
 (۱۷۶)

ردیف سین مہملہ

کل چہرے بائیں گے جتنی ہیں اسیران نفس
 دن کو مہمان قضا رات کو مہمان نفس

دے کہیں رخصت فریاد انہیں اے صیاد
 تنگ آئیں ہیں بہت ضبط سے مرغان قفس
 مژدہ اے قسمت بد دام ہلا میں آکر
 مہمان چمنستان ہوئے مہمان قفس
 ہنبہ در گوشہ نرہ ہجر خدا اے صیاد
 سن ذرا زمزمہ نالہ مرغان قفس
 لوریاں گود میں لے کر جو قضا نے دی ہیں
 پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے ہیں مرغان قفس
 مژدہ چاک قفس کیا ہے اسیروں کے لیے
 آنکھ کھولے ہوئے بیٹھے ہیں نگہبان قفس
 برگ گل فرش قفس چاہیے کرنا صیاد
 جی کو پہلائی یوں ہی کاش اسیران قفس
 خواب گاہ ستم افزا ہے گرفتاروں کی
 یارب آباد رہے گوشہ دامن قفس
 فصل گل آئی ہے مرغان چمن ہیں دل شاد
 کہہ دو صیاد سے طیار ہو سامان قفس
 غلصی پنچہ الفت سے بہت مشکل ہے
 چھوڑنے کے نہیں ناخن مرے دامن قفس
 غلصی نے ہمیں بھر شوق اسیری بخشا
 یاد آنے لگی وہ صحبت یاران قفس
 نیند آ جائے اجل کی میرے افسانے سے
 ناقیاست نہ کھلے چشم نگہبان قفس
 چھوڑ دے توڑ کے بازو کہیں باہر صیاد
 تنگ آتا ہے آٹھانا ہمیں احسان قفس

غلصی پا کے لراموش کیا مجھ کو آہ
 یاد آیا نہ احبا کو میں مہیاں قفس
 جھٹ کے ہم مسکن ایذا سے بھی رنجیدہ رہے
 مدتوں دل میں رہی حسرت ہجران قفس
 نہ پڑی آنکھ تری اور طرف اے صیاد
 کیا نہ بلبل کے سوا تھا کوئی شاہان قفس
 اشک خولین کے ہیں قطرے سرے ہم صورت گل
 دیکھ صیاد ذرا لطف گلستان قفس
 ہو گئی ایک ہی پرواز میں خالی آغوش
 کیا غضب ہے نہ بر آیا کوئی ارمان قفس
 ہیئت نالہ پر غم سے زمیں کانپ اٹھی
 چرخ چکر میں ہو دیکھے جو سری شان قفس
 ریخ عشرت سے نہیں کم جو ہوں احباب نسیم
 مغنم جان تو یہ صحبت ہاران قفس

(۱۷۷)

ردیف شبن معجمہ

صاف طینت کو کدورت ہے بدن کی خواہش
 روح میں وہ ہوں نہیں جسے تن کی خواہش
 جو کہ معدوم ہیں آن کی ہے طلب لا حاصل
 نہ کمر کی ہے کینا نہ دھن کی خواہش
 نو مصیبت ہوں تری الفت دیرین سے روز
 تازگی پر ہے مرے داغ کہن کی خواہش
 بڑ گئے دہد گلستان کے ابھی سے لالے
 رنگ دکھلانے لگی سیر چمن کی خواہش

اس قدر ہم کو غرض دوست ملے غربت میں
 کہ نہیں صحبت یاران وطن کی خواہش
 آرزوئے سخن چند ہے تجھ سے قاتل
 اس لیے ہے سرے زخموں کو دھن کی خواہش
 کم نہیں گوہر غلطاں سے ہمارے آنسو
 اے دل زار نہ کر در عدن کی خواہش
 داغ ہیں دل میں نہیں سیر گلستاں کی ہوس
 باغبان تجھ کو مبارک ہو چمن کی خواہش
 صورت اشک سفر کردہ ہوں آوارہ مزاج
 نہ پھر آنے کی ہوس ہے نہ وطن کی خواہش
 ناتوانی سے ہوں مثل کمر پار نہاں
 میری وحشت کو نہیں طوق و رسن کی خواہش
 سلسلہ رشتہ کیسو سے ہوا ہے اپنا
 نو اسپری میں ہوی دام کہن کی خواہش
 بے خبر ہیں ہوس دہد میں تیرے ہر دم
 روح سے کام نہ رکھتی ہیں بدن کی خواہش
 پاک ہیں قائم و سنجاب سے خاکستر ہوش
 خاکساروں کو نہیں زیب بدن کی خواہش
 خوب لیٹا ہے لحد سے بس مردن لاشہ
 جس طرح ہوتی کے دولہا کو دلہن کی خواہش
 دار فانی سے ہے افسردہ مزاجی حاصل
 سبزہ دشت نہ گل زار وطن کی خواہش
 غش پہ غش آتے ہیں کچھ جاہیے قوت روح
 کیوں نہ اے جان ہو مجھے سبب ذن کی خواہش

ہو چکے دشت کے چکر مجھے گھر یاد آیا
 شام غربت کو ہوئی صبح وطن کی خواہش
 یاد آئی مجھے ایذا طلبی کے راحت
 بھر طبیعت کو ہوئی ریخ و سخن کی خواہش
 فائدہ کیا ہے بہت ہرزہ کلاسی سے نسیم
 کیجیے اور طرف حسن سخن کی خواہش

ردیف صباد مہملہ

(۱۷۸)

آدیکھ لے بے تابِ ہسل کا ذرا رقص
 کرتے ہیں پس ذبح بھی مشتاق قضا رقص
 رہتا ہے ترے انفعی گیسو کا تصور
 کرتی ہے سرے پیش نظر روزِ ہلا رقص
 ہے خواہشِ تعلیم جو آتری ہے کمر سے
 سیکھے گی قدم سے ترے کیا زلفِ دو تار رقص
 یاد آئے ہیں جب لطف طوافِ درِ ایجاب
 کرتی ہے تمنا مری ہنگامِ دعا رقص
 وہ ناز اٹھائے ہیں دمِ سرگِ سمھارے
 فرشِ سرِ منشول پہ کرنی ہے جفا رقص
 بردہ نہ رہا کچھ تری بے ہودگیوں سے
 کرنے لگے بے ساختہ پابندِ حیا رقص
 ٹھوکرے سکھایا تری اندازِ غضبِ خیز
 زیبائے جو چھپ چھپ کے کرے دزدِ حنا رقص
 خود رفتگی کیفِ محبت سے خبر کیا
 مزدور کے نزدیک ہے حالِ فقرا رقص

غم خوردہ طبیعت کو نہیں عیش سے مطلب
 کیا دیکھنے آئے گا گرفتار عزا رقص
 ہے منزل بے تابی دل ضبط سے خالی
 بے عمل ترے کرتے ہیں دم ذبح نیا رقص
 جاں باز وفا بعد فنا ہوتے ہیں زندہ
 ہے اس لیے بالائے مزار شہدا رقص
 آنکھوں کے اشارے کشش دل کو غضب ہیں
 ہر ہر ترے انداز سے ہوتا ہے نیا رقص
 شب چادر محتاب بچھاتی ہے سحر تک
 کرتی ہے یہاں پیش لحد آ کے صبا رقص
 افسانہ شب سن کے نکل آیا ہے خورشید
 کس دھوم سے محفل میں تری بار ہوا رقص
 نالوں کی مرے دھوم زمیں پر رہی شب بھر
 ایوان فلک پر مری آہوں کا رہا رقص
 لے لیتا ہوں جان عاشق جاں باز کی کیوں کر
 دکھلاؤ ہمیں جان جہاں بھر خدا رقص
 سوچو تو نسیم آپ کی کس لطف سے گذری
 برسوں ہی سر شام سے تا صبح رہا رقص

(۱۷۹)

ردیف ضد معجمہ

اے دل سجدہ نہ پاس عزیز و یگانہ فرض
 عاشق کے واسطے نہیں رسم زمانہ فرض

تدبیر بھی ضرور ہے ہر قصد کے لیے
 کر تر ابھی سے قتل عدو کا زمانہ فرض
 ناصح کی ہند طعنہ احباب سن چکے
 کرتے نہیں کسی کو ہم اپنا پکانہ فرض
 کرنی پڑے گی خدمت صیاد عندلیب
 دو دن کے واسطے نہ سمجھو آشیانہ فرض
 رک جاؤ گفتگو میں نہ ہنگام باز برس
 عاشق کے قتل کا کوئی کرلو بھانہ فرض
 زینت ہے کیا غرض ہے پس مرگ ہم نفس
 چادر کی ہے ضرور نہ ہے شامیانہ فرض
 کمال بہت ہے خلعت زرتار گر نہیں
 محتاج پر نہیں ہے لباس شہانہ فرض
 کرتے ہیں ہم وہی کہ جو آتا ہے ذہن میں
 کب جانتے ہیں طاعت رسم زمانہ فرض
 مفلس ہوں اس قدر کہ میسر جو کچھ نہیں
 کرتا ہوں اپنے سائے کو دیوار خانہ فرض
 خدمت کا پاس ہوتا ہے ظالم کو بھی ضرور
 صیاد جانتا ہے مرا آب و دانہ فرض
 اے جان جاں خدنگ نگہ میں کمی نہ ہو
 کرلو ہمارے دل کو بھی کوئی نشانہ فرض
 اظہار مدعا سے پکڑنا ضرور کیا
 اے جان کیجیے سخن دوستانہ فرض
 مشاطگی سے حسن خداداد پاک ہے
 زلفوں کے واسطے نہیں تزئین شانہ فرض

بگڑا ہوا ہے عمر کا رھوار اس لیے
 کرتا ہے ہر کشید نفس تازیانہ فرض
 صدمے اٹھا رہا ہوں وہ نازک دماغ ہوں
 کرتا ہوں سوچ نکبت گلی تازیانہ فرض
 کیوں کر نہ تیرے در پہ رہیں جیہ سائیاں
 عشاق کو ہوا ادب آستانہ فرض
 چھوڑیں گے خاک ہو گئے بھی تیرا نہ آستان
 اے جان کر وفا میں ہمیں تو یگانہ فرض
 آتا ہے تابہ چشم بمنائے رزق میں
 دامن ہر ایک اشک کو کرتا ہے دانہ فرض
 عالی دماغیاں نہ گئیں بعد مرگ بھی
 کرتے ہیں ہم رداے فلک شامیانہ فرض
 بادا ش قتل سے مری ڈرتے ہو کس لیے
 لاکھوں فریب ہیں کوئی کرلو بہانہ فرض
 مضمون کے بھی شعر آگر ہوں تو خوب ہیں
 کچھ ہو نہیں گئی غزل عاشقانہ فرض
 ہر دم جلا رہے ہیں دم گرم ہڈیاں
 کرتے ہیں سوز دل کو ہم اپنے زبانہ فرض
 جو قابل شنید نہ ہو داستان غم
 کہتے ہیں کیجیے آئے تیرا فسانہ فرض
 دے ڈالو تم بھی خمس سخن جلد اے نسیم
 ہر مال دار پر ہے زکوٰۃ خزانہ فرض

(۱۸۰)

ردیف طامے مہملہ

قاصد جو پڑھ چکیں وہ سرا ماجراے خط
 کہنا کہ اور آتا ہے اک خط قفاے خط
 کم کشتگی کا حال جو لکھا تھا بار کو
 وہ پڑھتے پڑھتے بھول گیا ماجراے خط
 افسانہاے ہجر کی طولانیاں یہ تھیں
 برسوں پڑھا کیے نہ ہوئے انتہاے خط
 فرصت کہاں ہے ضعف سے کچھ حال لکھ سکیں
 قاصد ہمارا شوق ہی بس ہے بجائے خط
 خط نامہ بر کو بھیج دیا اور یہ کہا
 کہنا کہ ہم نے جان لیا مدعاے خط
 نازک مزاج ہیں کہیں آزدگی نہ ہو
 جلدی نہ کیجیو سرے قاصد ہراے خط
 گر خط نہ پڑھ سکیں تو زبانی ہے نامہ بر
 کہہ دینا مدعاے مصیبت فزاے خط
 کیا ذکر نامہ بر کہ دم واپسین ہے یاں
 اب اور ہی ہوا ہے نہیں ہے ہواے خط
 غفلت یہ تھی تصور رخسار بار سے
 لکھا ہزار بار وہی مدعاے خط
 تھا دھیان نامہ بر میں لگا وقت واپسین
 نکلا ہزار بار یہی منہ سے ہاے خط

سمجھیں نہ مگر صاف کہیں حال واقعی
 کہوں کر لکھوں کہ وہ ہیں مرے آشنائے خط
 آجائے نامہ ہر جو پس مرگ ہم نشیں
 دینا مرے مزار پہ لا کر ہوائے خط
 آجائے نامہ ہر نہ کسی کے فریب میں
 ڈرے نہ مدعی پہ کھلے مدعائے خط
 قاصد جواب نامہ لکھا یار نے مجھے
 تعریف مدعا میں کروں یا ثنائے خط
 مضمون خون دل کو بھی شجرف سے لکھا
 کس رنگ پر ہے شوخی رنگ حنائے خط
 پڑھ کر وہ خط شوق سرا آٹھ کھڑے ہوئے
 تعظیم خواستگار ہوا ماجرائے خط
 ہرہیزگار شوق وہ ہم کو ہیں جانتے
 مضمون ہاک ڈھونڈ رہے ہیں برائے خط
 ہر سوں گزر چکے ہوس انتظار میں
 معلوم کچھ نہیں سبب التوائے خط
 رخسار مدعا کے نظاروں کا شوق ہے
 قاصد دکھا دے قاصد خوش ہمائے خط
 قاصد زیادہ اس سے ہوس کیا ضرور ہے
 دیتا ہوں نقد جاں میں تجھے رو ہمائے خط
 آخر نسیم نامہ و پیغام تا کجا
 بہتر یہ ہے کہ آپ چلو تم بجائے خط

(۱۸۱)

ردیف ظائے مہملہ

پاک ہے لذت عشرت سے زبان واعظ
 جو بلا آئے آلہی سو بدجان واعظ
 ہم نفس باغ جنان گھر ہے گنہ گاروں کا
 ڈھونڈہ دوزخ میں کمپیں جا کے مکان واعظ
 خدمت رند قدح نوش میں یہ بے ادبی
 جی میں ہے کائے دانتوں سے زبان واعظ
 خود فراموش ہے کیا اور کو سمجھائے کا
 راست بازوں سے کجی پر ہے کہاں واعظ
 کہوں نہ ہو تیر اشارات سے عالم مجروح
 قد خم گشتہ ہے گویا کہ کہاں واعظ

(۱۸۲)

ردیف عین مہملہ

ہجر میں میرے سید خانے کی رکھ پروانہ شمع
 ہائے دیکھو آج کی شب ایک جا پروانہ شمع
 جب پڑی زنجیر گریہ پھر کہاں آزادی
 دام میں لانے کا تجھ کو اشک کا ہر دانہ شمع
 دیکھ کر محفل میں دشمن جلتے جلتے بجھ گئے
 کہہ گئی پوشیدہ میرے حال کا افسانہ شمع
 بات کچھ ہو یا نہ ہو آنسو بہا دینا اسے
 رکھتی ہے پیری میں حسن گریہ طفلانہ شمع

رو سیاہی قسمت گل گیر میں لکھی گئی
 بے گناہی کے لیے پیدا ہوئے پروانہ شمع
 زندگی تک آتش الفت کی تھیں سب گرمیاں
 جان پروانے کی نکلی ہو گئی یگانہ شمع
 واسے قسمت نخل گریہ ایک بھی آگنا نہیں
 بوتی ہے ناحق لکن میں اشک کا ہر دانہ شمع
 دن کو پنہاں رات کو فانوس کے رخ پر نقاب
 کس قدر رکھتی ہے پاس فرقت پروانہ شمع
 دامن گریہ چھپا دیتا ہے عریانی کا عیب
 تن پہ رکھتی ہے وداعے اشک بے تابانہ شمع
 کیا غضب ہے ہو کے گل معشوق ہلبل بن گئی
 کچھ نہ آیا مجھ کو پاس الفت پروانہ شمع
 صاحب زینت نہیں محتاج زینت غیر سے
 حاجت مشاطہ رکھتی ہے نہ فکر شانہ شمع
 قیدی زنجیر گریہ کیوں ہے دیوانوں کی شکل
 مانگ لے پرواز کرنے کو پروانہ شمع
 بعد مردن عاشقوں کے ہاسباں معشوق میں
 رات بھر کرتی ہے حفظ لاشہ پروانہ شمع

(۱۸۳)

ولہ

حسن معشوق میں بھی رکھتی یہی ناسور شمع
 سوز باطن تو نہ کم ہوتا جو ہوتی حور شمع

کیا فروغ مرگ ہے اے حور عاشق کا ترے
 گل چڑھاتی ہے لحد پرین کے نخل نور شمع
 اشک غلطان لاتی ہے اوست تیری نذر کو
 جانتی ہے آنسوؤں کو دانہ انگور شمع
 اشک کے دامن میں رکھی اپنے پروانے کی لاش
 مفلسی سے کچھ نہیں رکھتی اگر منظور شمع
 گرمیاں دکھلا رہی ہے اپنے جسم سرد کی
 صرف سوزش کر رہی ہے روغن کالور شمع
 سر کٹائے گر فروغ زندگی منظور ہے
 دیکھ وقت روشنی رکھتی ہے کیا دستور شمع
 دغدغہ ہے اتحاد یار ایذا دوست سے
 جانتی ہے ہر لب گل گیر کو ساطور شمع
 حسن ناپندہ ہے شعلہ رشتہ پیچیدہ زلف
 سامنے پروانے کے آتی ہے بن کر حور شمع
 بے حجابی کے مزے اُٹھے نہ پروانے کے ساتھ
 جل رہی ہے بردہ فانوس میں مجبور شمع
 رکھتی ہے سینہ مشبک کثرت ناسور سے
 سر سے ہا تک ہے یہ شکل خانہ زبور شمع
 خود نمائی ہے حسینوں کے لیے بے ہر دگی
 عیب عربانی سے ہے اس واسطے معذور شمع
 بہ نہ جائے گرمی، رخسار آتش ناک سے
 ہزم جانناں میں نہ فانوس رکھ دو دور شمع
 چند دم کی روشنی بھر آنسوؤں کا ڈھیر ہے
 ہے بھلا کس حسن بے اثبات پر مغرور شمع

زیر مدفن روشنی اعمال کی ہے اے نسیم
آرزو خورشید کی ہم کو نہ ہے منظور شمع

(۱۸۴)

سرد عقل کیے رکھتی ہے جو یہ دستور شمع
ایک ہی ہاے کھڑی رہتی ہے شب بھر دور شمع
دیر سے نکلتی ہے تیرا عارض ہر نور شمع
دیکھ تو کیا دیکھتی ہے او بت مغرور شمع
پارسائی کے ہیں دعوے کیوں نہ ہو مغرور شمع
پردۂ فانوس میں ہے شاہد مستور شمع
اتحاد تیرہ باطن سے نہیں مسرور شمع
دود شعلہ سر سے رکھتی ہے نہایت دور شمع
جلوۂ عارض سے تیرے کیوں نہ بھاگے دور شمع
سامنے خورشید کے رکھتی نہیں ہے نور شمع
آہلے اشکوں کے رخ سے کر رہی ہے دور شمع
یا لکن میں بھر رہی ہے دانہ انگور شمع
کون سے وقت آس کو یاد سوز پروانہ نہیں
کب بھلا رکھتی ہے ٹھنڈا سینہ محرور شمع
شعلہ کا ہے کو ہے سر پر ہے یہ چوٹی نور کی
جب یہ جلوے ہوں نمایاں کیوں نہ ہو مغرور شمع
خود جا دیتی ہے جب فاس کو بھر دیجیے
جانتی ہے تنگ اپنے زخم پر انگور شمع
عکس تیرے عارض شفاف کا جو پڑ گیا
کس قدر چمکی ہے گویا ہو کئی بلور شمع

جم گیا ہے جا بہ جا دود جگر پروانے کا
 سرسبکیں رکھتی ہے ہر ہر دیدہ ناسور شمع
 کس قدر انداز کے تیر نظر کا خوف تھا
 کیوں ہوئی تھی پردہ فانوس میں مستور شمع
 آنکھ بھی پاٹی ہے قسمت سے تو وہ ناسور کی
 کس کو دکھلائے یہ اپنا دیدہ بے نور شمع
 شاہدان شعلہ رو کو کوچہ گردی عیب ہے
 دوسرے ہا سے ہوئی ہے اس لیے معذور شمع
 لن ترانی کر رہا ہے تاج شعلہ فرق پر
 آج تو دکھلا رہی ہے کچھ فروغ طور شمع
 ہٹ گیا منہ سے دوپٹا روشنی عارض نے دی
 آفتاب حسن چمکا ہو گئی بے نور شمع
 قصد میرا دیکھ کر کہتے ہیں سو سو ناز سے
 کچھ حیا کر دیکھ تو وہ دیکھتی ہے دور شمع
 صدقے میں اس تیرگی کے جس میں تم ہو بے حجاب
 جلد اٹھو گل کرو اے جاں نہیں منظور شمع
 دیکھ سوز ہجر سے میرا فروغ استخوان
 کیوں متکاتا ہے عبث اے بار رشک حور شمع
 یاد آئی ہے جو اس کو صحبت پروانہ ہاے
 رو رہی ہے ہم کو تم کو دیکھ کر سرور شمع
 منہ سے اتنا بھی نہ نکلا کیوں جلانے ہو مجھے
 ہو گئی ایسی تمہارے سامنے مجبور شمع
 سر پہ بار شعلہ دامن میں کچھ اشکوں کا هجوم
 آگے محفل میں تمہاری بن گئی مزدور شمع

-وز میرا سا بھارے حسن کی سی روشنی
 دونوں ہاتھیں کی ہیں پیدا کیوں نہ ہو، مگرور شمع
 یہ بھی سیکھی ناز معشوق بھاری شرم سے
 پردہ فانوس میں رہنے لگی مستور شمع
 زخم ملتا ہے حسبتوں کو بھی جو چرخ سے
 رکھتی ہے سینے میں اپنے جا بہ جا ناسور شمع
 اس زمیں میں اک غزل لکھو مضامین زا نسیم
 جلوۂ افکار سے ہے خاطر سرور شمع

(۱۸۵)

اس فروغ چند ساعت پر نہ ہو مغزور شمع
 صبح کو ہو جائے گی رزق دھان مور شمع
 آپ بھر لیتی ہے اپنے اشک سے ناسور شمع
 رکھتی ہے کب احتیاج مرہم کافور شمع
 آج کی شب دیکھتی ہے یہ نیا دستور شمع
 مجھ سے تم کچھ دور ہو اور تم سے ہے کچھ دور شمع
 شعلہ رویوں کی محبت نے اثر اتنا کیا
 بعد مردن بھی ہے اپنی ہاسبان گور شمع
 بے لیازی ہے یہ شکل دہدہ اعمال مجھے
 کچھ غرض رکھتا نہیں گو پاس ہو یا دور شمع
 عکس انگن ہیں جو عارض قاتل سفاک کے
 سینہ ساطور میں ہے جوہر سا طور شمع
 واہ ری قسمت حصول دید غیروں کے لیے
 آنکھ تو رکھتی نہیں کیا دیکھے اپنا نور شمع

تیرگی ہے باعث آرام موذی کے لیے
 ہوتی ہے اے دل و بال خانہ زنبور شمع
 اس کو شب بھر سوز حاصل اس میں شعلے رات دن
 کب بھلا رکھتی ہے میرا سا تن محروم شمع
 آپ دھو لیتی ہے چہرہ اپنے آب اشک سے
 احتیاج خدمتی رکھتی نہیں منظور شمع
 صورت موسیٰ غشی ہے صاحبان بزم کو
 مانگ لائی ہے کہاں سے جلوہ ہائے طور شمع
 وائے قسمت بے بضاعت سے حذر کرتے ہیں سب
 بھاگتی ہے خانہ مفلس سے کوسوں دور شمع
 ہاک بازاران محبت ہر تعلق سے ہیں ہاک
 بعد مردن بے کفن پروانہ ہے بے گور شمع
 جو کہ مہمان خدا ہیں ان کو پھر کیا احتیاج
 اہل جنت کے لیے ہوگا جہاں حور شمع
 ہاں ایسے معشوق عاشق حال کہنا چاہیے
 رکھتی ہے سننے میں اپنے جا بہ جا ناسور شمع
 ناز معشوق نہ انداز حیا را اس میں ہے
 مجھ کو حیرت ہے، ہوئی کس بات پر مشہور شمع
 جسم بے خوں زردی چہرہ دلیل کسل ہے
 بے سبب کب ہے یہ صورت کچھ تو ہے رنجور شمع
 یہ بھی عاشق ہے کسی کی جو ہوا میرا ساحل
 جلوہ گر ہے صورت داغ تن محروم شمع
 صبح تک جلتی رہی لیکن نہ ہو چھٹی تم نے بات
 آپ کی محفل سے دل میں لے چلی ناسور شمع

مجھ پہ وہ روتی ہے میں روتا ہوں تیرے خوف سے
 اس طرف مجبور میں ہوں اس طرف مجبور شمع
 اس میں سوز عشق تیرا اس میں سوز ظاہری
 لانے کی ایسا کہاں سے سینہ سرور شمع
 کہتے ہیں اُنہ آکے صدقے ہو کھلی بند نقاب
 ایک ہی جلوے میں اپنے ہو گئی بے نور شمع
 بس کہ آنکھوں میں تصور آپ کے عارض کا ہے
 آج محفل میں نظر آتی ہے مجھ کو حور شمع
 بدگیاں جس طرح تم ناشاد جیسے میرا دل
 دو ہلاتیں ساتھ ہیں ہو کس طرح سرور شمع
 یہ بھی کیا میں ہوں کہ جو ہر گز نہیں شایان رحم
 صبح ہی رخصت کر اس کو ہو چکی بے نور شمع
 وائے غفلت قرب رخصت پر جو ہے اس کو نظر
 دیکھو ہم تم ہنس رہے ہیں رو رہی ہے دور شمع
 بے زبانی سے ہوں چپ سر کاٹ کر پھٹناؤ کے
 بدگیاں ہوتے ہو کیوں اے جاں نہیں مغرور شمع
 آپ کے رخسار روشن نے مٹائی اس کی قدر
 اب نظر آنے لگی مثل چراغ دور شمع
 الناس آرزو کرتی تمہارے سامنے
 ہاں مگر ہے خلقت خاموش سے مجبور شمع
 مٹ گیا منہ سے تمہارے گر دوپٹا اے صنم
 چلے نور صبح سے ہو جائے گی کافور شمع
 کب ہیں محتاج ضیاء غیر عاشق اے نسیم
 داغ تن تابندہ ہیں دکھلانے کی کیا نور شمع

(۱۸۶)

ردیف غین معجمہ

دل میں رہتا ہے ضیاء داغ ہے روشن چراغ
 گھر ہے عاشق کا یہاں جلتا ہے بے روغن چراغ
 کب بقیں ہے قبر پر اپنی رہے روشن چراغ
 تم جلانے بھی نہ آؤ گے پس مردن چراغ
 شعلے دیتے ہیں بدن میں جس قدر ہیں استخوان
 جلوہ گر رہتے ہیں میرے زیر پیراہن چراغ
 بعد مدت گرم صحبت ہے جو وہ آتش سراج
 شعلہ انسوس ہے ہے سینہ دشمن چراغ
 مخلصی مطلوب کی طالب سے ہو، ممکن نہیں
 قید رکھتا ہے کنار شوق میں روغن چراغ
 ایک بھی منت نہ ہو آئی وہ خوش اقبال ہوں
 مدعی میرے لیے کرتے رہے روشن چراغ
 اک مماشہا ہے فروغ کرمک شب تاب ہے
 باغ میں ہر پھول رکھتا ہے تہ دامن چراغ
 روشنی دیتے ہیں داغ دل شکاف قبر ہے
 جانتے ہیں لوگ جلتے ہیں تہ مدفن چراغ
 جس قدر بے مانگی ہو باعث آرام ہے
 بھگت کے سو رہتا ہے جب ہوتا ہے بے روغن چراغ
 یہ جلاتا ہے آنہیں آنے میں پروانے جو ہاس
 وائے قسمت دوستوں کا اپنے ہے دشمن چراغ
 شب کی تاریکی لحد پر، داغ تن زیر لحد
 تیرگی بالائے مدفن ہے نہ مدفن چراغ

یوں ہی سرجاؤں گا میں بھی سوز غم سے اے صنم
 جل کے بجھ جاتا ہے شب کو جیسے بے روغن چراغ
 عکس عارض سے تمہارے بڑھ گئی دوفی چمک
 چشم بددور آج رکھتا ہے عجب جوہن چراغ
 امتحان کے واسطے اکثر بچھاتا ہوں جو میں
 تابش رخسار سے تم کرنے ہو روشن چراغ
 انتقال روح عاشق کا زمانہ ہے قریب
 لو مبارک ہو تمہیں روشن کرے دشمن چراغ
 بے حسوں کو بھی تمہارے حسن سے ملتا ہے فیض
 رات بھر رہتا ہے ہر دیوار میں روزن چراغ
 اے نسیم اب تم بدل کر تائبہ لکھو غزل
 جوش مضمون کہہ رہا ہے اور ہو روشن چراغ

(۱۸۷)

باعث بے رونقی ہے جاے ویران میں چراغ
 اس لیے روشن نہیں کرتے بیابان میں چراغ
 تیرہ بختوں سے فروغ ظاہری رہتا ہے دور
 کس نے دیکھا دامن شام غریباں میں چراغ
 آٹھ کیا عاشق کا لاشہ آج جھکڑا مٹ گیا
 ہاسباں روشن کرے اب کوئے جانان میں چراغ
 کچھ ہمیں مطلب نہیں گر ہاسباں بے رحم ہے
 آہ کے شعلوں سے جل جائیں گے زنداں میں چراغ
 نور کی ہے روشنی سونے میں وہ آغوش میں
 اے فلک رکھتا ہوں میں بھی آج داساں میں چراغ

ہر شکاف موسےٰ ضو دہتا ہے حسن روئے پاک
 جلوہ گر ہے کوچہ کیسویے جاناں میں چراغ
 سوچتا ہے چپکے چپکے کچھ ہوا کا ہے جو خوف
 رات بھر رہتا ہے اپنی فکر درماں میں چراغ
 نور کے آنسو ٹپکتے ہیں خیال پار میں
 کیا نمائشا ہے کہ ہیں آغوش داماں میں چراغ
 اے نسیم اب کی خلاف بھر سابق لکھ غزل
 صبح ہو جائے جاں تک بھر دے دیوان میں چراغ

(۱۸۸)

ہاں کیوں نہ پیش بزم رہے بے سخن چراغ
 رکھتا نہیں نشان زبان و دھن چراغ
 محتاج روشنی نہیں عاشق آپ کے
 جلووں سے داغ کے ہیں تہ پیرہن چراغ
 سرنے کے بعد بھی وہی شعلے ہیں مشتعل
 جلتے ہیں رات دن سرے زیر کفن چراغ
 نیندوں کے لطف خلق کو بیداریاں آئے
 ہے باسبان خانہ ہر مرد و زن چراغ
 در پیش ہوں گے عشر گزشتہ آسی طرح
 روشن کرو نہ آج کی شب جان من چراغ
 عاشق سے کاوشوں پہ ہمیشہ ہے روزگار
 جلتا نہیں سر احد کوہ کن چراغ
 چلتے ہو سیر کو تو رہے روشنی بھی ساتھ
 دکھلانے کا نشیب و فراز چمن چراغ

ہے رونقی دلیل مصیبت ہے اے صنم
 رکھتا نہیں مزار محراب الوطن چراغ
 مفاس کا لاشہ رات کو اٹھے تو قہر ہے
 خیاط کو بھی چاہیے بھر کفن چراغ
 مضمون نور زیا جو ہوئے ضبط اے نسیم
 ہے بزم سامعین میں ہمارا سخن چراغ

ردیف فا

(۱۸۹)

لائے نصیب کھینچ کے بیداد کی طرف
 دن بھر بھرا بھرا آیا تو صیاد کی طرف
 پاس وفا سے منہ نہ بھرا وقت نزع بھی
 دی جان دیکھ دیکھ کے صیاد کی طرف
 کیا اضطراب ہے کہ برابر ہیں گردشیں
 سوئے چمن کبھی، کبھی صیاد کی طرف
 میں اجنبی قفس سے قفس مجھ سے اجنبی
 وہ مجھ کو دیکھتا ہے میں صیاد کی طرف
 اے دام روزگار نہیں بخت عندلیب
 کیوں کھینچتا ہے تو مجھے صیاد کی طرف
 کہتا ہے دل کچھ اور ہی یہ طرہ لطف ہے
 میری طرف نہ آس ستم ایجاد کی طرف
 دیکھی جو میں نے روز جزا اس کی بے کسی
 شرما کے ہو گیا اسی جلاد کی طرف
 رو کو خدا کے واسطے یارو کہ جوش شوق
 بھر مجھ کو لے چلا اسی جلاد کی طرف

ہے مجھ کو جوش شوق شہادت حیا کے ساتھ
 گردن جھکاٹے جاتا ہوں جلاد کی طرف
 شوق نیاز ہوں کبھی قبر نگاہ ہوں
 اپنی طرف ہوں میں کبھی جلاد کی طرف
 ایسے مسافران عدم تنگ ، دل گئے
 منہ بھی کیا نہ عالم ایجاد کی طرف
 عاشق کا دل ہے اس میں خوشی کا گذر کہاں
 آنا ہے کون خاند برباد کی طرف
 مزدہ کسی طرح کا سناتا ہے گر کوئی
 میں دیکھتا ہوں خاطر ناشاد کی طرف
 اُن کو شگون آمد فصل بہار ہے
 نکلتے ہیں باغ ہاں سری فریاد کی طرف
 مشق خیال بار ہے یوں دل کو جس طرح
 سرعت ہو طفل کو سبق یاد کی طرف
 غنچے کھلے ہوئے ہیں چلو سیر کو نسیم
 جاتے ہیں دام ہلبل ناشاد کی طرف

(۱۹۰)

بھلا وہ کیا ہو مرے حال زار سے واقف
 نہیں ہے جو ستم روزگار سے واقف
 وہ عندلیب ہوں جس کی کھلی قفس میں آنکھ
 نہیں میں لطف خزان و بہار سے واقف
 نہیں اُلٹائی ہے جس نے تہش جدائی کی
 وہ کیا ہو میرے دل داغ دار سے واقف

فروغ حسن و شب زلف اس نے دیکھی ہے
 یہ دل ہے گردش لیل و نہار سے واقف
 خیال گریہ بس مرگ اس کو کیا ہوگا
 جو آج تک نہیں میرے مزار سے واقف
 نہ جانتے تھے کہ تکلیف عشق میں ہوگی
 نہیں تھے ہم ستم انتظار سے واقف
 هجوم کیف کی ہر دم ترقیاں ہیں مجھے
 وہ آنکھ ہوں کہ نہیں جو خار سے واقف
 خلش اُلٹائی نہ نوک مرہ کی اشکوں نے
 یہ آبلے نہیں تکلیف خار سے واقف
 ڈرو خدا سے گھمنڈ اس قدر نہیں اچھا
 نہیں ہو جذب دل بے قرار سے واقف
 میں وہ ہوں غنچہ پژمرده اس چمن میں نسیم
 کہ جو نہیں کبھی لطف بہار سے واقف

(۱۹۱)

میں دیکھ کر یہ طول نہ کہوں ہوں فدائے زلف
 جز ابتدا نظر میں نہیں انتہائے زلف
 حسرت ہی رہ گئی دل عاشق میں ہلے ہلے
 شانے نے کچھ بیان نہ کیا ماجراے زلف
 یا رب دراز ہو شب ہجران سے بھی زیاد
 رہتی ہے یہ دعا مرے لب پر برائے زلف
 عاشق کے دل کو فکر دوئی سے نہیں فراغ
 شانہ بھی سر لگائے ہوئے ہے نفائے زلف

عاشق کو دیکھ دیکھ کے ہوتا ہے پیچ و تاب
 ثابت نہیں کسی کو ہے کیا مدعاے زلف
 بخشا جو بے قراریؔ خاطر نے انتشار
 ہم کہتے کہتے بھول گئے ماجراے زلف
 میری بھی داستاں کو اسی طرح طول ہے
 جس طرح ہے دراز ترا ماجراے زلف
 دہتا ہوں اپنی جان اگر کیجیے قبول
 رکھتا ہوں اور کیا جو ممہیں دوں ہمارے زلف
 ہائی تمہارے سر پہ جگہ واہ رے نصیب
 کیا ان دنوں ہے اوج پہ بخت رساے زلف
 اللہ رے ضبطؔ عاشق بے چارہ مر گیا
 اتنا بھی اس کے منہ سے نہ نکلا کہ ہمارے زلف
 صدقے کے واسطے ہے ممہیں فکر کیا ضرور
 عاشق کی جان جائے گی لے کر ہلاے زلف
 قربان اس نصیب کے کیوں کر نہ جائیے
 قسمت یہ ہے کہ سر پہ تمہارے ہے جاے زلف
 سچ ہے هجوم شوق بھی ہے قہر اے نسیم
 کیا کیا پلائیں سہنے ہیں ہر شب ہمارے زلف

ردیف قاف

(۱۹۲)

ہم غریبوں کو بھی مل جاتے ہیں پیمانہ عشق
 یا رب آباد رہے صحبت مے خانہ عشق

یاد کیا آیا ہے مژدہ کہ جو رونا بھولا
 قہقہے کرتا ہے کچھ آج تو دیوانہ عشق
 رات کم آئی ہے آرام سے بھر سو رہنا
 سن لو کچھ عاشق بے تاب کا انسانہ عشق
 آہی رہتا ہے یہاں کوئی نہ کوئی مشتاق
 کب بھلا رہتا ہے خالی کبھی کاشانہ عشق
 اور خاک ایسی نہیں جیسی بشر کی ہے خاک
 بھی کرتی ہے سدا پرورش دانہ عشق
 نہ درخت اس کا ہے کوئی نہ کہیں پھل اس کا
 ظاہر نخل و ٹمر سے ہے بری دانہ عشق
 روح پرواز ہوتی کام نہ آئی زنجیر
 نہ رکا قیدی بھی ہو کر ترا دیوانہ عشق
 حال کہتے نہیں مر جاتے ہیں عاشق خاموش
 دیکھو بے شمع کے جل جاتے ہیں پروانہ عشق
 سجدے ہوتے ہیں ہزاروں کے دم مستی شوق
 اب تو کہے سے نہیں کم درمے خانہ عشق
 بند ہو جانے کا واعظ در توبہ لیکن
 وارے گا یوں ہی ہر دم درمے خانہ عشق
 بے خودی عین خودی ہے جو سمجھ رکھتا ہو
 جو کہ بے ہوش جہاں ہے وہ ہے فرزانہ عشق
 جب نظر آئے تو کھل جائے کہ کیا عالم ہے
 صورتیں اور ہی رکھتا ہے بری خانہ عشق
 کب تصور سے ہے خالی دل خستہ اے دوست
 ہر دم آباد رہا کرتا ہے ویرانہ عشق

کس کو تھی اس کے سوا منزل ویراں مرغوب
 سینہ عاشق افسردہ ہوا خانہ عشق
 اے نسیم اب نہ محبت کی کہنا کرنا
 ورنہ بھر لوگ کہیں گے تمہیں دیوانہ عشق

ردیف کاف

(۱۹۳)

پہنچی جو دم شوق نظر یار کے سر تک
 اللہ رے نزاکت کہ لچک آئی کمر تک
 اے روح نہ اتنا قدس جسم سے ہو تنگ
 آ پہنچے ہیں تیر نظر یار جگر تک
 مرا جائیں گے پہلے دم رخصت طلبی سے
 ہم خود سفری ہوں گے ترے وقت سفر تک
 کچھ دور نہیں تیری نزاکت سے جو ہل کھائے
 موزلف کے آئیں گے اگر موے کمر تک
 ہاہوسی کا کل کوئی آسیب نہ پہنچائے
 شانہ بھی نہ آ جائے کہیں موے کمر تک
 گو تجھ کو خبر ہو کہ نہ ہر میں نہیں غافل
 آہیں مری ہو آتی ہیں ہر شب ترے در تک
 کیا دخل جو کم ہو مری گلگونی دامن
 وا رہتے ہیں در زخم کے سینے سے جگر تک
 گر بندہ نوازی کا ارادہ ہے تو جلد آ
 ہوں آج کی شب اور بھی مہمان سحر تک

کیا کیا نہ ارادے تھے سرے جوش جنوں کے
 پہنچا نہ مگر ہاتھ گریبانِ سحر تک
 اے ولولہ شوقِ شب وصلِ صم ہے
 رہ جائے کوئی حوصلہ باقی نہ سحر تک
 وہ ضعف ہے اک لفظِ زباں پر نہیں آتا
 جا سکتی نہیں میری دعا بابِ اثر تک
 جس کے لیے میں بے خبر ہو دو جہاں ہوں
 افسوس کہ اس کو نہ ہوئی میری خبر تک
 اک طرفہ تماشا ہے ذرا دیکھ لو تم بھی
 لے آئیں گے آن کو بھی کہتے ہوئے گھر تک
 ہر چند ہوں دیوانہ مگر ہے ادب اتنا
 آتی ہے قدم لینے کو وحشتِ سرے گھر تک
 تنہا ترے کوچے سے کبھی میں نہیں پھرتا
 محرومی، قسمتِ سرے ساتھ آتی ہے گھر تک
 وہ حسن کی گرمی ہے جب آتا ہوں ترے پاس
 شعلہ سا لہٹتا ہے سرے پاؤں سے سر تک
 اے ضعفِ اجازت دے کہ میں پرہیز آنسو
 آتا نہیں دامن بھی کبھی دیدہ تر تک
 وہ حالِ نسیمِ اب ہے کہ دشمن بھی ہے محبوب
 منہ اپنا چھپاتا ہے سرا زخمِ جگر تک

(۱۹۲)

خدا را لے چلو بارو مجھے اُس شوخِ بدظن تک
 یہ حالتِ اب تو پہنچی ہے کہ رو دیتے ہیں دشمن تک

وہ مطلب ہوں کہ جس کو تم زباں پر لا نہیں سکتے
 وہ خواہش ہوں کہ پوشیدہ پہنچ جاتا ہوں دشمن تک
 غم پیری کے احساں سے جھکی ہے اس قدر گردن
 کہ آ جاتا ہے اب میرا گریباں میرے دامن تک
 وہ ہوں دیوانہ مفلس سلاسل جب سے ٹوٹی ہے
 میسر مجھ کو ہو سکتا نہیں پیوند آہن تک
 بھر آئے میرے نالے بد دماغی دیکھ گلچیں کی
 کہا لغیرت نے سر کر بھی نہیں جانے کے گلشن تک
 مرے آنسو بھی لطف بے نیازی سے نہیں خالی
 وہ گوہر زہب دامن میں نہیں رکھتے جو روزن تک
 نہیں ہے یاد کچھ طول گرفتاری سے سب بھولا
 ہزاروں بار پھر آتا ہوں جا کر میں نشیمن تک
 بنا ہوں بادہ ہر ساعت مجھے آغوش حاصل ہے
 کبھی ساغر کے قالب میں کبھی شیشے کی گردن تک
 دوق آئے نہیں دیتی مری تاثیر تنہائی
 ہگولے خاک ہو جاتے ہیں آئے آئے مدفن تک
 بہ شکل ابر مسک مجھ کو بخل آب ریزی ہے
 بھرے ہیں آنکھ میں آنسو نہیں آتے ہیں دامن تک
 نہ آئے کی میسر صحبت دشمن بھی قسمت سے
 کل پڑمردہ ہوں کیا جاؤں گا گلچیں کے دامن تک
 ندامت کیا ہوئی ایسی کہ رخصت سب کو کرتے ہو
 ڈھلا آتا ہے مثل اشک رخصتوں سے جوبن تک
 درختوں کو کیا بے برگ ریخ مرگ بلبل نے
 گلستان میں لباس ماکھی پہنے ہے سوسن تک

نسیم اک اور بھی لکھو غزل جولان طبیعت ہے
بڑھا آتا ہے جوش نور مضمون فکر روشن تک

(۱۹۵)

حجاب ابر مانع ہے گذر کیوں کر ہو گلشن تک
وہ شبنم ہوں پہنچ سکتا نہیں بھولوں کے دامن تک
بھاتا میل گریہ کیا کہ جاتے یار بدظن تک
گلا گھونٹا گریباں نے جو اشک آئے بھی دامن تک
کمال ضعف ہے گہرا کے آنسو میرے کہتے ہیں
مدد اے اضطراب شوق لے چل ہم کو دامن تک
وہ کہتے ہیں یہ ہے کس کے دل بے تاب کا شعلہ
کہ پھر جاتی ہے اک بجلی سی آ کر میرے دامن تک
ہجوم جوش وحشت سے ہوئے ہیں بے ادب ان سے
گریباں سے الجھ کر ہاتھ آ جاتے ہیں دامن تک
ہوائے بوسہ میں میں خاک ہو کر بھی پشیاں ہوں
ہوا آنے نہیں دیتی کسی کے بچھ کو دامن تک
قدم جننے نہیں دیتی صفائے عارض جاناں
پہستلی ہے نظر ایسی کہ آ جاتی ہے دامن تک
ترے چھٹنے سے چھوڑا آنسوؤں نے ساتھ آنکھوں کا
گلے مل مل کے آپس میں چلے آتے ہیں دامن تک
ندامت ہوگی اے دست جنوں گر کچھ رہا باقی
غضب آیا جو آیا بقیہ گر کا ہاتھ دامن تک
نکاح قہر سے کیوں گھورتا ہے دم بہ دم ظالم
قسم لے لے جو میرا ہاتھ بھی پہنچا ہو دامن تک

خوش قسمت قفس میں ہم قفس پر سیکڑوں پردے
 نظر بھی اب تو جا سکتی نہیں دیوار گلشن تک
 خطا میری نہیں صیاد میری آرزو لے جا
 کہ مجھ کو کھینچ لائی تھی یہی دیوار گلشن تک
 کبھی گلچیں نے لاکڑا کبھی صیاد نے گھورا
 نہ ٹھہرا ایک دم گلشن میں جب آیا نشیمن تک
 ہمار فصل کل آئی ہے میں کنج قفس میں ہوں
 مبارک باد مجھ کو ڈھونڈ جاتی ہے نشیمن تک
 کہ کر آزاد اے صیاد لیکن رحم کر اتنا
 نظر سے دیکھ لوں لے چل مجھے اجڑے نشیمن تک
 گلوں کے آتش رخسار سے شعلے بھڑکتے ہیں
 لگی ہے آگ کوسوں، کس طرح جاؤں نشیمن تک
 قفس سے چھوٹ کر دام اجل کی نو اسیری ہے
 نہیں ممکن کہ میری روح بھی جائے نشیمن تک
 وہ بے تابی کہاں ممکن جو توڑے دام جسمی کو
 وہ آزادی کہاں حاصل جو لے جائے نشیمن تک
 اداے رسم ماتم ہم صغیر آپس میں کر لیں گے
 صبا لے جائیو دو چار ہر میرے نشیمن تک
 قفس رکھا ہے اتنی دور صیاد ستم گر نے
 کہ میری آرزو بھی جا نہیں سکتی نشیمن تک
 ترے عاشق کا لاشہ ناپسند طبع ہے سب کو
 نہیں آتا گروہ مور بھی سوراخ مدفن تک
 ہمیشہ ہر شکاف قبر سے کچھ دور رہتی ہے
 صبا بھی ناز کرتی ہے اگر آتی ہے مدفن تک

تمہاری ہرزہ گردی کا خیال آنا ہے جب دل میں
 ڈبو دیتا ہے سیلابِ ندامت مجھ کو گردن تک
 ہجومِ کیف و مستی سے یہ عالم اب تو ہے ساقی
 چلی آئی ہے سے اہلی ہوئی شیشے کی گردن تک
 ہرستا ہے جو ابر تو کمنائیں ٹپکتی ہیں
 ڈبو دے اب سے میں آج ساقی مجھ کو گردن تک
 غنیمت ہے نسیمِ آزاد ہونا جب میسر ہو
 ملیں گے ہم صغیروں سے پہنچ کر صحنِ گلشن تک

ردیف کاف فارسی

(۱۹۶)

پہنچی ہر وہ سینہ سلک کر جگر میں آگ
 اے اشکِ دیدہ دوڑ لگی بال و ہر میں آگ
 باران کے بدلے برق تڑپتی ہے رات دن
 کب کی دبی ہوئی تھی دل ابر تر میں آگ
 دیدار کی ہوس نے جلایا نگاہ کو
 دی شعلہ ہائے حسن نے پائے نظر میں آگ
 گر سوزِ عشقِ اشک کو اخگر بنانے کا
 دھکا کرے گی شام و سحر چشم تر میں آگ
 ہو عمرِ طولِ آہِ شررِ بار کی مری
 هنگامِ احتیاج ہے موجود گھر میں آگ
 جز نخلِ عشق اور ہے وہ کون سا شجر
 ہو جس کے بیخ و ریشہ و برگ و ثمر میں آگ

تھوڑے خلاف حکم سے ہوتا ہے خشم گیں
 کسی بھری ہوئی ہے مزاج بشر میں آگ
 پڑتے ہیں آبلے جو چھوے کوئی اشک گرم
 اسے چشم تر نہاں ہے مگر اس گہر میں آگ
 ہے ناز سوز ہجر کو بھونکا ہے میں نے دل
 کہتی ہے آہ میں نے لکائی جگر میں آگ
 وہ سنگ دل بجا ہے جو شعلہ مزاج ہے
 جو سنگ ہے ضرور ہے اس کے جگر میں آگ
 میں آپ جل گیا تپش التماس سے
 بخشی مری دعا نے خود اپنے اثر میں آگ
 بلبل کی گرمیوں سے تعجب ہوا مجھے
 بھردی کہاں کی عشق نے اس مشت پر میں آگ
 وہ سوختہ نصیب ہوں جس جا رہوں گا میں
 قسمت مری لکائے گی دیوار و در میں آگ
 تلذیر کے بگاڑ کا چارہ بحال ہے
 ٹھہرے کہاں بشر جو لکے اپنے گہر میں آگ
 کیا منہ ہے ، کیا مجال کسی کی ہے اب نسیم
 پیدا ہو لطف سے جو ہر اک شعر تر میں آگ

ردیف لام

(۱۹۷)

کس منہ سے کہتی ہے کہ میں ہوں آشنائے گل
 بلبل زباں سے یہ بھی نہ نکلا کہ ہائے گل
 دیکھا طلسم اس چمن روزگار کا
 بلبل کے بدلے زاغ نہیں ، کانٹے بجائے گل

آنکھوں سے دیکھ لو ستم روزگار کو
 کچھ ہوجھنا ضرور نہیں ماجراے گل
 بلبل اسیر ہو تو کروں چاک پیرہن
 ہم خوب جانتے ہیں یہ تھا مدعاے گل
 اے عندلیب ! کیا نفس چند کی بہار
 دو دن کے بعد بھرے وہی ہاے گل
 ٹھہرا اگر قدم بھی تو آغوش دام میں
 افسوس دیکھنے بھی نہ ہائے لقائے گل
 فصل بہار و وقت خزاں دونوں ساتھ ہیں
 وہ ابتداے گل ہے تو یہ انتہاے گل
 کہتی تھی عندلیب کہ وہ تیرے بخت ہیں
 راحت کہاں اٹھا نہ سکے ہم جفاے گل
 ارباب ضبط کے نہیں کھلتے لب سوال
 اپنا ہی خون دل ہے چمن میں غذاے گل
 اے ریخ ہجر اور کہیں ڈھونڈ لے مکان
 رہتی ہے عندلیب کے دل میں ہواے گل
 اے ضبط عندلیب کے قربان جانیے
 آئے زبان پر نہ کبھی شکوہ ہاے گل
 رسوا کیا محبت خندیدگی نے آہ
 کھلنے لگے قریب سحر پردہ ہاے گل
 شاید نسیم آمد فصل بہار ہے
 بیدار ہے چند روز سے سر میں ہواے گل

ردیف میم

(۱۹۸)

دیکھ او قاتل بسر کرتے ہیں کس مشکل سے ہم
 چارہ کر سے درد نالان، درد سے دل، دل سے ہم
 ہمارے کیا بے خود کیا ہے غفلت امید نے
 حال دل کہتے ہیں اپنا پھر اسی قاتل سے ہم
 رشک اعدا نے کیے روشن بدن میں استخوان
 شمع محفل ہو کے آہیے آپ کی محفل سے ہم
 اس کو کہتے ہیں وفاداری کہ بعد از قتل بھی
 داغ خوں ہو کر نہ چھوٹے دامن قاتل سے ہم
 طول تھی راہ عدم گہرا کے سوئے قبر میں
 پاؤں پھیلانے تھکے جب دوری منزل سے ہم
 جسم روشن سے نظر آتے ہیں جلوے روح کے
 حسن لیلی دیکھتے ہیں پردہ محفل سے ہم
 خالی از احسان نہیں یہ بھی کہ وقت اضطراب
 خوش تو ہو جاتے ہیں تیرے وعدہ باطل سے ہم
 آؤ آپس میں سمجھ لیں غیر کاٹے کو سننے
 تم کہو دل سے ہماری کچھ، تمہاری دل سے ہم
 سن کے رو دیتے ہیں اکثر صورت زخم چکر
 آپ شریائے ہیں اپنے خندہ باطل سے ہم
 رشک ہے حسرت یہ اس کی دل میں آتا ہے یہی
 اپنے قالب کو بدل لیں قالب بسمل سے ہم
 سینہ دل میں ہجوم داغ حسرت ہے نسیم
 بھول چن لیتے ہیں اپنے گلشن حاصل ہم

(۱۹۹)

زرگر و حداد خوش ہوں وہ کریں تدبیر ہم
 طوق زر تم پہنو، پہنیں آہنی زنجیر ہم
 اور دیوانوں سے رکھتے ہیں ذرا توقیر ہم
 ڈالتے ہیں آپ اپنے پاؤں میں زنجیر ہم
 کفر و دہن کے قاعدے دونوں ادا ہو جائیں گے
 ذبیح وہ کافر کرے منہ سے کہیں تکبیر ہم
 بوں ہی خوش کرتے ہیں دل اپنا امید وصل میں
 کھینچتے ہیں ایک جا اپنی تری تصویر ہم
 آگیا جس دن خیال جوشش دیوانگی
 چاک کر ڈالیں گے اپنا نامہ تقدیر ہم
 سن تو او ظالم بھلا یہ بھی کوئی انصاف ہے
 لائق الطاف اعدا، قابلِ تعذیر ہم
 وصل میرے ان کے ہو گا کچھ اب اس میں شک نہیں
 کہہ دو آہیں دے چکے اس خواب کی تعبیر ہم
 روز کا جھکڑا اُنھانے کون، کر لیتے ہیں آج
 امتحان کاوشِ فانیل تہ شمشیر ہم
 کیوں نہ مستغنی رہیں، فضلِ خدا ہے اے نسیم
 رکھتے ہیں ملکِ سخن کی وانعی جاگیر ہم

(۲۰۰)

بیچھا کریں وہ انعی رہزن تو نہیں ہم
 چوٹی کی طرح سے پس گردن تو نہیں ہم

زخموں کو اگر خلق کے آنکھوں سے چھپایا
 سی دیں گے بھلا دیدہ سوزن تو نہیں ہم
 ظالم صفت شمع مرا حال بنایا
 سر کاٹ کے کہتا ہے کہ دشمن تو نہیں ہم
 تھی خاک پریشان پس مردن بھی ہیں آزاد
 مردوں کی طرح قیدی مدفن تو نہیں ہم
 دیوار سے کیوں رابطہ دود جگر ہو
 کچھ سرمہ کش دیدہ روزن تو نہیں ہم

ردیف نون

(۲۰۱)

بدلی نہ گالیوں سے کبھی بار کی زباں
 آئی نہ کام کچھ کسی لحم خوار کی زباں
 ناہ ہی عرض حال ہے صیاد رحم کر
 کو یا نہیں ہے بلبل گل زار کی زباں
 آنے کا کون آہلہ ہا جس کے خوف سے
 سوکھی ہوئی ہے دشت میں ہرخار کی زباں
 غفلت شعار کر تجھے آنا ہے جلد آ
 لیے بند ہو چکی ترے بیمار کی زباں
 منہ چڑھنا آج کل نہ کہیں شائقان سرگ
 بگڑی ہوئی ہے قاتل خون خوار کی زباں
 موذی کا ہے کہاں بھی انجام کو گزند
 ہے خوف ، جتنی تیز ہو تلوار کی زباں

تیر و ستان و خنجر و شمشیر آب دار
 ہیں زخم چوستے انہیں دو چار کی زبان
 واقف نہیں فصاحت الفاظ سے عنو
 سمجھے گا کیا نسیم کے اشعار کی زبان

(۲۰۲)

جلی سے کوند اٹھے جو کھلیں سیم تن کے پاؤں'
 خورشید آ کے چوم لے اس گل بدن کے پاؤں
 جی کیا لگے کہ صحبت زنجیر بھی نہیں'
 قاتل نے کائے پہلے ہی مجھ خستہ تن کے پاؤں
 ہوں پیک و ہم سے بھی میں وحشی سبک خرام
 پہنچیں جو مجھ تک اسے کہاں ہیں ہرن کے پاؤں
 مدفن کو چشم مور ملی مجھ حقیر کے
 کنج مزار میں بھی نہ پھیلائے تن کے پاؤں
 پاس' ادب سے گر وہ نہیں ہے مقام ہا
 جائے گا کوئے ہار میں سر میرا بن کے پاؤں
 مشاطہ دیکھ تو نہ لگا بیٹھنا کہیں
 مہندی کہاں کہاں سرے غنچہ دھن کے پاؤں

۱۔ "باہر ہوں ہانپتے سے جو نازک بدن کے پاؤں" سراپا سخن (۳۳۶)

۲۔ "کیا پہلے جی کہ صحبت زنجیر بھی نہیں" سراپا سخن (۳۳۷)

۳۔ اس شعر کے بعد یہ شعر تذکرۃ سراپا سخن (صفحہ ۳۳۶)

میں ہے :

اعجاز عیسوی سے وہ ٹھوکر بھی کم نہیں
 مردے جلیں چھوئیں جو سرے سیم تن کے پاؤں

باغ 'جہاں میں ڈھونڈھتا پھرتا ہے ہار کو
تھکے نہیں نسیم خجستہ سخن کے پاؤں

(۲۰۳)

جب تیر نظر تابہ جگر جائیں گے لاکھوں
دو چار تو کیا جی سے گذر جائیں گے لاکھوں
عسلی سے ترے عہد میں کچھ ہو نہ سکے گا
اک باب کے کہنے میں تو مرجائیں گے لاکھوں
وہ کوچہ دل کش ہے ترا قاتل سفاک
گو جان سے جائیں گے مگر جائیں گے لاکھوں
مشتاق قفس وہ ہوں اگر خاک بھی ہوں گا
صیاد کے گھر تک مرے ہرجائیں گے لاکھوں
پیراک یہاں بحر فنا کے بھی بہت ہیں
تلوار کے بھی گھاٹ اتر جائیں گے لاکھوں

ولہ

(۲۰۴)

بھولوں سمجھیں وہ بشر نہیں ہوں
اتنا بھی بے خبر نہیں ہوں
اتھ رے فرط کاعش تن
ہر چند کہ ہوں مگر نہیں ہوں

۱ - مقطع تذکرۂ سراپا سخن (صفحہ ۷۴۴) میں یہ ہے :
گلشن وہ کون سا ہے جہاں میں کہ جس جگہ
آئے نہیں نسیم مبارک سخن کے پاؤں

دکھلائی نہ دوں بہ غیر ممکن
 کچھ آپ کی میں کمر نہیں ہوں
 بے حال کہے نہ جانے دوں گا
 عاشقی ہوں نامہ بر نہیں ہوں

ولہ

(۲۰۵)۱

یہاں تک طول تھا اے ہم نفس کل ہجرتی شب میں
 دعا میں جاگ کر سو سو رہیں آغوش مطلب میں
 بھرا ہوں کچھ نکل جائے نہ منہ سے ضبط مطلب میں
 کہ ہو جاتی ہے ریزش بیش تر جام لبالب میں
 ہمیں حضرت سلامت کہہ کے صلواتیں سناتے ہیں
 غضب کی شوخیاں ہیں ان کی دشنام مودب میں
 مرے آنسو کے قطرے ہیں جسے شبیم سمجھتے ہو
 ٹپکتا ہے زلال اشک چھن کر دامن شب میں
 یہاں تک راہ دیکھی زلف شب پر نور پیری ہے
 کہیں آؤ کہ جھک آئی ہیں نیندیں چشم کو کب میں
 کدورت زندگی کی باد ابر و پاک کرتی ہے
 ثواب مرگ ملتا ہے عذاب نیش عقرب میں
 لیے انکار ساق نے ہزاروں خون گردن پر
 نگاہیں ڈوب کر رہ رہ گئیں جام لبالب میں
 بلندی پر ہے اقبال محبت خاکساروں کا
 شرار آہ خوابیدہ ہوئے پہلوئے کوکب میں

لب و رخسار و کاکل چشم و ابرو سب کے ہوئے دو
 کہہ ہوئے ہیں بہت سے لطف معجون مرکب میں
 جا ہے نور کا دریا ترے چاہ زلخداں سے
 بلندی حسن نے پانی نشیب سطح غیب میں
 یہاں تک جذب دکھلایا مری بے تاب دل نے
 کہ تاثیریں خود آئیں چرخ سے آغوش یارب میں

ولہ

(۲۰۶)

لطف کہاں اب وہ ملاقات میں
 بات نکلنے لگی ہر بات میں
 تھے وہ اندھیرے کہ خدا کی بناء
 تیرہ نصیبی جو ملی رات میں
 فضل خداوند اگر ہے نسیم
 دیر نہیں حل سہات میں

(۲۰۷)

تم کو بھی مشکل پڑے گی عاشقوں کی داد میں
 دونوں عالم ہیں ہمارے حلقہ فریاد میں
 بوجھ لوہم جانتے ہیں خوب گھٹ بڑھ رات کی
 چشم وایمانہ شب ہے سمھاری ہاد میں
 بار ایجاب دعا ہے سر اٹھاؤں کس طرح
 حلقہ احسان پڑے ہیں گردن فریاد میں

کس سماشا دوست نے جو سماشا کر دیا
 کون لے آیا ہمیں اس عالم ایجاد میں
 منہ سے نکلی بھی نہیں تھی صاف بسم اللہ عشق
 پہلے ہی رونے لگے ہم خدمت استاد میں
 جانب سے خالہ جو ہم نے قدم رقبہ کیا
 جام چھلکے ، خم لٹکھے رسم مبارک باد میں
 لطف تکلیف نفس کچھ ہم سے ہو چھا چاہے
 مدتیں آخر ہوئی ہیں خدمت صیاد میں
 اور بھی تکلیف اے قاتل کہ ایذا دوست ہوں
 زخم منہ کھولے ہوئے ہیں لذت بے داد میں
 برق نے اک طرز بے تاب سرا سیکھا تو کیا
 سیکڑوں باتیں ہیں ایسی خاطر ناشاد میں
 غیرت دیوانگی کا سلسلہ کیا توڑے
 تنگ آتا ہے کہ جائیں صحبت حداد میں
 بلبل بستان وحدت ہے یہاں سے چل نسیم
 عمر کو ضائع نہ کر اس گلشن ایجاد میں

(۲۰۸)

دل جگر باہم هدف ہوں سینہ نچھیر میں
 دو زبانیں چاہئیں قاتل ستان تیر میں
 سلسلہ تھا عقدہ پر بیچ کا تقدیر میں
 دی گرہ حداد نے ہر حلقہ زنجیر میں
 درد سے نا آشنا ہوتے ہیں اکثر تیرہ دل
 حشر تک آنسو نہ دیکھا دہدہ زنجیر میں

خواب چشم منتظر کو باعث تقصیر ہے
 اس لیے بے داریاں ہیں دیدہ زنجیر میں
 میری رقت کی جو کھینچی دست مانی نے شبیہ
 جز ہجوم اشک خامہ کچھ نہ تھا تصویر میں
 اس قدر ٹکرائے سر جس سے آہن ہو شکاف
 جی میں ہے پیدا کریں در خانہ زنجیر میں
 پیرہن کچھ کہہ رہا ہے میری قربانی کا حال
 رنگ ہے جلاد ہر تحریر دامن گیر میں
 کم نہ ہوگی اپنی گردش چارہ گر تدبیر سے
 صورت گرداب ہے سر گشتگی تقدیر میں
 عصمت دیوانگی نے دی نہ رخصت دشت کی
 عمر بھر ہم نے بسر کی خانہ زنجیر میں
 سادگی دیکھو کمنائے وصال بار سے
 آج تک ہم ہیں فریب آہ بے تاثیر میں
 چھوڑ کر خط نفا جلاد نے کاٹا گلا
 دو خط معکوس تو ام ہو گئے تحریر میں
 گر کوئی جاہل نہ سمجھے شعر تیرے اے نسیم
 کون سا ترک ادب ہو جائے گا توقیر میں

(۲۰۹)

ہے عجب تاثیر بے ہوشی ہمارے حال میں
 ہوش برسوں سے نہیں ہیں کاتب اہمال میں
 طوق نے آغوش پھیلائی ہمارے واسطے
 بڑھ گئی زنجیر کوسوں شوق استقبال میں

ولہ

(۲۱۰)

وہ کسی ڈھب سے اگر آئے کہیں قابو میں
دل کے مانند ہو بے چین سرے پہلو میں
اشک ہاتھوں سے جو ہونچھے تو کہا جھنجلا کر
آگ لک جائے یہ گرمی ہے ترے آنسو میں

ولہ

(۲۱۱)

سراچکے جس پر کہ مرنا تھا ہمیں
کر چکے جو کچھ کہ کرنا تھا ہمیں
اشک ریزی بے سبب اپنی نہ تھی
عمر کا پیمانہ بھرنا تھا ہمیں
بوسہ گر لیتے تو کھاتے ہاں قسم
راستی سے کیا مکرنا تھا ہمیں

ولہ

(۲۱۲)

سمجھ کے تازہ خریدار گرم جوش ہمیں
بلا رہی ہے نکاح اجل فروش ہمیں
لحاظ بے ادبی ہے آٹھانیں سر کہیوں کر
پتہ دنوں سے نہیں التفات ہوش ہمیں

آٹھا سکیں گے یہ تکلیف پیرہن کیوں کر
لباس برہنگی ہے وہاں دوش ہمیں

ولہ

(۲۱۳)

غرق بحر اشک ہیں کیا حاجت دامن ہمیں
چشم تر ہر روز پہاڑی ہے پیراہن ہمیں
رہنمائے تیرگی ہے منزل مقصود میں
شمع کی صورت فروغ رشتہ گردن ہمیں
امتحان تیغ قاتل آج کونا ہے ضرور
چاہے ہے اور بھی گردن تہ گردن ہمیں
دیکھ کر مجھ کو گریباں چاک کہتا ہے ہلال
لیجیے ہم سے گریباں دیجیے دامن ہمیں
بعد مردن بھی نہیں شان جنوں میں کچھ کسی
چاک ہرجا سے ملا ہے پہلو سے مدفن ہمیں
فرط کاش سے یہ حالت ہے کہ برسوں ہوچکے
خواب میں ابھی اب نہیں آتا خیال تن ہمیں
اب کسے ہے فرصت منت کشی اے باغ ہاں
داغ دل دکھلا رہے ہیں جلوۂ کشن ہمیں
آہ آتش بار سے طوق و سلاسل ہیں گداز
موم سے ابھی نرم ہے سنگینی آہن ہمیں
غیر ممکن ہے امید صحبت پہلو سے دوست
کم نہیں رنج قضا سے منت دشمن ہمیں

ولہ

(۲۱۴)

سوت کاٹھ کو قیامت تک اب آئے گی ہمیں
سخت جانی حضرت عیسیٰ بنائے گی ہمیں

ولہ

(۲۱۵)

سب ستم سارے وہ سامان مصیبت باد ہیں
ہم ابھی کنج نفس سے سرخ نو آزاد ہیں
جوشِ خوں کیسا یہاں تن خشک ہے مانندِ بید
اور دہوانے ہیں وہ جن کے لیے انصاف ہیں
تا کجا فکرِ اسیری رحمِ امے صیاد کر
موردِ بے داد ہیں جو صاحبِ بے داد ہیں
طاہران پر ہوس خیلِ مکس سے کم نہیں
دو نہ دو کچھ پاسیانِ خانہ قناد ہیں
حکم ہے مرنے نہ پائیں بسمِ تیغِ جفا
آسِ ستمِ ایجاد کے کیا کیا نئے ایجاد ہیں
ہم اسیرانِ نفس کیا جائیں لطفِ بوستان
مدتوں سے مبتلائے زحمتِ صیاد ہیں
ایک سی رہتی نہیں ہے گردشِ لیل و نہار
ساتھ ویرانی ہے اُن کے جو یہاں آباد ہیں

آسمان و عرش و کرسی ایک بھی خالی نہیں
 ہر جگہ دو چار اپنے مسکن فریاد ہیں
 ایک جا بے تابی دل سے نہیں ہم کو فرار
 صورت خاک پریشاں رات دن برہاد ہیں
 کون سا وہ گل ہے جس کی دید ہم کرتے نہیں
 عندلیب نغمہ سنج گلشن ایجاد ہیں
 کب یقی ہے تم کو بے آغوش آتی ہوگی نیند
 رات سے کیا کیا گمان خاطر ناشاد ہیں
 کس ہنسا پر کسی کے بار خاطر ہو جیے
 چند دن کو وارد دنیا سے بے بنیاد ہیں
 ہاتھ کھینچا جب جہاں سے بے نیازی بڑھ گئی
 کب کسی کے ہم بھلا منت کش اسداد ہیں
 خاکساروں کو غرور طبع بے جا ہے نسیم
 اپنے منہ سے کب کہا ہم نے کہ ہم استاد ہیں

(۲۱۶)

یہ لب چو سے ہوئے کیوں کر نہیں ہیں
 کہ ہیں گل برگ لیکن تر نہیں ہیں
 نصیب دشمنان ہاں کچھ تو گذرے
 کہ رخسارے ترے انور نہیں ہیں
 مبارک باد آزادی ہمیں کیا
 یہاں ملت سے بال و پر نہیں ہیں
 نہ بوجھو شمع سے تکلیف ہستی
 کہ شب بھر میں ہزاروں سر نہیں ہیں

ولہ

(۲۱۷)

رہی دو چار دن کی سیر اب بستر اٹھاتے ہیں
 عدم میں بھی نہ پہلا جی کہیں ہم اور جاتے ہیں
 ہمارے بعد قاتل انتظار چند دم کرنا
 کہ مشتاق قضا ہیں اور بھی دو چار آنے ہیں
 ہمیں لوٹا ہے کس ظالم کی دزدیدہ نگاہوں نے
 لہ سینے میں جگر باقی نہ دل پہلو میں ہاتے ہیں
 ابھی دیکھے نہیں تم نے اثر جذب محبت کے
 کرو انکار دیکھو کس طرح سے کشینچ لاتے ہیں

ولہ

(۲۱۸)

الفاظ و معانی کی کروٹ جو بدلتے ہیں
 پہلو سرے مطلب کے پہلو سے نکلتے ہیں
 شکل اور بدلتی ہے جب شکل بدلتے ہیں
 ہم صورت اشک اکثر بے پاؤں بھی چلتے ہیں
 کچھ زور نہیں چلتا جب زور نہیں چلتا
 وہ دل کی طرح میرے قابو سے نکلتے ہیں
 فصل آتی ہے یہ کیسی کس جوش پہ ہے مستی
 بو دیتے ہیں گل سے کی ہم عطر جو ملتے ہیں

ولہ

(۲۱۹)

کرشمے غمزمے سب او لستہ عالم سمجھتے ہیں
 تری اس چشم دزدیدہ کے قبور ہم سمجھتے ہیں
 نظر میں بے ثباتی ہے یہاں تک دار فانی کی
 صدائے خندہ گل نالہ ماتم سمجھتے ہیں
 ڈراتا ہے کسے واعظ عذاب روز عشر سے
 قیامت اک خیال کا کل برہم سمجھتے ہیں
 سوال غلصی سے ہم کو اے صیاد کیا حاصل
 چار گلشن ایجاد کوئی دم سمجھتے ہیں
 جگہ کیوں کر نہ دیں اپنے دل محروم راحت میں
 انیس وقت تنہائی تجھے اے غم سمجھتے ہیں
 گہاں نفلے سے کشتوں پہ حکم سرمہ ہاشی ہے
 دھان زخم چسپیدہ لب باہم سمجھتے ہیں
 دل صد چاک بھر آتا ہے بے تکلیف ہر دارو
 سرشک دیدہ خون بار ہم سرمہ سمجھتے ہیں
 نسیم دہلوی ہم موجد باب فصاحت ہیں
 کوئی اردو کو کیا سمجھے گا جیسا ہم سمجھتے ہیں

(۲۲۰)

کیوں حوصلہ ستم کا مری جاں رہا نہیں
 کیا تیرے دل میں اب کوئی ارمان رہا نہیں
 یہ رحم ہو نصیب غلو، میں تو مر چکا
 اب میرا حال قابل احسان رہا نہیں

اُس بت کو دیکھ آئے اُسی کی سی کہتے ہیں
 کوئی جہاں میں صاحبِ ایمان رہا نہیں
 حوریں خوش آئیں کب کہ بھٹا ذرا مزاج
 کیا آپ کا خیال مجھے واں رہا نہیں
 ڈرتا ہوں بد مزاج کہوں کسی طرح کہ میں
 دو روز گھر پر آپ کے مہمان رہا نہیں
 بس بس معاف حوصلے اپنے تھکا نہ تو
 اے چارہ گر میں قابلِ درمان رہا نہیں
 امید وصل میں ہے وہ خود رفتگی مجھے
 تیرا بھی خوف اے شبِ ہجران رہا نہیں
 مدت ہوئی فراغِ تعلق ہے اے جنوں
 اب ہاتھ کیا بڑھیں وہ گریبان رہا نہیں
 کس کو فروغِ حسن سے تیرے اماں ملی
 کیا میری طرح آئینہ حیران رہا نہیں
 پیری میں التفاتِ بت ہے کہوں نسیم
 گزرا شبابِ عمر وہ سامان رہا نہیں

(۲۲۱)

اے بخیہ گر ! معاف ، یہ احسانِ کر نہیں
 چھپ جائیں منہ دکھائے وہ زخمِ جگر نہیں
 گو مزدۃ قبولِ دعا ہے مگر مجھے
 احسانِ بختِ بد سے امید اثر نہیں
 کیا کیا رہے نشیب و فرازِ نظر مگر
 ثابت جی ہوا کہ دھان و کمر نہیں

ولہ

(۲۲۲)

میرے مرنے کی خبر سن کر وہ کچھ شاداں نہیں
 ہائے اب کیا کیجیے یہ بھی اے ارماں نہیں
 اشک میرے پاؤں دھوئیں خون دل مل دے حنا
 تم اگر آؤ تو حاضر کون سا ساماں نہیں
 آہ میری نامرادی کس قدر منظور ہے
 لطف بھی وہ اس نے سوچا جس میں کچھ احساں نہیں
 التماس حال کرتا ہوں میں رو رو کر تو کیا
 ڈر عبث ہے اشک کا قطرہ کوئی طوفاں نہیں
 سرنگوں مجھ کو کیا کہوں اے ہجوم انفعال
 یہ تو شرم گفتگو ہے شکوہ جانان نہیں
 دیکھ ظالم کیا سکھایا جلد اشک گرم نے
 تر ہوا لیکن کہیں تر دامن مڑگاں نہیں
 اس ترش روئی سے بے احساں ہی رہتا خوب تھا
 گو لیے ہوئے مگر کچھ بھی مزا اے جاں نہیں
 کس کی دزدیدہ نگاہیں سینے میں کرتی ہیں گھر
 پھر یہ کیوں کہتے ہو میرے دل میں کچھ ارماں نہیں
 یہ تو مشکل ہے کہ میں ہوں اور کبھی دیکھے نہ غیر
 آدمی ہوں کچھ سمجھارا خندہ پنہاں نہیں
 ہے جو آہ بے رحم کی مرضی تو برسوں سے نسیم
 کش مکش سے جسم کو حاصل لراق جاں نہیں

(۲۲۳)

اظہار مدعا مری تقریر میں نہیں
 مضمون صاف ایک بھی تحریر میں نہیں
 تکلیف کش مکش سے خدا را معاف کر
 حالت اب اے جنوں مری زنجیر میں نہیں
 ظالم عزیز رکھتے ہیں اکثر فروتنی
 خم کس گھڑی عیاں قد شمشیر میں نہیں

ولہ

(۲۲۴)

شوق شراب خواہش جام و سبو نہیں
 ہے سب حرام جب سے کہ پہلو میں تو نہیں

ولہ

(۲۲۵)

تم سے کیا تشبیہ دوں فکر دوی یک سو نہیں
 ماہ نو اہرو نہیں ہے ، ماہ کامل رو نہیں
 اس قدر مفاس ہوا ہوں دی جو گوہر سے مثال
 مدتیں گذریں کہ میری آنکھ میں آنسو نہیں
 آدمی کیا ہو کیا ہم زاد بھی تیرا مطاع
 اے پری کس کس پہ تیرا سایہ جادو نہیں

ربط باہم کے مزے باہم رہیں تو خوب ہیں
 یاد رکھا۔ جان جان کر میں نہیں تو تو نہیں
 آنکھ کے تلیم کی سیاہی مشک سے ہے کچھ زیاد
 کس طرح اس کو کہیں ہم نافذ آہو نہیں
 یہ وہ سم ہے آنے آنے جو زہاں نک جان لے
 نوش کے قابل لعاب انعی کیسو نہیں
 طوق ہو کر رہ گئی ہے ہاں کسی کی یہ نگاہ
 حلقہ نظارہ ہے یہ حلقہ کیسو نہیں
 بے ادب قاتل نہ ہو تیغ نکہ بس ہے ہمیں
 سینہ اپنا آشنائے زحمت زانو نہیں
 نوجوانوں کے سبب سے ہار دیرینہ چھٹے
 مدتیں گذریں کہ دل کو صحبت پہلو نہیں
 میں وہ وحشی ہوں کہ بعد از مرگ بھی میرا غبار
 کون سے دن طوطیائے دہدہ آہو نہیں
 حادثات دھر سے کس شے نے پایا ہے فراغ
 جامہ آبی خطوط موج سے آگے نہیں
 ظاہر و باطن میں ہے روز ازل سے اتحاد
 کوئی گل ایسا نہیں ہے جس میں مطلق ہونہیں
 کینہ صیاد سے کیسے سبک دوشی ہوئے
 سر نہیں ، گردن نہیں ، سینہ نہیں ، بازو نہیں
 تیرہ بھنوں کو شہادت کا اشارہ خال ہے
 کچھ تو ہے یہ بے سبب نقطہ تہ ابرو نہیں
 ہر کدورت سے مصفا ہے لباس عاجزی
 یہ وہ جامہ ہے کہ جو محتاج شست و شو نہیں

کیا کریں بے اختیاری سے نہیں کچھ اختیار
آپ پر قبضہ نہیں ہے ، موت پر قابو نہیں
کس گھڑی ہے ہم کو فرصت یاد حق سے اے نسیم
کون سا دم ہے جو لب پر اپنے ذکر ہو نہیں

(۲۲۶)

جو کہ مسک ہیں کسی کودل میں جا دیتے نہیں
زخم باطن ننگ باطن کی ہوا دیتے نہیں
ساتھ اپنا مدتوں کے آشنا دیتے نہیں
کیا کہا تم نے کہ قالے بھی صدا دیتے نہیں
یہ وہی لب ہیں جو تھے شب کو نصیب دشمنان
آپ کے بوسے بھی ہم کو اب مزا دیتے نہیں
واہ ری مطلب شناسی سن کے چپکے ہو رہے
عرض مطلب میں جواب مدعا دیتے نہیں
آپ کے اشفاق ، اپنی عزتیں معلوم ہیں
ہم کو چلو میں بٹھا کر کب اٹھا دیتے نہیں

ردیف واو

(۲۲۷)

دوستی رکھتے ہیں کس درجہ برابر آنسو
ساتھ آتا ہے ہر آنسو کے سرا ہر آنسو
نوک نوزکان سے مشبک ہے دل نور نظر
پاتے ہیں ہال سے بھی صدمہ نشتر آنسو

قطرۂ خوں ترے خنجر پہ نہیں او قاتل
 دیکھ بھر لائے ہیں یہ دیدہ جوہر آنسو
 صبح کو لوح جیبی مشقِ رقم ہوتی ہے
 شب کو دھو ڈالتے ہیں حرفِ مقدر آنسو
 اے فلکِ گریہ پنہاں ہے یہ کس کے غم میں
 دامنِ ابر سے چھٹتے ہیں برابر آنسو
 گریہ یادِ الٰہی نہ سمجھنا بے کار
 ایک دن بخشیں گے سیرابی کوثرِ آنسو
 اشک سے ہم کو زیادہ نہ وفادار ملا
 نکل آئے دمِ مردن کہ خنجرِ آنسو
 سرد مہری ہتاں نے جو رلایا ہم دم
 بن گئے جم کے مری آنکھ میں پتھرِ آنسو
 گریہ گرم نے خنجر کو بنایا آتش
 تھے مگر ہم اثرِ ہارۂ اخگرِ آنسو
 ابشارِ اشک کے کام آتے ہیں عریانی میں
 کہ اڑھا دیتے ہیں اکثر مجھے چادرِ آنسو
 غم سے معشوق بھی خالی نہیں شبنم ہے گواہ
 رکھتا ہے دامنِ ہر برگ گلِ ترِ آنسو
 بادہ بے یار پیوں شرطِ وفا سے ہے بعید
 جانتا ہوں قطرات سے احمرِ آنسو
 شوقِ نظارۂ جاناں میں فلکِ روتے ہیں
 دامنِ چرخ پہ ہیں دانۂ اخترِ آنسو
 ڈھونڈتی رہتی ہیں کیا کیا مری آنکھیں اُس کو
 ایک بھی ہوتا ہے دامن سے جو باہرِ آنسو

گریہ بے چشم بھی ہوتا ہے عجب کیا اس کا
 کہ بہا کرتے ہیں زخموں سے بھی اکثر آنسو
 یاد دندان پری رو میں جو روتے ہیں نسیم
 گوشہ چشم میں بن جاتے ہیں گوہر آنسو

(۲۲۸)

مرگ الفت نے یہ دی راحت کامل مجھ کو
 آکٹی نیند، تہ خنجر قاتل مجھ کو

(۲۲۹)

ولہ

کس سے مثال دوں بدن لا مثال کو
 پہنچا کبھی خیال نہ میرے خیال کو
 ظالم دل اسیر ابھی ہو گا خاک پر
 جنبش اگر ہوئی ترے کاکل کے بال کو
 قاتل کے لطف سے ہے یہاں تک ہمیں فراغ
 دست دعا نہیں جو آٹھائیں سوال کو
 وحشی وہ ہوں کہ جاں کو ہے تن سے رسیدگی
 مجھ سے بھلا مثال کہاں ہے غزال کو
 نے پا میں آبلے ہیں نہ صحرا میں نوک خار
 حیرت نہ کس طرح ہو ترے ہائمال کو
 آنے کے انتظار میں تیرے بسر کیا
 انفاس و وقت و روز، شب و ماہ و سال کو

لاغر وہ تھا کہ چشم جہاں سے نہاں رہا
 تھا صاحب کمال نہ پہنچا زوال کو
 لذت سے چھٹ سکے نہ سنان خدنگ ناز
 پہنچا نہ میرا زخم جگر اذہمال کو
 ترساں عذاب قبر سے ہوتا ہے کیوں نسیم
 حامی سمجھ تو اپنا ہمد کی آل کو

(۲۳۰)

غور کرنا دوستو! مجھ ناتواں کے حال کو
 آئندہ محتاج ہے نظارۂ مہمال کو
 دیکھنا تھا ہمارے کس پردہ نشیں کے حال کو
 خاک کے پتلے میں آئی روح استقبال کو
 سر کٹے لاکھوں بلا سے آبرو باقی رہے
 شمع نے جنبش نہیں دی پامے استقلال کو
 بڑھتے بڑھتے اشک دامن تک گذر کرنے لگے
 رفتہ رفتہ گود میں لینا پڑا اطفال کو
 کاتب تقدیر کو کچھ اور بھی منظور تھا
 لکھتے لکھتے رہ گیا نقطہ بنا کر خال کو
 تاج گوہر سر پہ پہنا آبلوں سے خار نے
 وفاق صحرا کر دیا ہم نے جنوں کے مال کو
 بے تکلف جلوۂ حسن صنم تھا اس قدر
 مہر کورخ، مہ کو عارض، برقی سمجھا چال کو
 لاغری نے کر دیا ہم کو یرنگ شور نے
 اب بجز آواز صورت تک نہیں مہمال کو

اب نہیں حاجت جو ہوں ممنون عیسیٰ و قضا
 جنبش لب یار کی کافی ہے دونوں حال کو
 روشن و تاریک میں یکساں مزا مجھ کو ملا
 مصحف روکا ترے نقطہ میں سمجھا خال کو
 مصطفیٰ سے ہے تجھے چشم شفاعت اے نسیم
 بخش دے گا ایزد برحق ترے افعال کو

(۲۳۱)

اور چندے صبر کر دل ، ہے فنا ہر کام کو
 ایک دن ہوتی ہے گردش گردش ایام کو
 بعد خواب مرگ بھی آنکھیں ہیں وقف انتظار
 لطف بے داری مہیا ہے مرے آرام کو
 کس کی بابوسی سے ہے اس سرہندی کا ظہور
 ہم سر عرش معالیٰ دیکھتے ہیں ہام کو

ولہ

(۲۳۲)

دی ہے عجب تاثیر خدا نے کچھ میرے افسانے کو
 روکے اٹھا وہ پاس سے میرے جو آیا سمجھانے کو
 نعلی ترے مقتول کی جب تجویز ہوئی لے جانے کو
 ابر ہوا آمادہ گریہ ، وعد اٹھا چلانے کو
 مستوں کی بدستی نے ویرانہ کیا مے خانے کو
 توڑا ہر ہر پہلو مینا ، چور کیا پیانے کو

ناز اجل اب کون اٹھائے آج نہ آئی کل آئے
ابرو قاتل تیغ کشیدہ کافی ہے مر جانے کو

ولہ

(۲۳۳)

ڈرتا ہوں آپ کی خفگی کا سبب نہ ہو
فریاد بے لحاظ سے ترک ادب نہ ہو
حیرت ضرور ہوگی مری سرگزشت پر
یہ حال وہ نہیں جو کسی کو عجب نہ ہو
اے دل ستم گروں کی محبت سے درکنر
وہ یار ڈھونڈ لے جو اذیت طلب نہ ہو
ہو کچھ کہا وہ پھر کبھی آئے نہ تا دھن
جو کچھ ہوا ہوا یہ رے پاس اب نہ ہو
بجنوں تو ہو چکا یہ نہیں ہے مجھے پسند
میرا وہ نام ہو جو کسی کا لقب نہ ہو
ممکن نہیں کہ ساتھ چھٹے رخ کا زلف سے
ایسا بھی کوئی دن ہے کہ جس دن کی شب نہ ہو
اچھی نہیں ہے یار سے یہودہ چھیڑ چھاڑ
کچھ خیر ہے نسیم بہت بے ادب نہ ہو

(۲۳۴)

اے جان کیوں نہ عاشق مغرور بل میں ہو
اس دل سے پوچھیے کہ جہاں تو بغل میں ہو

ولہ

(۲۳۵)

عجب ہے کیا احبا دیکھتے ہو
 انہیں دیکھو، مجھے کیا دیکھنے ہو
 خبر ابھی ہے یہ ہوتا قتل ہے کون
 یہ کس کا تم تماشا دیکھنے ہو

ولہ

(۲۳۶)

مزمہ مطلع کا دے، فکر دو پہلو ہو تو ایسی ہو
 رہیں حصے برابر بیت ابرو ہو تو ایسی ہو
 نظر آئی گھٹا کیفیت مو ہو تو ایسی ہو
 جگر ہو جائے ہانی موج گیسو ہو تو ایسی ہو
 مزے ابذا کے بخشے دل کو ہر کروش بدانے میں
 کھٹک نشتر کی ہو تکلیف پہلو ہو تو ایسی ہو
 کیا مویاف کے پیچوں نے قید اے بار چوٹی کو
 بجا ہے گر کہوں زنجیر گیسو ہو تو ایسی ہو
 فروغ حسن نے بخشے جو شعلے کان کی لو میں
 کہا شاعر نے شمع شام گیسو ہو تو ایسی ہو
 صفائی سے بدن کی جب پڑا عکس ان کے چہرے کا
 پکارے دیکھنا تصویر زانو ہو تو ایسی ہو

دم فریاد بے ہوشی رہی ہم کو قیامت میں
 نہ پہچانا اسے ، تاثیر جادو ہو تو ایسی ہو
 زمان ذبح نکلے روح لفظ مرحبا کہہ کر
 سرے قاتل توان دست و بازو ہو تو ایسی ہو
 نکلنے ہیں برابر اشک میری دونوں آنکھوں سے
 متاع درد تلنے کی ترازو ہو تو ایسی ہو

ردیف ہائے ہوز

(۲۳۷)

کس کو غرض ، رہے جو اسیر ہلا کے ساتھ
 بے کس وہ ہوں ، اثر بھی نہیں ہے دعا کے ساتھ
 میں دور غیر پاس نہ کہہ بے نیاز ہوں
 او بت نگاہ کر کہ نہیں کچھ خدا کے ساتھ
 کیا بات ہے لطافت جسمی جو ہو نصیب
 ہستا نہیں ہے رنگ حنا کا حنا کے ساتھ
 ممکن نہیں نصیب ہو بے رحم کو رفیق
 دیکھی نہ ایک روح بھی ہم نے قضا کے ساتھ
 لے جائیے اسے بھی سبک دوش ہو کہیں
 رکھیے مری اسید بھی اپنی حیا کے ساتھ
 باتیں سنیں ، عتاب اٹھائے ، غضب سے
 کس کس طرح ذلیل ہوئے دل کو لا کے ساتھ
 جب لے چلے اٹھا کے جنازے کو اقربا
 عروسیاں مری ہوئیں آنسو بہا کے ساتھ

وہ خاک ہوں زمیں نے نہ جس کو کیا پسند
 ٹھہرا نہ ایک دم کہ اڑا میں ہوا کے ساتھ
 کہتی تھی وقت نزع بھی روح بار بار
 اے جسم دھکے جاتے ہیں تنہا ہم آگے ساتھ
 یہ بے سبب نہیں کہ جو مٹتے ہیں سیکڑوں
 شاید کچھ اور بھی ہے ترے نقش پا کے ساتھ
 واعظ لحاظ بادہ ہرستی ضرور ہے
 تو بھی شریک ہزم ہو ساغر آٹھا کے ساتھ
 حرفوں کے ہوئے لفظ کا منہ چومتا ہوں میں
 الفت ہے مجھ کو سلسلہ مدعا کے ساتھ
 رکنا ہے بال بال میں قدرت خدا کی ہے
 شانہ بھی ناز کرتا ہے زلف دوتا کے ساتھ
 دامن میں اشک ، دل میں ندامت ، لبوں پر آہ
 کیا کیا دیا نہ آپ نے اے جان لا کے ساتھ
 فریاد کی یہ جسم نے وقت فراق روح
 افسوس آشنا رہے نا آشنا کے ساتھ
 روشن ہیں خود بہ خود سرے سینے میں استخوان
 اس شمع کو نہیں ہے تعلق ہوا کے ساتھ
 گر دل دیا بتوں کو تو کیا اس سے فائدہ
 الفت ہشر کو چاہیے اپنے خدا کے ساتھ
 کبیرا گئے تم ایک ہی عرض بیاں میں آج
 سو حسرتیں ہیں اور مری التجا کے ساتھ
 ہنس ہنس کے حکم قتل سناتا ہے دل رہا
 کچھ لطف بھی شریک ہے طرز جفا کے ساتھ

کیا التماس حال کروں آپ سے نسیم
بہر سابقہ ہوا ہے اسی بے ونا کے ساتھ

(۲۳۸)

ہستی چھپی ہوئی ہے عدم کی خبر کے ساتھ
پوشیدہ ہے نشان دہن بھی کمر کے ساتھ
صیاد کے عذاب نے بے فکر کر دیا
امید مخلصی بھی گئی ہال و ہر کے ساتھ

ولہ

(۲۳۹)

ہو اہل کرم کیا میں کہوں تم سے زیادہ
وہ ہے ہو مجھے ہذل جو ہو خم سے زیادہ
مرنے کو مرے عیش سے بہتر ہو سمجھتے
ماتم کی تمنا ہے ترنم سے زیادہ
اشکوں کی جو بارش سے نکلتی ہیں صدائیں
غل ہوتا ہے دریا کے تلاطم سے زیادہ
کیا سوچتے ہو، آؤ گلے سے مرے مل جاؤ
گھبراتا ہے انسان توہم سے زیادہ
وہ رات کے مہیاں نگران ہیں یہ شب و روز
آنکھیں مری وارہتی ہیں انجم سے زیادہ
تکلیف سخن اُس میں جلاتا ہے یہ بے رنج
ہے آپ کا اعجاز نظر قم سے زیادہ

رکتی نہیں برسوں سے مری جوشش گریہ
 ہے قصد کہ بڑھ جائیے قلم سے زیادہ
 شاکر رہے تقدیر پر انسان تو بہتر
 ملتا نہیں کچھ ریخ و قائم سے زیادہ
 یہ زیر قدم آپ کے رہتا ہے شب و روز
 عزت مرے بستر کی ہے قائم سے زیادہ
 افزائش بے جا سے جہنم بھی نہیں خوش
 رکھتی نہیں وہ نعل جو ہو سم سے زیادہ
 فیض لب جان بخش سے جیتے ہیں بہت کم
 مر جاتے ہیں شمشیر تبسم سے زیادہ
 روتے ہیں وہ منہ پھیر کے کیوں کر کہوں بے درد
 دکھتا ہے جو دل میرے نظام سے زیادہ
 کہتے ہیں جو کہنا ہو وہ دو باتوں میں کہیے
 گہرا تا ہوں میں طول تکلم سے زیادہ
 لاریب نسیم آج ہو بے مثل جہاں میں
 اس فن میں نہیں اور کوئی تم سے زیادہ

ردیف یاے تخیانی

(۲۴۰)

راحت سے جو تکلیف کی تاثیر بدل جائے
 غالب ہے جگر میں خلش تیر بدل جائے
 چائے جو لہو ظلمت تقدیر بدل جائے
 سرخی سے سواد جگر تیر بدل جائے

اے جان کوئی سہر ، کوئی ہو وہ کامل
 دو عارضوں میں صورت تنویر بدل جائے
 گر مجھ کو رلایا تو ہنساؤ بھی کوئی دم
 اب اور طرح پہلو سے تقریر بدل جائے

ولہ

(۲۴۱)

بے تابی فراق سے عالم بدل نہ جائے
 نالہ فراز عرش سے آگے نکل نہ جائے
 وہ مجھ سے بن گئے خبر مرگ غیر سن
 بے اختیار نالہ دھن سے نکل نہ جائے
 روئے ہیں ضد بار سے ناراض ہو کے ہم
 جو طفل اشک آنکھ سے لپکے بچل نہ جائے
 وقت وصال عاشق و معشوق ایک ہے
 ٹھنڈی اگر ہو شمع تو پروانہ جل نہ جائے
 ابرو چڑھی رہے صف مڑگاں بھری رہے
 خم تیغ کا مٹاؤ نہ خنجر سے ہل نہ جائے
 شام فراق ہے وہ اندھیری کہ خوف ہے
 پیغام پر جناب قضا کا دھل نہ جائے
 کس آب و تاب پر رخ شفاف ہے نسیم
 ہائے نظر ہزار جگہ کیوں بھسل نہ جائے

(۲۲۲)

کیا دل میں ارادہ ہے جو باندھے کمر آئے
 بے طور مجھے طور بکھارے نظر آئے
 کب مرگ سے فرصت جو یہاں نامہ بر آئے
 کچھ اور خبر جائے گی جب تک خبر آئے
 نکلے نہ سلامت ترے کوچے سے کبھی ہم
 کچھ لے ہی گئے سر پہ بلا جب ادھر آئے
 کیا غم ہے اگر جان گئی خبر بلا سے
 ہم خوش ہیں کہ خالی نہ بھرے کچھ تو کر آئے
 تم زلف کو کھولو کہ سحر ہونے نہ پائے
 جب تک کہ شب وصل کی شام دگر آئے
 اغیار تمہیں بادۂ گل رنگ ہلائیں
 آنکھوں میں لہو کیوں نہ ہاری اتر آئے
 قاتل نہ رہے حاجت تکلیف دوبارہ
 سر پر جو پڑے ہاتھ کمر تک اتر آئے
 کی سیر جو اس زندگی چند نفس میں
 دنیا کے مہماتے مجھے کیا کیا نظر آئے
 ہر ایک پہ قاتل کی غثابت تھی برابر
 دلیا سے مرے ساتھ بہت ہم سفر آئے
 خاموش نسیم اب سخن ہرزہ کہاں تک
 بکتے ہی چلے جاتے ہو بس تم جدھر آئے

(۲۴۳)

جواب دیکھے کب لے کے نامہ پر آئے
 دھڑک رہا ہے مرا دل کہ کیا خبر آئے
 دیا قضا نے ہمیں مژدۂ فراغ حیات
 کہ آج تابہ دھن ہارۂ جگر آئے
 شب فراق، تھی نالان شب اجل خاموش
 کہیں بھی جی نہ لگا آہ ہم جہر آئے
 نشان بے ادبی ہیں یہ کس کے ہوسوں کے
 کہ دونوں صفحہ رخسار پر آہر آئے
 ہوائے سیر چمن تھی نفس نصیب ہوا
 کمال جب کہ درستی یہ ہال و بر آئے
 تمہارا عقدہ کاکل کسی سے کیا سلجھے
 کہ بیچ کھا کے جہاں حلقہ نظر آئے
 دعا قریب اثر تھی تمہارے کہنے سے
 فراز عرش سے فالے مرے آتر آئے
 وہاں مجھے لیے جاتا ہے او دل بے تاب
 کہ جس گلی سے ہزاروں پریدہ سر آئے
 نسیم لطف سخن آپ پر تمام ہوا
 کہے وہ شعر کہ شہرت جہاں میں کر آئے

(۲۴۴)

لو دل کی رہی دل ہی میں حسرت نہ پر آئی
 ساغر نہ بھرا تھا کہ اجل کی خبر آئی

بے پردگی اب آن کی مبارک ہو عدو کو
 نظارے سے اپنے تو اجل بیشتر آئی
 اب عیش کا اور غم کا برابر ہوا رتبہ
 وان جام لبالب ہے یہاں چشم بھر آئی
 کیا چیز ہے نظارۂ حسن رخ جانان
 جس دم سے گئی بھر کے نہ ہم نک نظر آئی
 کچھ خیر نہیں چرخ و زمیں کی نظر آئی
 بھر جوش زاری پہ مری چشم تر آئی
 تیغ نظر یار سے مقتول ہے عالم
 معلوم نہ دی کچھ کہ کدھر تھی کدھر آئی
 ہبل کی تو قسمت میں وہی دام و قفس ہے
 کیا فائدہ ہے باد بہاری اگر آئی
 کیا ہوجھتے ہو مائے بسر ہوتی ہے کیوں کر
 نالوں سے کئی رات تو غم کی سحر آئی
 ہر شعر نسیم جگر انگار ہے خورشید
 عالم میں مری نگر رسا نام کر آئی

(۲۲۵)

آیا ہے خیال بے وفائی
 کیوں جی وہی گفتگو بھر آئی
 او بت نہ سننے کا کوئی میری
 کیا تیری ہی ہو گئی خدائی
 روکو روکو زبان روکو
 دینے نہ لگو کہیں دھائی

صحرا میں ہوئی گہر فشانی
 کام آئی مری برہنہ پائی
 چاہا لیکن نہ بیچ سکے ہم
 آخر تیغ نکلا کھائی
 توڑا کانٹوں نے آبلوں کو
 برباد ہوئی مری کھائی
 ہوسہ ہم آج مانگتے ہیں
 کرتے ہیں قسمت آزمائی
 توبہ شکنی شباب میں کر
 کب تک اے جان پارسائی
 کاٹا دن تو تڑپ تڑپ کر
 آفت کی رات سر پر آئی
 رخصت ہے نسیم جلد دیکھو
 کر لو گر ہو سکے بھلائی

(۲۲۶)

اب وہ گلی جائے خطر ہو گئی
 حال سے لوگوں کو خبر ہو گئی
 وصل کی شب کیا کم ہوں کیوں کر گئی
 بات نہ کی تھی کہ سحر ہو گئی
 دیکھیں گے اے ضبطیہ دعوے ترے
 رات جدائی کی اگر ہو گئی
 حضرت ناصح نے کہی بات جو
 ہم اثر درد جگر ہو گئی

میں نہ ہوا غیر ہوئے مستفیض
 تیری نظر تھی وہ جدھر ہو گئی
 یاد کسی کی مجھے پھر ان دنوں
 جوش زن دیدہ تر ہو گئی
 کس کی ہم 'آغوشی' کا تھا عزم جو
 زلف تری طوق کمر ہو گئی

ولہ

(۲۲۷)

ہم نفس پھر آہ و زاری ہو گئی
 پھر وہی حالت ہماری ہو گئی
 بے سبب ہر بات میں آرزوی
 کیا بری عادت سمجھاری ہو گئی
 ہم نفس سب کچھ سمجھتے ہیں مگر
 کیا کریں بے اختیاری ہو گئی
 آ اگر آنا ہے او وعدہ خلاف
 اب تو آخر رات ساری ہو گئی

ولہ

(۲۲۸)

الطاف جو وہ آپ کے ہائے نہیں جاتے
 تکلیف تو کیا ناز اٹھائے نہیں جاتے

۱ - طبع اول و دوم میں "ہم آغوش" ہے - تصحیح قیاس کی گئی -
 (لائی)۔

اللہ رے بے دود سر مدفن عاشق
 دواشک بھی آنکھوں سے بجائے نہیں جاتے
 جو ہم پہ گذرئی ہے کہیں جلد گذر جائے
 ہر روز کے صدمے تو اٹھائے نہیں جاتے
 دشنام ہمارے لب شیریں سے سنیں کیا
 وہ تلخ نوالے ہیں جو کھائے نہیں جاتے
 مے دہنے میں یہ بخل ذرا سوچ تو ساق
 ہانی کے بھی دو گھونٹ پلائے نہیں جاتے
 کوئی نہ بھرا قافلہ ملک عدم سے
 کیا پاؤں گڑے ہیں کہ اٹھائے نہیں جاتے

ولہ

(۲۴۹)

اے جان لڑکپن کی تری مت نہیں جاتی
 ہاں سچ ہے کہ بگڑی ہوئی عادت نہیں جاتی
 نشتر ہوئے بے کار تھکے بازوئے فساد
 اس پر بھی کسی دم مری وحشت نہیں جاتی
 سر کاٹ لیا اب بھی تری فذر کو قاتل
 مردوں کی پس مرگ بھی ہمت نہیں جاتی

ولہ

(۲۵۰)

کب آئے مرے پاس وہ برہم نہیں ہوتے
 کس عید میں سامان محرم نہیں ہوتے

دیوانوں کو دنیا میں کبھی غم نہیں ہوتے
 عیدیں ہیں یہاں روزِ محرم نہیں ہوتے
 تصویر کو کیا خوف ہے شائے کی خلش سے
 وہ طرہ کیسو ہیں جو برہم نہیں ہوتے
 کس خشک طبیعت کو میسر ہوئی نرمی
 سریشوں کے ظاہر ہے کبھی خم نہیں ہوتے
 یہ سچ ہے کہ بے وجہ بدلتی نہیں خلقت
 مژدے جو ہیں وہ نالہ ماتم نہیں ہوتے
 کیا جانے آتے ہیں کہاں سے مرے شکوے
 کم ہوتے ہیں ہرچند مگر کم نہیں ہوتے
 راحت میں بھی موجود ہے تکلیفِ جدائی
 لبِ دونوں دمِ قہقہہ باہم نہیں ہوتے
 آنسو مری آنکھوں میں ٹھہرتے نہیں دم بھر
 یہ خرمنِ اندوہ فراہم نہیں ہوتے
 آویزہ گل آتے ہیں خالق کی طرف سے
 کم موتیوں سے دانہٴ شبم نہیں ہوتے
 زلفوں کے ترے چوسنے والے نہ مرے گیوں
 جو انہی ظالم ہیں وہ بے سم نہیں ہوتے
 بے فائدہ ہے فکرِ مرے چارہ گروں کو
 سب زخمِ جگر قابلِ مرہم نہیں ہوتے
 فرقِ ازلی فکر سے یک رنگ ہو کیوں کر
 حیوان کبھی ہم صورتِ آدم نہیں ہوتے
 دل جاتی کہ ہم جنس ہے اس بات کی تہ کو
 محرم سے ترے ہاتھ جو محرم نہیں ہوتے

کیا مردہ پسندی ہے طبیعت میں خدایا
جلاد کی تیغوں میں کبھی دم نہیں ہوتے
کس وقت نسیم جگر انکار کے انکار
برہم صفت گیسوے برہم نہیں ہوتے

(۲۵۱)

ہم تاب سوال لب سائل نہیں رکھتے
اس واسطے پہلو میں کبھی دل نہیں رکھتے
دامن نہ چھڑا یوں خفگی سے کہ ہیز مرگ
ہم اور سمنا کوئی قاتل نہیں رکھتے
انکار جی ہے کہ جنائیں نہ اٹھیں گی
دل رکھتے ہیں ہر آپ کے قابل نہیں رکھتے
رونے پہ اگر آئیں تو عالم کو ڈبو دیں
دریا میں بھی ہم دامن ساحل نہیں رکھتے
کیوں ناز آٹھائیں گے نسیم اہل دول کے
حاجت نہیں رکھتے کوئی مشکل نہیں رکھتے

(۲۵۲)

ملنے کے نہیں نشان ہمارے
کیا پوچھتے ہو مکان ہمارے
احسان سے نہیں ہدی بھی خالی
دشمن ہیں مہربان ہمارے
پچھتاؤ گے جان لے کے دیکھو
نا حق ہیں یہ امتحاں ہمارے

بے مثل ہیں لذت سخن میں
 سب اٹھ کئے ہم زبان ہمارے
 آزاد کی جستجو عیب ہے
 ہاؤ گئے بتے کہاں ہمارے
 اُڑتی ہے خاک اس زمیں سے
 پڑتے ہیں قدم جہاں ہمارے
 نفاقہ لاتے ہیں اس طرف روز
 محسن ہیں ساریاں ہمارے
 ہم سے بھی کچھ کہو عزیزو
 کیا ذکر تھے شب و عاں ہمارے
 ظاہر ہے جو گذر رہی ہے
 کچھ حال نہیں نہاں ہمارے
 لائیں گے نسیم رنگ کیا کیا
 یہ دیدہ خون نشاں ہمارے

(۲۵۳)

اب تک تو نہ بکڑے تھے گرفتار تمہارے
 کچھ سوچ کے آئے ہیں گنہگار تمہارے
 کیا عرض کروں دغدغہ ہے ادبی ہے
 کچھ کہتے ہیں یہ دیدہ بیدار تمہارے
 شایان جفا قابل تکلیف ہمیں ہیں
 کیا اور نہیں یار وفا دار تمہارے
 کھل جائے گا حال دل بے تاب انہیں بھی
 جاتے ہیں نسیم آج کچھ اشعار تمہارے

(۲۵۴)

لڑکپن میں یہ ضد ہے جاتی تمھاری
 ابھی دیکھنی ہے جوانی تمھاری
 کہا میں نے ٹھہرو تو بولے یہ ہنس کر
 کبھی بھر سنیں گے کہانی تمھاری
 نثار آن کے جاٹیں جو سچ جانے اس کو
 فسانہ ہمارا زبانی تمھاری
 بڑی خدمتیں کہیں اب آزاد کرو دو
 بہت دیکھ لی مہربانی تمھاری
 چھپاؤں نہ کس طرح سے جان بدن میں
 سری جان بد ہے نشانی تمھاری
 بہت صاف ہیں گالیاں وہ واہ واہ
 سنی بارہا خوش بانی تمھاری
 مقرر بلا آنے والی ہے کوئی
 نہیں بے سبب مہربانی تمھاری
 نسیم اب تو گھبرا گیا دل ہمارا
 سنے کون پہروں کہانی تمھاری

(۲۵۵)

شکایت کے عوض ہم شکر کرتے ہیں صنم تیرے
 مزا دینے لگے کچھ سہنے سہنے اب صنم تیرے
 نہ پوچھ اب مجھ سے تو میری امیدوں کی یہ صورت ہے
 کہ ہیں بھی اور نہیں بھی جس طرح ہر لطف کم تیرے

جدھر تو نے کیا رخ زیر پا میرا تصور تھا
 نہ باور ہو تو دیکھ آنکھوں میں ہیں نقش قدم تیرے
 لب جاں بخش جاناں کب اجازت دیں گے مرنے کی
 قیامت تک نہ دیکھیں گے قدم خوابِ عدم تیرے
 نہیں رکھتا کوئی سرمایہ اہمال پاس اپنے
 بھروسے کے لیے عاشق کے کالی ہیں کرم تیرے
 تمنا غیر کی کرنا خلاف رسم الفت ہے
 میں احسان اجل کیوں لوں نہیں ہیں کیا ستم تیرے
 ذرا دیکھیں تو کیوں کر دم نکل جاتا ہے صدسوں سے
 فراقِ دل رہا آج استحاں کرتے ہیں ہم تیرے
 مجھے بھولے نہیں پاس محبت اس کو کہتے ہیں
 شبِ وصلت میں بھی ہیں دوری جاناں کرم تیرے
 ہجوم بے خودی میں اے نسیم اب پاس معنی کیا
 اجازت دے برا اچھا لکھیں جو کچھ قلم تیرے

(۲۵۶)

پہلو کو چیر کاش مرا دل نکل پڑے
 اے چارہ گر ہلا سے مجھے یوں ہی کل پڑے
 ابرو میں خم ، جبین میں چیں ، زلف میں شکن
 آیا جو میرا نام تو کس کس میں بل پڑے
 آنہ جائے ہائے صبر جو دیکھے وہ روئے صاف
 زاہد کبھی سنبھل نہ سکے تو بھسل پڑے
 ہو ایک طفلِ اشک تو کچھ زور چل سکے
 روکیں کسے کسے کہ ہزاروں چل پڑے

ولہ

(۲۵۷)

برہم ہیں وہ غیر بے حیا سے
 مانگیں کچھ اور بھی خدا سے
 اچھا اچھا عدو سے ملے
 جاؤ جاؤ جی ہلا سے
 کیا حال کہیں دل و جگر کا
 ٹکڑے ٹکڑے سے جا بہ جا سے
 ٹوٹے کاٹھے تو زخم روئے
 آنسو ٹپکے خراش پا سے
 راحت طلبی سمجھ کے اے دل
 ایسے بے درد بے وفا سے
 مطلوب وہی کہ جس کی فریاد
 نکلے گا کام کیا دعا سے
 رو لیں آؤ گلے لپٹ کر
 فرصت بھر ہو نہ ہو قضا سے
 ہم تک بھی کوئی شمع گیسو
 اتنا کہہ دیجو صبا سے
 گذرے کیا جس سے جان دے دے
 بوجھو تو اپنے مبتلا سے
 دیکھا سب کو نسیم دیکھا
 خاموش بیان مدعا سے

(۲۵۸)

خالی نہیں فلک بھی جنوں کے عذاب سے
 بننے سے طوق دائرۂ آفتاب سے
 چھائیں شراب نور کی آنکھوں میں مستیاں
 بننے ہیں بادہ ہم قدح آفتاب سے
 اے چرخ تیرا آہ ہوا رخصت آشنا
 سینہ چھپا رہے سپر آفتاب سے
 رہتی نہیں کسی کی ہمیشہ برہنگی
 پانی زمیں نے چادر نور آفتاب سے
 دیو شب فراق نے کس کا لہو پیا
 آتی ہے بوئے خوں قدح آفتاب سے
 بحر جال ہوں تب دیرینہ ہے مجھے
 مانگو دوا کے واسطے قرص آفتاب سے
 ہر وقت حسن دختر رز کی ہے ٹکٹی
 آنکھیں لڑی ہوئی ہیں سری آفتاب سے
 نظارہ ہائے حسن سے سینہ ہے داغ دار
 حاصل ہے آفتاب مجھے آفتاب سے
 ابرو کتاب حسن میں پاؤں جو انتخاب
 یہ بیت یاد کی ورق آفتاب سے
 احسان نہ لوں گا بعد فنا تاوان وہ ہوں
 شرمائے گی نہ لاش کفن کے حجاب سے
 نا دیدہ دید بھی تری آفتاب سے کم نہیں
 بے پردگی ہوئی مجھے طرز حجاب سے

ساق نگاہ مست تری کام کر گئی
 ٹپکی شراب شوق جگر کے کباب سے
 آداب حسن میں بھلے لب ہستی رہی
 نکلی نہ بات بھی دم پرش حجاب سے
 فریاد رستخیز جگاٹے کی کیا ہیں
 خوابیدگان عشق لہ چونکیں گے خواب سے
 سینہ کہا شکاف رلایا انہیں بھی خوب
 دھوئیں کندورتیں جگر آب آب سے
 قاتل ہمارے قتل میں تاخیر چاہیے
 اٹکے گلے میں گھونٹ نہ خنجر کی آب سے
 زاہد کی کچھ پسند نہیں ہرگزیدگی
 ہمارے عشق کے ورق انتخاب سے
 تاثیر جذب شوق نہ بے کار جائے گا
 مستی کو کھینچ لیں گے حجاب شراب سے
 یہ لطف پھر کہاں جو نہیں بے نیازیاں
 طفلی کو میری ننگ ہے شیب و شباب سے
 کیا کیا زبان تیغ نے بخشیں حلاوتیں
 لہریز ہیں دھان جراحت لعاب سے
 میرا ہی دوست خود سبب دشمنی ہوا
 آئیں خرایاں دل خانہ خراب سے
 ہاں اے نسیم اپنی شفاعت کے واسطے
 حاصل کریں گے خاک در پوتراں سے

(۲۵۹)

کیا سب کہوں چہ ہیں زخموں کے دھن تصویر سے
 ہو گئی رنجیدگی شاہد زبان تیر سے
 حل مشکل کبھی آہ رسا کے تیر سے
 جھوٹ جائے سرخ زریں دام چرخ ہیر سے
 کھینچتا ہے نقشہ گل زار مانی کیا عجب
 بلبل تصویر نکلے بیضہ تصویر سے
 بخت خفتہ نے سلاہا تیرے دیوانے کا پاؤں
 جوش خفتہ ہے پیدا دیدہ زنجیر سے
 محنت دیوانگی نے کچھ نہ کچھ پیدا کیا
 نخل کی جا شور نکلا دانہ زنجیر سے
 خندہ دزد دیدہ ہے زخموں میں قاتل کس لیے
 دیکھ کیا پانی چرایا ہے تری شمشیر سے
 کم نہیں ہوتا کسی صورت سے زخموں کا سکوت
 کوئی افسوں دم کیا قاتل دم شمشیر سے
 بعد سردن بھی وہی رکھتی ہے باہم اتحاد
 تیرے دیوانے کی مٹی دانہ زنجیر سے
 چشم وحشت خیز سے دیکھیں بیابان کی بہار
 مانگ لیں آنکھیں ہرن کچھ دن اگر زنجیر سے
 عصمت دیوانگی میں ننگ آزادی ہے گھر
 شرم ہو کیوں کر نہ ہم کو خانہ زنجیر سے
 جوش ہر یکساں رہی ہے زاری دیوانگی
 مدتوں آنسو بھی ہیں دیدہ زنجیر سے

چپ ہیں شاید مر گئے مسکن گزینان جنوں
 جونہیں آتی صدا بھی خانہ زنجیر سے
 درد نوشی کی عوض ہے درد نوشی ساقیا
 کھونٹ پیٹتے ہیں لہو کے ساغر تقدیر سے
 کیا اثر تھا جب کھینچا نقشہ ترے مقتول کا
 رنگ کی جا خون ٹپکا خامہ تصویر سے
 مغفرت صدقے رہی مدفن پہ میرے مدتوں
 منہ چھپایا رو کے ایسا دامن تقصیر سے
 کس ہوا خواہ اجل کی یہ نظر ابسی لگی
 زخم کو آچھو ہوا آب دم شمشیر سے
 کہنہ مشقی ہر دم میں کیوں نہ وہ حاصل کریں
 تھی جوانی میں انہیں تعلیم چرخ ہیر سے
 قدر رکھتا ہے نہایت گریہ بے چارگی
 زخم کے پچھتے ہیں آنسو دامن شمشیر سے
 کیا کہیں ہم داستان دشت وحشت اے نسیم
 ہوجوہ لو تم خود زبان خار دامن گیر سے

(۲۶۰)

اے ہم نفس شب وصل کی گذرے کی خاک آرام سے
 سرخ سحر مصروف ہے مشق فغان میں شام سے
 ہیں عاشق خستہ جگر کھائے ہیں غم آٹھوں پہر
 ہے جائے بادہ چشم تر ساق غرض کیا جام سے
 افسوس کروٹ تک نہ لی خواہیدگان مرگ نے
 قصہ مٹا کر زیست کا کیا سو رہے آرام سے

صیاد آزرده نہ ہو، کر جرم بے تابی معاف
 دیکھی نہ تھی شکل قفس واقف نہ تھے ہم دام سے
 اے نامہ بر خط کیا لکھیں دیکھا ہے اک دم بھر اے
 واقف نہیں وہ دل رہا اب تک ہمارے نام سے
 آیا نہیں ہے، وہ ابھی چھائی اداسی رات میں
 آغاز ہے آغاز ہے صبح مصیبت شام سے
 بس اے نسیم خستہ جان یہ مشق نالہ! تا کجا
 سونے نہیں دیتے ہمیں گذرے تمہارے کام سے

(۲۶۱)

بزم بن جاتی ہے مقتل تری مہجوری سے
 بوئے خون آتی ہے ساقی سے انکوری سے
 زردی شعلہ شکوں ہے خلش دشمن کا
 صبح ہو جاتی ہے شب شمع کی بے ثوری سے
 راحتیں لیتی ہیں بوئے تیشوں کے کیا کیا
 زخم منہ ملتے ہیں جب مرہم کاقوری سے
 شرم دشمن مجھے اچھا نہیں ہونے دیتے
 اشک ہونے ہیں روان دیدہ ناسووی سے
 شوق کہتا ہے کہ چل ضبط یہ کہتا ہے نہیں
 بڑھ کے ہٹتا ہے قدم طاعت مجبوری سے

ہوتا ہے حسینوں کے مقابل کئی دن سے
 کچھ اور سجھاتا ہے مرا دل کئی دن سے
 سینہ ہے تہ زانوے قاتل کئی دن سے
 آماں نہیں ہوتی مری مشکل کئی دن سے
 آ جاتا ہے غش ہر کشش آہ حزیں میں
 کھاتا ہے جو ٹھیس آبلہ دل کئی دن سے
 صیاد کی آمد سے ہے گلشن میں اداسی
 سننے نہیں فریاد عنادل کئی دن سے
 رک جاتے ہیں نالے لب خاموش ہر آگے
 کھلتی نہیں منقار عنادل کئی دن سے
 دامن سے مرے نور کی ریزش ہے زمیں پر
 آغوش میں ہے وہ مہ کامل کئی دن سے
 خنجر کو مرے قتل نے بخشی یہ ندامت
 منہ پر ہے لیے دامن قاتل کئی دن سے
 جائے گی کسی عاشق جاں باز کے سر پر
 شمشیر ہے گردن میں حائل کئی دن سے
 اشکوں نے کسی کی تو بڑھی اور ندامت
 دامن ہے یہ شکل کف سائل کئی دن سے
 وا عقدہ زنجیر کیے زور جنوں نے
 صد چاک ہیں پیوند سلاسل کئی دن سے
 مرنے بھی نہ دے گی مجھے محرومی تقدیر
 کچھ آنکھ چراتا ہے وہ قاتل کئی دن سے

ہے ایک کل تر کی ممنا جو نسیم آہ
پھر صورت غنچہ ہے سرا دل کئی دن سے

(۲۶۳)

ہے ہر سر مڑگان سے چکان اشک تر ایسے
جاں دیتا ہوں قیمت میں اگر ہوں گہر ایسے
اڑ کر بھی انہیں ہا نہ سکے طائر ادراک
پناہ ہیں نزاکت سے دہان و کمر ایسے
بے فائدہ خوف نفس کہنہ ہے صیاد
طاقت ہے نہ بازو میں نہ ہم گہز پر ایسے
پیغام قضا میں یہ بلا غیز نگاہیں
وقفہ کہیں دیتے ہیں خدنگ نظر ایسے
تعلیم تبسم ہے ہر اک غنچہ گل کو
بہیم ہیں سرے خندہ زخم جگر ایسے
کروٹ بھی نہ لی راحت آغوش لحد میں
بند آنکھ کے ہونے ہی ہوئے بے خبر ایسے
ہم ہوسہ خنجر لب ہر زخم سے لیں گے
دل میں ہیں پھرے شوق اجل کے اثر ایسے
طے کیجیے گا مرحلہ ہائے عدم و حشر
باقی ہیں ابھی اور بھی اسے دل سفر ایسے
بچیں ہی سے اشکوں کو ٹپک جانے کی خو ہے
طفلی ہی سے ہگڑے سرے نور نظر ایسے
جمشید نہ دارا نہ سکندر نہ فریدوں
دنیا سے نسیم آٹھ گئے دیکھو بشر ایسے

باہم بلند و پست ہیں کیف شراب کے
 آنکھوں میں ہیں طلوع و غروب آفتاب کے
 بیٹے ہیں سرخ و زرد پیالے شراب کے
 کیا کیا ہیں اوج و پست میں رنگ آفتاب کے
 برسوں سے ڈھونڈتا ہے مضامین شراب کے
 گردوں آلت رہا ہے ورق آفتاب کے
 ساقی انڈیل جام صبحی سبو کی خیر
 مشتاق کب سے ہیں لب شب آفتاب کے
 اٹھے وہ دود دل کہ فلک ہو گیا سیاہ
 کل ہو گئے چراغ مہ و آفتاب کے
 لکھوں جو ان کے چہرہ روشن کا وصف میں
 پیدا کروں زبان و دھن آفتاب کے
 دھو دے شراب سے مرے انکور زخم کو
 تا جلوے بخشیں زخم کہن آفتاب کے
 کہو دے گا دود آہ فلک کی برہنگی
 ڈالے گی شام منہ پہ نقاب آفتاب کے
 خالی کہاں فلک ستم روزگار سے
 رکھتا ہے دل پہ داغ مہ و آفتاب کے
 جانے تو دو فلک پہ مرے نالہ جنوں
 ہرزے اڑائیں گے ورق آفتاب کے
 اے چرخ پیر دیکھ لیں اٹھکھلیاں تری
 یاد آگئے ہمیں بھی زمانے شباب کے

پائی ہے میں نے زخم سے تعلیم خامشی
 گویا لب سکوت دھن ہیں جواب کے
 محروم آرزو ہیں صدائے شکست میں
 رہ رہ گئے ابھر کے بے بھولے حباب کے
 کس اعتبار میں نفس چند اے نسیم
 شب بھر کے واسطے یہ نماشے ہیں خواب کے

(۲۶۵)

زاہد نے خاک لطف اٹھائے شباب کے
 دو گھونٹ بھی گلے سے نہ اترے شراب کے
 طوفانِ گرہ میرا یہاں تک ہوا بلند
 سب حرف دھو دے ورق آفتاب کے
 کی مے کشی ہے بحر میں کس بحر حسن نے
 دریا میں سرنگوں ہیں کٹھورے حباب کے
 دیکھو تو پاس عزت جلاذ پردہ پوش
 زخموں کے منہ میں قفل دے ہیں حجاب کے
 ایسے جفا شعار سے اظہار آرزو
 دیکھو تو حوصلے دل خانہ خراب کے
 صحن زمین و بام فلک دونوں غرق ہیں
 دریا ہیں جوش ہر سری چشم ہر آب کے
 اہل جفا کا رشتہ امید قطع ہے
 قائم ہے خیمہ فلکی بے طناب کے
 بس ہو چکی امید وفا آپ سے ہمیں
 بدلے ہوئے ہیں ڈھنگ ابھی تک جناب کے

جس جا نظر بڑی مد ابرو کی تھی کشید
 دیکھیے کئے جو بند ہمارے حساب کے
 پیری میں بھی کئے نہ سید کاریوں کے ڈھنگ
 چمکے ہوئے ہیں رنگ بہار خضاب کے
 نالوں کے زمزموں سے کسی دم نہیں فراغ
 نغمے خوش آنے ہیں کسے چنگ و رہاب کے
 زاہد نہ ہک کہ اپنی طبیعت بدل گئی
 کچھ اور کہہ رہے ہیں ارادے شباب کے
 سینہ هجوم داغ سے گل زار ہے نسیم
 تختے کھلے ہوئے ہیں برابر گلاب کے

(۲۶۶)

ہنس رہے ہیں شور سن سن کر مری فریاد کے
 اب تو نالے ہو گئے مژدے مبارک باد کے
 برق کی مانند کڑکی گر بڑی قصر بلند
 رہ گئے افسانے دنیا میں مری فریاد کے
 دل اگر شاداں رہے دیتا ہے چہرہ روشنی
 اور ہی ہوتے ہیں جلوے خانہ آباد کے
 شکل آن کی بھر نہ دیکھی جب کہ ٹپکے آنکھ سے
 اشک بھی کیا ناز تھے ہار ستم ایجاد کے
 ان کو کیا معلوم تعظیمی و توصیفی ہیں کیا
 مبتدی کیا لطف سمجھیں بندش استاد کے
 اشک پہنچے بہتے بہتے دامن محبوب تک
 حوصلے کیا بڑھ گئے اس کور مادر زاد کے

التفات آرزو سے جز ندامت کیا حصول
 چاہیٹ بندے کہ شایق ہوں خدا کی یاد کے
 منہ سے دیتا ہے اپنا رشتہ اسد وصل
 شکوے کر سکتے نہیں ہم بار کی بے داد کے
 واہ کیا کیفیتیں تھیں دل نہ گھبرایا کبھی
 مدلوں دیکھے تماشے عالم ایجاد کے
 ہوجھتے ہو جس لیے تم وہ مجھے معلوم ہے
 کیا سنو گے حال میری خاطر برباد کے
 مستیوں سے حسن کی آنکھیں رہا کرتی ہیں بند
 کب خیال آتے ہیں اس غافل کو میری یاد کے
 سخت طینت کے لیے لکھی گئی ہانی کی موت
 بارہا تیزاب سے کشتے بنے فولاد کے
 آرزو کیا ہم صغیران چمن کی قید میں
 تنگ ہیں بڑھ کر قفس سے حوصلے صیاد کے
 آہ کیوں دی جان اجل کوہائے کیوں کر جی الھوں
 ڈھونڈتے ہیں اب مجھے احسان سرے جلاد کے
 پھول، پتے، ڈالیاں سب منتشر ہیں اے نسیم!
 رنگ سب بے رنگ ہیں اس گلشن ایجاد کے

(۲۶۷)

ارمان نکل جائیں کچھ عاشق مضطر کے
 آنسو نہ سرے ہوجھو رو لینے دو جی بھر کے
 میں دل کی طرح ان کو پہلو سے لکائے ہوں
 سب زخم ہیں راحت میں قاتل ترے خنجر کے

دیکھے جو غضب تیرے کچھ کہہ نہ سکے ظالم
 لاسور مرے دل میں رہ رہ گئے منہ کر کے
 کہہ دیتے ہو باتوں میں جو حال گذرتا ہے
 ہڑہ لیتے ہو تم اب تو الفاظ مقدر کے
 کس واسطے بے رخ ہو گھبراتے ہو کیوں اتنا
 دو باتیں ہیں عاشق کی قصے نہیں دفتر کے
 کچھ سیکھ لیا شاید انداز سمھارا سا
 کیوں صبح کے دامن میں منہ چھپ گئے اختر کے

(۲۶۸)

ولہ

نافلک پہنچے ہیں شہر یار کے
 مہرومہ مشتاق ہیں دیدار کے
 رہ گئے قطرے کف پا کے مرے
 آہلے بن کر زبان خار کے
 اس قدر کاہدگی سے چھپ گیا
 لوگ جو یا ہیں ترے بیمار کے
 سوزبان پر کچھ بھی کہہ سکتا نہیں
 شانہ بھندے میں ہے زلف یار کے
 پردہ پوشی تیرے عاشق کی ہوئی
 ہیں یہ احسان سایہ دیوار کے
 راستی پائی نہ ایرو میں کبھی
 بل نہ نکلے تم سے اس تلوار کے

نوک مڑکاں کے جو آتے ہیں خیال
سامنے رہتے ہیں ہم کو دار کے
داغ اپنے دل کے کھلاتے نہیں
بے خزاں ہیں لطف اس گل زار کے
شکر کردرگاہ حق میں اے نسیم !
اب تو شہرے ہیں ترے اشعار کے

(۲۶۹)

ہو گئے سب عضو تن سیدھے ترے رفیور کے
کتنے سچے ہوتے ہیں سانچے شکاف گور کے
رو دیا احباب نے لاشے کو رکھ کر قبر میں
اشک کے قطرے ہوئے چھالے دھان گور کے
حسن اصلی کو نہیں تکلیف آرائش سے کام
واقف شالہ نہیں گیسو شب دیپور کے
شعلے داغوں سے نکلتے ہیں ، گذر ممکن کہاں
حوصلے ٹھنڈے نہ کیوں ہوں مرہم کانور کے
دیکھتے کس طرح اس کے روئے عالم تاب کو
سامنے آنکھوں کے آجاتے ہیں پردے نور کے
کلم آئے گی ہمارے آبلوں کی پرورش
ہر زبان خار چکھے گی مزے انگور کے
دیکھتا ہوں ساتھ اپنی شکل کے شکل اجل
آننے میں تیری چشم جوہر ساطور کے
بعد مردن چالہنی سے پردہ پوشی ہو گئی
تیرے کشتوں نے کفن پائے ردائے نور کے

روح نکلی ، تن ہوا ہلکا ، کماشا اور ہے
 بوجھ اترے سے قدم اٹھنے نہیں مزدور کے
 دیکھنا کیا شوکت فریاد حاصل ہے ہمیں
 جس کے آگے تھرتھرا جائے ہیں نالے صور کے
 یہ نئی تاثیر دیکھی سن کے ہنس دیتے ہیں وہ
 نالے میرے کہتے ہیں خاطر مسرور کے
 گوش راحت آشنا تک اپنے تو آنے تو دے
 کہتے ہو جائیں گے نالے دل رنجور کے
 ہو گئی آخر شب سو صبح بیدار نسیم
 بعد مدت رنگ بدلے مشک نے کافور کے

(۲۷۰)

تھے شب ہجر میں کیا کیا دھڑکے
 آہ تڑپ کبھی نالے کڑکے
 دھوم کر دی ترے مزبوحوں نے
 آنکھ جھپکی نہ ذرا دل دھڑکے
 سر گئے سرخ قفس کیا آسمان
 پاؤں پھیلائے نہ بازو پھڑکے

(۲۷۱)

ولہ

نہ سمجھے مکر کے آنسو ہیں اس غارت گر جاں کے
 لئے دل دے کے جھوٹے موتیوں پر اشک غلطان کے

بہار چند روزہ میں یہ دھوکا تھا مصیبت کا
 قفس میں لائے آخر چہچہے لطف گلستاں کے
 ادب اے دست وحشت شرم عربانی مناسب ہے
 نشان پیرہن کو چھوڑ دے کچھ تار داساں کے

(۲۷۲)

ولہ

کہتے ہیں سن کے تذکرے مجھ غم رسیدہ کے
 افسانے کون سنا ہے حال کشیدہ کے
 کیا اپنی مشت خاک کی ہم جستجو کریں
 ملنے نہیں لسان غبار پریدہ کے
 میں خاک بھی ہوا نہ گئی ہر کشیدگی
 غصے وہی رہے مرے دامن کشیدہ کے
 جو تم میں بات ہے وہ کسی اور میں کہاں
 جلوے کچھ اور ہی ہیں گل نو دمیدہ کے
 سیلاب چشم تر سے زمانہ خراب ہے
 شکوے کہاں کہاں ہیں مرے آب دیدہ کے
 کچھ اتنا نہیں ہے کہاں تک سنائے
 نصے دراز ہیں دل نا آرمیدہ کے
 قطرے ملے جو نیرے پسینے کے گل بدن
 خواہاں رہے نہ لوگ گلاب چکیدہ کے
 آہوں کی دھوم ہے کہیں نالوں کے غفلے
 سامان نئے ہیں روز ترے غم کشیدہ کے

آرام گاہ اشک ہے ویران اے جنوں
 دامن ہیں تار تار قبائے درہدہ کے
 او مست ناز اکیف یہ تیرے سخن میں ہے
 دھوکے کلام پر ہیں شراب چکیدہ کے
 لو آشیان تن کی طرف میل تک نہیں
 دیکھو مزاج طائر رنگ پرہدہ کے
 دیوان میں وصف ہے عرق جسم بار کا
 مضمون کہاں کہاں ہیں گلاب چکیدہ کے
 مژگن سے بچ نسیم کہ ابرو کے پاس ہیں
 یہ تیرے بے غطا ہیں کہاں کشیدہ کے

(۲۷۳)

اشک آنکھوں میں ڈر سے لا نہ سکے
 دل کی بھڑکی ہوئی بھالہ سکے
 نہ ہلی جب زباں نراکت سے
 رہ گئے دیکھ کر، بلا نہ سکے
 نہیں جو اس میں حیا کی کچھ باتیں
 شکوہ میرا وہ لب پہ لا نہ سکے
 کیا ہوئے تیرے حوصلے اے اشک
 حرف تقدیر کو مٹا نہ سکے
 تھا یہ خطرہ کہیں پسند نہ ہوں
 گالیاں بھی مجھے سنا نہ سکے
 گو بہت پاس غیر تھا لیکن
 آنکھ ہم سے بھی وہ چرا نہ سکے

ہاؤں چوما کہے حنا کی طرح
 جب کوئی اور رنگ لا نہ سکے
 خامشی تھی بہ شکل زخم مجھے
 لب تک اپنے سوال آ نہ سکے
 نہ ملی اس نے ہاؤں میں مہندی
 رنگ اپنا علو جا نہ سکے
 اضطراب قضا ہوا یہ نسیم
 کہ گلے بھی اسے لگا نہ سکے

(۲۷۴)

اب آئے ہو صدا سن کر گجر کی
 کہو جی، شب کہاں تم نے بسر کی؟
 سحر کو دفن کر کے جاٹھے گا
 مصیبت اور ہے اک رات بھر کی
 قفس میں بند کرنا تھا جو تقدیر
 ندامت کیوں مجھے دی ہال و پر کی
 گذر جائے گی جو گذرے گی ہم پر
 چلو جی، راہ لو تم اپنے گھر کی
 ابھی تو جان لے لے اے غم عشق
 مصیبت کون اٹھائے عمر بھر کی
 خدا کے واسطے یارو سنبھالو
 کہ بھر شدت ہوئی درد جگر کی
 ترشح آنسوؤں کا ہو رہا ہے
 گھٹا آمدی ہوئی ہے چشم تر کی

نہ بولیں گے تمہارے خوف سے ہم
 حلائیں گے مگر زنجیر در کی
 نہ آنا تم اجازت مانگنے کو
 نہ دکھلانا ہمیں صورت سفر کی
 کوئی دم کا بکھیڑا رہ گیا ہے
 چکر تک برجھیاں پہنچیں نظر کی
 ہمیں لصاد کا منہ دیکھنا ہے
 اٹھانی ہے مصیبت نیشتر کی
 حباب آسا ہے لطف زندگانی
 حقیقت کچھ نہیں ہوتی ہشر کی
 نسیم اب دل کتنا کی طرح ہے چاک
 محبت میں کسی رشک نعر کی

(۲۷۵)

کرتی ہے بے قرار صدا بے قرار کی
 فریاد دل دکھاتی ہے بے اختیار کی
 عادت میں فرق آئے نہ مجھ اشک ہار کی
 چادر کفن کے واسطے ہو آپشار کی
 اللہ کیا تڑپ ہے دل بے قرار کی
 صحن فلک زمین ہے مجھ خاک سار کی

(۲۷۶)

ولہ

بس کہ ہے دل میں ہوس نظارہ ہاے بار کی
 آنکھ اپنی آنکھ ہے ہر روز دیوار کی
 لطف نظارہ ہے بھر آئے نہ آنکھوں تک نگاہ
 خال بن کر رہ گئے دل دار کے رخسار کی
 بعد مردن بھی گئی دل سے نہ اپنے آرزو
 جام کی ساق کی مے کی بار کی گل زار کی
 کر دیا آخر خیال زلف نے ایسا نحیف
 تار کیسو بن گئی گردن ترے بیمار کی
 ربط باہم کا بڑھا رتبہ جاں تک دشت میں
 نوک جو ٹوٹی نہ نکلی آہلے سے خار کی
 کس قدر لذت تھی خون بے گناہی میں سرے
 خنجر قاتل نے چل کر حلق پر تکرار کی
 خندہ زخم جگر سے قبر میں آئی نہ نیند
 بعد مردن بھی نہ جھپکی آنکھ مجھ بیدار کی
 فضل حق سے ہر جگہ موجود ہیں اپنے شفیق
 دشت کی ہم پر عنایت آہلوں پر خار کی
 خوب روئے گردن مینا لگا کر ہم گلے
 جس گھڑی ساقی نے رخصت کے لیے تکرار کی
 تم تو کب آتے تھے لیکن مرگ بھی آتی نہیں
 آپ کی آرزو کی ہے ہم سے سب نے غار کی

کیا مثال اس کی بہلا جو چیز دکھلائی نہ دے
 ناتواں وہ ہوں نہیں تشبیہ جسم زار کی
 فضل حق سے بس کہ ہے شاگرد مومن تو نسیم
 دھوم ہے سارے زمانے میں ترے اشعار کی

(۲۷۷)

تھی سزا کتنی حلاوت زامری تقصیر کی
 زخم نے برسوں زباں چوسی سنان تبر کی
 روز ہو جاتی ہیں ہم سے ایک دو الھکھیلیاں
 نوجوانی آج تک باقی ہے چرخ پیر کی
 زور وحشت سے جو تڑپا شق ہوا آہن کا دل
 وہ کڑی جھیلی کہ توڑی ہر کڑی زنجیر کی

(۲۷۸)

ولہ

ناصر مشفق یہ مشق تازہ فرمانے لگے
 دن تو تھا اب رات کو بھی آگے سجھانے لگے
 حضرت واعظ کہیں دولت سرا کو جائے
 آنے ہی سامان محشر آپ دکھلانے لگے
 آگئے جب یاد کچھ اس ربط باہم کے مزے
 دل بھر آیا دیدہ تو اشک برسانے لگے
 بھر سبو انڈلے بھرے شیشے ہوئے لبریز جام
 لغزش پا اپنی اپنی مست دکھلانے لگے

باغبان ہشیار ہو مشتاق رخصت ہے بہار
 رنگ بدلا گلستاں کا، پھول مرجھانے لگے
 جلوہ ہائے حسن چمکے اٹھ گئے منہ سے نقاب
 طرۂ کیسو کے باہم سائب لہرانے لگے
 ہاتھ اٹھا اے چارہ گر ۱ درمان بے تاثیر ہے
 جائے اشک آنکھوں سے اب لخت جگر آنے لگے
 خوب رونے دیکھ کر ہم زبور دیوانگی
 جب احبا ہاؤں میں زنجیر پہنانے لگے
 بھٹیاں روشن ہوئیں چمکی دکان سے فروش
 رخصت توبہ ہوئی زہاد کھبرانے لگے
 فصل گل آئی ، بڑھے جوش جنوں کے ولولے
 دی جدا زنجیر نے ، پھر ہاؤں کھجلانے لگے
 مانع مطلب ہوئی وہ شرم باہم اے نسیم
 وہ رکے اپنی طرف ، ہم آپ شرمائے لگے

(۲۷۹)

فصل گل آئی ہے ، گل اور ہی سامان ہوں گے
 میرے دامن میں سرے دست ولریباں ہوں گے
 سب یہ کافر ہیں حسینوں کی نہ سن تو اے دل
 چار دن بعد یہی دشمن ایمان ہوں گے
 شکر ہو جائیں گے انجام کو اپنے شکوے
 رنج کے خوف سے ہم ان کے ثنا خواں ہوں گے
 کھینچے تیغ ، نامل ہے یہ کیوں ، بسم اللہ
 سر جھکا دیں گے جو پاں بندہ احسان ہوں گے

کس طرح جائیں گے مانع ہے عیبی خوف مزاج
 زلف برہم ہے تو کچھ وہ بھی پریشان ہوں گے
 تا جوانی ہے گرائی ، نہ ہو اے دل بے تاب
 پھر تو ہو سے لب جان بخش کے ارزاں ہوں گے
 یاں نہیں جلوہ جاناں سے ڈرا جا خالی
 اشک آ کر سری آنکھوں میں ہشیاں ہوں گے
 شوق کہتا ہے کہ لوٹیں گے مزے وصلت میں
 درد کہتا ہے ، شریک شب ہجران ہوں گے
 شوخیاں کر لے جنوں آج ، کہاں پھر کل ہم
 خاک آڑائے گی زمیں دشت یہ ویراں ہوں گے
 گر یہ انجام تبسم ہے ، نہ ہنس او غافل
 خون روئیں گے وہی زخم جو خنداں ہوں گے
 یاد آنے کا پس مرگ ہمارا' یہ کمال
 حال کھل جائے گا جب خاک میں پناہ ہوں گے
 تجھ کو کر دیں گے خبر زہر لحد سونے کی
 سر پٹکتے ترے در پر سرے ارماں ہوں گے
 خانہ زادوں کو کہاں قید محبت سے فراغ
 ہم وہ بلبل ہیں ، ہیں خاک گلستان ہوں گے
 دم نکل جائے گا گر ہاتھ لگا اے جراح
 وہ نہیں زخم جو شرمندہ احسان ہوں گے
 دور' ہر نخل کریں گے صفت گود نسیم
 ہم پس مرگ بھی قربان گلستان ہوں گے

۱ - یاد آنے کی پس مرگ وفا عاشق کی - خمس تسلیم ، صفحہ ۱۳۲
 کلیات تسلیم (مرتب)
 ۲ - طوف - صفحہ ۲۳۳ - کلیات تسلیم (مرتب)

(۲۸۰)

وصل کی رات ہے ، آخر کبھی عریاں ہوں گے
 میں ہشیاں ہوں تو کیا وہ نہ ہشیاں ہوں گے
 آپ سر جاؤں گا تو آ کہ نہ آ ، او ظالم
 آج وہ دن ہے کہ مجھ پر مرے احسان ہوں گے
 غیر کی شکل بنیں گے ، کبھی خود آن کا شوق
 ہم بھی دیکھیں تو کہاں تک نہ وہ پرسان ہوں گے
 دل جو روٹھا تو منانے سے کہیں متا ہے
 یہ ستم باعث حسرت ، تجھے اے جاں ہوں گے
 آج بہروپ عذو کا ہے بنانا میں نے
 اب تو وہ بھی مرے انداز پہ قرباں ہوں گے
 ان کو پہنیں گے مرے دشت جنوں کے کانٹے
 یہ وہ دامن ہیں کہ آخر کو گریباں ہوں گے
 برہمی دوری جاناں میں انہیں ہوگی نسیم
 میرے نالے اثر فکر غزل خواں ہوں گے

(۲۸۱)

یہ وہ نالے ہیں جو لب تک آئیں گے
 تم تو کیا ہو ، آہاں ہل جائیں گے
 عشق میں اک پیر دہرینہ ہوں میں
 مجھ کو ناصح آ کے کیا سمجھائیں گے
 حضرت دل سوچتے ہیں آج کچھ
 پھر بلا کوئی مقرر لائیں گے

اس توقع پر اُٹھائے ہیں ستم
 کچھ تو سمجھیں گے کبھی سرمائیں گے
 بہنک دیں گے دل کو پہلو چیر کر
 آپ دیکھیں کس طرح لے جائیں گے
 حال دل کہتے ہیں ، جو کچھ ہو سو ہو
 دیکھیے وہ آج کیا سرمائیں گے
 پھر نہ چونکیں گے قیامت تک نسیم
 پاؤں جس دن تیر میں پھیلانیں گے

(۲۸۲)

رشکِ علو میں دیکھو جان تک گنوا ہی دیں گے
 لو جھوٹ جانتے ہو اک دن دکھا ہی دیں گے
 آواز کی طرح سے بیٹھیں گے آج اے جان
 دیکھیں تو آپ کیوں کر ہم کو اُٹھا ہی دیں گے
 آڑ جاؤں گا جہاں سے ، عاشق کا رنگ ہو کر
 نقشِ قدم نہیں ہوں جس کو مٹا ہی دیں گے
 'غیروں کی جستجو کی مدت سے آرزو ہے
 یہ یاد وہ نہیں ہے جس کو بھلا ہی دیں گے
 شعلے نکل رہے ہیں ہر استخوان سے اپنی
 'شمعیں یہ وہ نہیں ہیں جس کو بھلا ہی دیں گے

-
- ۱ - غیروں کی جستجو ہے ہر وقت آرزو ہے - صفحہ ۲۳۲، کلیات
 امیراللہ تسلیم (مرتب)
 ۲ - یہ آگ وہ نہیں - صفحہ ۲۳۷، کلیات امیراللہ تسلیم (مرتب)

غاموش گفتگو میں ، افسردہ آرزو میں
وہ دل نہیں ہمارا جس کو ہنسا ہی دیں گے
آس خاک تک پہنچ کر پھرنا نسیم مشکل
ہوں اشک افتادہ کیوں کر آٹھا ہی دیں گے

(۲۸۳)

جب اور کسی پر کوئی بیداد کرو گے
یہ یاد رہے ، ہم کو بہت یاد کرو گے
ہم جان گئے کلمہ رخصت کے اشارے
اب اور کہیں جا کے گھر آباد کرو گے
میکھو گے جفائیں سری ایذا کے لیے تم
شاگرد نہ ہو گے کوئی استاد کرو گے

(۲۸۴)

ولہ

صفائی دہر میں قاتل سے ہوگی
یہ آسانی بڑی مشکل سے ہوگی
محبت ہو کسی سے یا عداوت
مزا دے جائے کی جو دل سے ہوگی
میں ہوں اک اور ہی لیلیٰ کا مائل
تسلی کیا سری محمل سے ہوگی

(۲۸۵)

ولہ

تا عرش تیری شورش بیداد جائے گی
 گر میں نہ جاؤں گا ، سری نریاد جائے گی
 بے آہرو کسی کو نہ کر جوشش جنوں
 پیڑی نہ توڑ ، عزت حداد جائے گی
 ہم پر عبث ہے حوصلہ نیشتر زنی
 حرمت تمام عمر کی فصاد جائے گی
 قاتل یہ خندہ ہائے جراحت نہ ہوگی کم
 لب ہائے زخم سے لہ نری یاد جائے گی
 دیوانہ میں وہ ہوں کہ پس از مرگ میری خاک
 آڑ کے سوئے کوئے پری زاد جائے گی
 آسان نہیں ہے کھینچنا تصویر بار کا
 ناحق کو قدر مانی و بہزاد جائے گی
 شیریں کو گور میں تھا تصور یہی مدام
 تا چرخ بانگ ماتم نرہاد جائے گی
 فصل خزاں میں کہتی تھی رو رو کے عندلیب
 دل سے کبھی نہ عبرت صیاد جائے گی
 مومن کا طرز چھٹ نہ سکے گا نسیم سے
 شاگرد سے نہ بندش استاد جائے گی

(۲۸۶)

حقیقت سے زبان آگاہ کر لے
 یہ اسم اللہ بسم اللہ کر لے

دھن سے دور کر قفل دوئی کو
 زبان مفتاح الالہ کر لے
 کدورت دل سے کھو، لہو و لعب کی
 سعادت سے صفائے راہ کر لے
 مبارک باد عیش و جاہ و دولت
 حظوظ عمر خاطر خواہ کر لے
 کہاں فرصت زمان کشمکش میں
 مناسب ہے ابھی کچھ راہ کر لے
 جسے دیکھا نہ دیکھ اس کو کبھی تو
 نہ دیکھا جس کو اس کی چاہ کر لے
 سخا ہمت سروت ہیں ترے پاس
 کوئی ہم راہ تو ہم راہ کر لے
 بھلاوا ہے طلسم زندگانی
 وداع حب عز و جاہ کر لے
 نسیم دھلوی یہ آرزو ہے
 کہیں اپنا مجھے اللہ کر لے

(۲۸۷)

لازم ہے کہ آغاز ہو انجام سے پہلے
 لے لینے دو بوسہ مجھے دشنام سے پہلے
 بھر طاقت پرواز سری بوجھنا صیاد
 آزاد تو کر ہر خدا دام سے پہلے
 اب منہ سے نہ کچھ کہے گا ہم کر چکے توبہ
 تدبیر یہاں ہو گئی الزام سے پہلے

(۲۸۸)

ولہ

دیکھی دل دے کے قدر دانی
 بس بندہ نواز مہربانی
 ہوئی ہے باز پرس اعمال
 کہنی ہے بہت بڑی کہانی
 شعلے آٹھتے ہیں استخوان سے
 اللہ رے سوزش نہانی
 سونا ہے گوشہ لحد میں
 ہاں ہاں وہ رات بھی ہے آئی
 او وعدہ خلاف ! سالہا سال
 آنکھوں نے کی ہے باسانی
 آئی پیری پیام رخصت
 بڑھتی جاتی ہے ناتوانی
 مستانہ سری نسیم کب تک
 آخر آخر ہے نوجوانی

(۲۸۹)

عزت دیوانگی بخشی مجھے تقدیر نے
 طوق نے کی بندگی ، چومے قدم زنجیر نے
 دونوں عاشق شمع کے اور دونوں قسمت میں جدا
 جان پروانے نے دی ، بوسے لیے گل گیر نے

مدتیں گزریں کہ اطمینان ان کا کر دیا
 نالہ بے سود نے فریاد بے تاثیر نے
 ہر زبان خاموش کر دیتا ہے راز دوستی
 کچھ نہ حال دل کہا میرا سنان تیر نے
 کھل سکیں کیا عاشق و معشوق کی سرگوشیاں
 کہہ دیا کچھ شمع نے ، کچھ سن لیا گل گیر نے
 آہرو رکھ لی گنہ گاری کی ، گو ہم سر گئے
 منہ نہ کھلوا یا سوال بخشش تقصیر نے

(۲۹۰)

ولہ

کچھ سمجھتے ہیں جو اس ظالم کی سمجھائے ہوئے
 بھر ہلٹ جاتے ہیں شکوے تا زبان آئے ہوئے
 یاد آتے ہیں جو احسان ان کے وقت اضطراب
 نالے بھی منہ سے نکلتے ہیں تو شرمائے ہوئے
 تم نے کیوں بوسے دے میں دل کو رو کوں کس طرح
 آئیں ڈھائے ہیں کیا کیا لذتیں پائے ہوئے
 مٹ بہ کیوں ہو لو دل انسردہ حاضر ہیں مگر
 کیا پسند آئیں گے تم کو بھول مر جھائے ہوئے
 دیکھتا ہوں میں ، نہ مجھ کو دیکھتے ہیں وہ نسیم
 ابر دود دل کے ٹکڑے ہیں جو سب چھائے ہوئے

(۲۹۱)

سوال طرز سخن سے تمھارے پیدا ہے
 ہمارے سر کی قسم ! تم کو آرزو کیا ہے
 امید مرگ میں قطع امید تم سے کی
 مزاج عاشق افسردہ آج اچھا ہے
 خفا ہیں جس کے سبب آپ کل سے اس دم تک
 ہمیں تو آج کی شب بھی وہی ممنا ہے
 سیاہیاں شب فرقت میں تھیں کہاں اسی
 مکر یہ دود جگر کا مرے اندھیرا ہے
 نہ چین ہے مجھے گھر میں نہ دشت میں راحت
 عجیب طرح کا کچھ ان روزوں حال میرا ہے
 عجب طرح کی آتی ہیں نکلتیں شب و روز
 کسی کا عقدہ کیسو پھر آج کل وا ہے
 اداس ہو ، سبب انفعال کچھ تو کہو
 یہ کیوں عرق ہے جبین پر مزاج کیسا ہے
 کہاں بسر ہوئی اوقات پاک بندہ نواز
 بہت دنوں میں تمھیں آج ہم نے دیکھا ہے
 خوشا نصیب چھپاتے ہو راز دل ہر دم
 مجھے بھی آپ نے بدخواہ کوئی سمجھا ہے
 وہی لحاظ کی عورت ہیں باتیں چلمن سے
 ابھی تک آپ کو اے جان ہم سے پردا ہے
 ہزار کوئی کہے کب کسی کی سنا ہے
 نسیم آپ کی باتوں پہ دل سے شیدا ہے

(۲۹۲)

غزل ذو بحرین

وہی تو نے دیکھا کہ جو دل کہا تھا نہ ہو اس پہ شہدا کہ وہ بدبلا ہے
 نگہ اب ہے بے جا کہ یہ ہو گیا ، کیا کیا تو نے جیسا وہی یہ سزا ہے
 نہ وہ اب اشارے نہ وہ اب نظارے نہ وہ کہنا آئے نہ وہ کہنا جارے
 کئے لطف سارے ہوئے یوں کنارے چلو غیر ہمارے مرا اب خدا ہے
 ہوا اس پہ مائل ہوا ہم سے شاعری ہوئی سخت مشکل کیا تو نے کیا دل
 نہیں ہے وہ غافل بنے گا وہ قاتل کرے گا وہ ہسمل تری اب قضا ہے
 یہ ہیں لطف بے ڈھب رہیں وہ جو عرش مرا آیا دل جب تو وہ ملتے ہیں کب
 ابی مکر ہیں سب کہاں بوسہ لب ہیں جانیں اب کہ وہ بے وفا ہے
 کہو کل رہو گے سرے گھر چلو گے کہا جو کرو گے مرا غم سنو گے
 گلے سے ملو گے مجھے ہوئے دو گے کوئی دم ہنسو گے کہ یہ سب دغا ہے

(۲۹۳)

ولہ

شب وصلت میں کھڑیالی ہمیں کیا کیا ولاتا ہے
 کھڑی بھر رات آتی ہے ، پھر ظالم بجاتا ہے
 لٹکا دے مے سب کو توڑ شیشہ چور کر ساق
 لہو فرقت میں پیتے ہیں ، کسے ساغر ہلاتا ہے
 دل آمڈا آتا ہے از خود گلے مل مل کے روئے کو
 کمر بستہ ، سفر خستہ ، مقرر کوئی آتا ہے

(۲۹۴)

ولہ

رنج باہم میں زباں پر جو گلہ آتا ہے
 کچھ عجب لطف کا رونے میں مزا آتا ہے
 میں جو سمجھاتا ہوں ان کو تو یہ فرماتے ہیں
 اے چہ خوش ! جا بھی جاں سے تجھے کیا آتا ہے
 دل ہلا جاتا ہے ہر نالہ و فریاد کے ساتھ
 بھر آنہیں کا کوئی مظلوم جفا آتا ہے
 شانہ وہ زلف میں کرتے ہیں خدا خیر کرے
 بھر مرے واسطے طوفان ہلا آتا ہے
 طاقت جوش جنوں کی مری کیا شہرت ہے
 سیکڑوں من کا ہر اک حلقہ ہا آتا ہے

(۲۹۵)

ولہ

گنگ ہیں ، جن کو خموشی کا مزا ہوتا ہے
 دھن زخم میں خود قفل حیا ہوتا ہے
 آ کہیں وعدہ فراموش کہ فرصت کم ہے
 دم کوئی دم میں قدم بوس قضا ہوتا ہے
 نالہ انسانہ بے داد سناٹا ہے انہیں
 کشش آہ سے اظہار ہلا ہوتا ہے

کیوں نہ بیانہ دشنام دھن کو سمجھوں
 کہ برابر تری گالی کا مزا ہوتا ہے
 حاجت شمع، نہ پروائے چراغِ لحدی
 پاک احسان سے مزارِ غربا ہوتا ہے
 آئے کیوں کر شبِ فرقت میں کہ جنبش ہے محال
 شوقِ دل سلسلہِ ہائے قضا ہوتا ہے
 محوِ دیدار تھے ہم ”کن فیکون“ سے پہلے
 اب بھلا پردہ کیسے سے ترے کیا ہوتا ہے
 زائد اس واسطے کرتے ہیں بتوں کو سجدہ
 جلوۂ حسن نکر نورِ خدا ہوتا ہے
 خطِ نو سبز ترا حجتِ خوں ریزی ہے
 سرخِ سبزی کے سبب رنگِ حنا ہوتا ہے
 یارِ خواہانِ شفاعت ہیں وہ ہٹ پر ظالم
 دل دھڑکتا ہے مرا دیکھئے کیا ہوتا ہے
 اس طرف بھی ہو کوئی گردشِ خنجرِ قاتل
 گلوے خشک کو اب رشکِ قفا ہوتا ہے
 توبہ کرتے ہیں جوانی سے کہ پیری آئی
 ”ہا تہ کے ہاتھ“ ہوا خواہ دعا ہوتا ہے
 خیرتِ حسن سکھا دیتی ہے آدابِ سکون
 دھنِ غنچہ پہ خود قفلِ حیا ہوتا ہے
 اڑدھا بن کے ڈراتا ہے شبِ فرقت میں
 زلف کا دھیان بھی موسیٰ کا عصا ہوتا ہے
 آج ہے رسمِ رہائی ترے دیوانے کی
 پیرہنِ قیدی ہستی کا قبا ہوتا ہے

ہار روئے ہیں سرے قتل سے میں ہنستا ہوں
 بزم شادی مجھے سامان عزا ہوتا ہے
 کہنہ مشقی انہیں ایجاد سکھا دیتی ہے
 ہر ستم لطف میں دیکھا تو نیا ہوتا ہے
 ڈھنگ کالے کو ہیں سامان اجل میں ظالم
 ہر ادا میں تری سامان قضا ہوتا ہے
 جان نثاری کی اجازت نہیں دیتا قاتل
 بے وفا باعث تکلیف وفا ہوتا ہے
 سرفروشان محبت کو محبت سے ہے کام
 قابل بوسہ مزار شہدا ہوتا ہے
 دم کھنچا کھنچتے ہی شمشیر دودم اے قاتل
 جو ارادہ ہے ترا ، ہوش رہا ہوتا ہے
 بے وفاؤں کی وفا باعث آرام نہیں
 شکر انجام کو دیکھا تو گلا ہوتا ہے
 اے نسیم چمن آراے فصاحت ! تجھ سے
 گلشن معنی نو خمیز ہرا ہوتا ہے

(۲۹۶)

چار غنچکی دیتا ہے جو دل خستہ ہوتا ہے
 بس از خندیدی کمہلا کے گل سرستہ ہوتا ہے
 شکون وصل ہے رنج جدائی چشم عارف میں
 کہ بعد از قطع شاخیں مل کے اک گلستہ ہوتا ہے
 معانی زخم خوردہ ، لفظ ٹکڑے ، بندشیں ابتر
 دل عاشق کی صورت شعر اپنا خستہ ہوتا ہے

ہمیں ڈی ہمتی صیاد ظالم کیوں دکھاتا ہے
 کب آزادی کے قابل طائر پر بستہ ہوتا ہے
 بھلا آسان ہو کیوں کر موشگافی فکر مشکل کی
 کہ ہر عقدہ بہ شکل زلف بستہ ، بستہ ہوتا ہے
 دکھا دیتا ہے ہر ساعت نیا گھر جوش بے تاب
 سدا نقل مکان مانند گرد جستہ ہوتا ہے
 کچھ ایسے دونوں مصرع ایک ہو جاتے ہیں مضمون میں
 کہ سابع کو گمان ابروئے پیوستہ ہوتا ہے

(۲۹۷)

ولہ

دکھاتا ہے چھری ، بھر مژدہ بے داد دیتا ہے
 مبارکہ باد بے تاب ہمیں صیاد دیتا ہے
 کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے مزاج یار کی صورت
 مزا آنکھوں میں کیا کیا عالم ایجاد دیتا ہے
 وہ محتاجی ہوئی ہے دولت تقدیر سے حاصل
 کہ سایہ بھی نہیں پاں دامن فریاد دیتا ہے
 نہ بازو میں ترے قوت نہ خنجر میں روانی ہے
 ہمیں تکلف بے جا کس لیے جلاد دیتا ہے
 لہو کیسا فراق روح ہوتا ہے کوئی دم میں
 ندامت کیوں ہمیں اے نشتر نصاد دیتا ہے
 لہ توڑیں آج تک بھی بیڑیاں زور جنوں توڑے
 جھکاؤں کیوں نہ سر طعنے مجھے حداد دیتا ہے

یہ کیوں گھبرا گئے فریاد بے تابی سے اے بیمارے
 دعائیں تم کو کوئی بندہ آزاد دیتا ہے
 سنائیں گے نوید قتل وہ شاید کہ پہلے سے
 مجھے جوش سر ماتم مبارک باد دیتا ہے
 نسیم دھلوی تو بھی مگر شاگرد مومن ہے
 کہ ہر ہر شعر لطف بندش استاد دیتا ہے

(۲۹۸)

یہ حالت ہے تشفی کیا تو اے دباز دیتا ہے
 کہ نالہ بھی دھن میں اب نہیں آواز دیتا ہے
 مناسب ہے مبارک باد بے تابی تو دے جاؤ
 کہ دل سینے میں اب کیفیت پرواز دیتا ہے
 جو پہلے کہہ چکے تھے پھر وہی کہنے لگے ان سے
 مرا انجم بھی کیفیت آغاز دیتا ہے

(۲۹۹)

ولہ

قفس پردوش صیاد جفاطینت کا پھیرا ہے
 مقام گلشن ایجاد دم بھر کا بسیرا ہے
 متاع عالم اسباب چند انفاس رحلت ہیں
 زر و سیم و جواہر کچھ نہ تیرا ہے نہ میرا ہے
 کہاں تک کروٹیں بدلا کرے گا خواب مستی میں
 ذرا کھول آنکھ او غافل کہ دم بھر میں سویرا ہے

چھپا دن ، دور ہے منزل ، اُلٹا جلدی قدم غافل
فروغ زندگانی چند دم ہے پھر اندھیرا ہے

(۳۰۰)

ولہ

محسب مانع سے ہے ہمیں ، دیوانہ ہے
جب چھٹی پھر وہی شیشہ وہی پیانہ ہے
ادب بادہ پرستی نہ گیا مستی میں
صورت کعبہ طوائف در سے خانہ ہے
بے نیازی ہے مجھے اور لحد کو یکساں
بے ہوس میں ہوں تو بے در مرا کاشانہ ہے

(۳۰۱)

ولہ

نئے ڈھب کا کچھ جوش سودا ہوا ہے
خدا جانے اب کے مجھے کیا ہوا ہے
تعلق اُن آنکھوں سے پیدا ہوا ہے
بہت دن کا یہ خواب دیکھا ہوا ہے
نہ عالم میں تجھ سا نہ مجھ سا جہاں میں
نہ ایسا ہوا ہے نہ ویسا ہوا ہے
نہ لے قیس آگے مرے نام وحشت
ابھی کل کی ہے بات ، پیدا ہوا ہے

پھر آٹھنا ہے دود محبت جگر سے
 وہی حال آگلا سا میرا ہوا ہے
 گھر بار ہے دیدہ اشک زبا سے
 مرا دامن آغوش دربا ہوا ہے
 وہ وادیٰ اہمن پہ موقوف کیا ہے
 ہمارا ہر اک دشت دیکھا ہوا ہے
 ذرا دم تو لینے دے اے چشم جادو
 بڑی مدتوں میں دل اچھا ہوا ہے
 کہا میں نے تنہائی ہے ، بات سن لو
 کہا ہنس کے ، تم کو تو سودا ہوا ہے
 ترقی یہ ہے نوجوانی ہماری
 ابھی کیا ہوا ہے ، ابھی کیا ہوا ہے
 حجاب نظر سے کھلے بھید دل کے
 عبث ہم سے ظاہر میں پردا ہوا ہے
 ہماری ہماری تو ہیں دل کی باتیں
 نہ مانو اگر اس کا چرچا ہوا ہے
 نہ گھبراؤ جانا اجی ہم بھی سمجھے
 کہیں اور بھی آج وعدا ہوا ہے
 نہ مانیں گے ہم آج تو لے چلیں گے
 بہت روز امروز فردا ہوا ہے
 اگر تم بھی دیکھو تو رو۔ لگو گے
 مری جان یہ حال اپنا ہوا ہے
 نسیم اب کہاں قنردان سخن ہیں
 کہے شعر یہ بھی جو چرچا ہوا ہے

(۳۰۲)

پیتے ہیں مے ، گناہ بقصد ثواب ہے
 مستی کے ولولے ہیں ، زمان شباب ہے
 اے چارہ گر ! ندامت مے جا نہ لیجیو
 دل چاک ہو چکا ہے جگر آب آب ہے
 زاعد معاف ضبط طبیعت نہیں ہمیں
 ساغر چھلک رہے ہیں ہوائے شباب ہے
 بیداریاں ہیں دیدہ زنجیر کی طرح
 وہ آنکھ مے ازل سے جو محروم خواب ہے
 اے شور حشر ٹھہر کہ فرصت نہیں ہمیں
 ہیں غفلتوں کے جوش جوانی کا خواب ہے
 اے شیخ طول ریش مقدس گھٹائے
 حد سے زیادہ جو مے اسی پر عذاب ہے
 اے بے خبر قریب ہے فرداے باز پرس
 ہشیار ہو کہ جلد زمان حساب ہے
 دیکھا نگاہ غور سے ہم نے جو اے نسیم
 ہر شعر اس غزل کا تری انتخاب ہے

(۳۰۳)

لب پر اک پردہ نشیں کا شکوہ بیداد ہے
 میرے نالے ہیں اچھوٹے ہارسا فریاد ہے
 ہو چکی رسم اسیری دل نہایت شاد ہے
 حلقہ زنجیر آغوش مبارک باد ہے

بھولتی ہیں کب نکامیں چشم جادو خیز کی
 ہم کو سامان فراموشی سب اپنا یاد ہے
 گھر کہاں ویرانیاں ہستی ہیں ہجر یار میں
 اب ہمارا خانہ دولت خراب آباد ہے
 دی صدامے کوس رحلت ضربت شمشیر نے
 خندہ زخم جگر شور مبارک باد ہے
 صورت گل جلوہ گر ہیں داغ ہائے دوستی
 کعبہ دل میں بہار گلشن شہداد ہے
 لفظ بس سے پاک ہوتی ہے حدیث عاشقی
 اپنا افسانہ تو قید ختم سے آزاد ہے
 خاکساری میں بھی ہوں میں استدر عالی مزاج
 ہم گریبان ہلال اب دامن فریاد ہے
 بوجھ لے کر پوچھتا ہے خون عاشق کے مزے
 چند ساعت تو زبان خنجر جلاد ہے
 غم نہیں گر چپ دھان زخم ہیں وہ خندہ زن
 میں ہوں آزرده ہلا سے میرا قاتل شاد ہے
 سخت جانی کا برا ہو منفعل کیسا کیا
 موت کو ارمان رہا نادم مرا جلاد ہے
 جلد آ فصل بہاری آرزوئی تا کجا
 مدتوں سے اشتیاق خانہ صیاد ہے
 دیکھیے کیوں کر گذرتی ہیں جفا کی صحبتیں
 میں اسیر لو ہوں نا واقف مرا صیاد ہے
 آپ سے تو منہ نہیں کھولا مگر مجبور ہیں
 ہمت دیوانگی منت کش حداد ہے

اب تو جی آلتے ہیں کب تک انتظار رست خیز
 مرغ جاں مدت سے اپنا آشیاں برباد ہے
 سبزہ رنگان جہاں کو روز و شب دیکھو نسیم
 دید کے قابل ہمار گلشن ایجاد ہے

(۳۰۴)

عجب تیر نکہ میں کچھ اثر ہے
 نہ ہر میں دل نہ سینے میں جگر ہے
 مآل عاشقی کیا ہو چھتے ہو
 جگر کے ہار ہر تیر نظر ہے
 وہ جیسی صبح ویسی ہی شب ہجر
 غضب کی رات آفت کی سحر ہے
 قفس چھوڑا عجب صورت سے ہم نے
 نہ بازو ہے ، نہ گردن ہے ، نہ سر ہے
 سمجھیں کیا ہم یہ جو گذری سو گذری
 حساب اے جاں ہمارا حشر ہر ہے
 لگی لو شمع ماں اک شعلہ رو کی
 بلا سے سر کٹے اب کس کو ڈر ہے
 غرض مطلق نہیں مجھ کو کسی سے
 نسیم اپنی خدا ہی ہر نظر ہے

(۳۰۵)

راز مخفی لب تلک آتے ، کہاں مقدور ہے
 دل ہمارا جلوہ گاہ شاہد مستور ہے

ایک شعلہ داغ سوزاں کا ہے میرے آفتاب
 آسمان نہلگوں دود تن محرور ہے
 دل مرا پیری میں ہے محو خیال زلف یار
 نافہ مشک ختن پر پردہ کافور ہے
 ساقیا میں زخمی تیغ نگاہ مست ہوں
 ہر دھان زخم میں خوں ہادہ انگور ہے
 ناتوانی سے خط باریک ہے ایسا بدن
 ہو چکیں ہیں مدتیں زنجیر ہائے مور ہے
 حسن عالم تاب سے تیرے مثال مہر کیا
 یہ سراسر نور ہے وہ اک چراغ دور ہے
 کم کسے صورت نہیں کاشانہ تن خد سے
 ہو نفس دل جلوہ گلہ حسن رشک حور ہے
 ہو گیا بے ہوش جس پر آنکھ تیری پڑ گئی
 کس قدر لب ریز مستی نرگس غمور ہے
 اور بھی شاعر زمانے میں ہیں اکثراے نسیم
 ہر جناب ہاک کا کچھ اور ہی دستور ہے

(۳۰۶)

باس ہو کر کچھ دلوں ہم چشم بسل میں رہے
 داغ بن کر مدتوں داسان قاتل میں رہے
 الٹے شکوے طعنہ بے سود اقرار دروغ
 جو تمہارے منہ سے نکلے سب مرے دل میں رہے
 خاطر گل عاشقوں کو تھی جو منظور مزاج
 بے اثر ہو کر اثر شور عنادل میں رہے

ان کو نیند آتی ، نہ اپنی آنکھ جھپکی ایک دم
 ذکر ہو کر رات بھر ارہاب محفل میں رہے
 سادہ لوحی دیکھنا وعدہ جو ظالم نے کیا
 تا سحر ہم انتظار عہد باطل میں رہے
 کثرت تکلیف سے ہم آپ نالے ہو گئے
 لب پہ آئے یا کبھی پیار کے دل میں رہے
 خنجر قاتل کی ایذا میں ، اجل کی سختیاں
 روح بسمل کی طرح ہر وقت مشکل میں رہے
 اشک نا طاقت کی صورت ہر قدم پر گر پڑے
 وہ مسافر تھے کبھی آ کر نہ منزل میں رہے
 خوب ہی سوچھی احبا آفریں ہم کو کہو
 ہم خیال یارین کر یار کے دل میں رہے
 قہر بے جا ، حجت بے سود ، تقریر فضول
 جوش کس کس کے مزاج سرد جاہل میں رہے
 تیرہ بختی نے بھی دکھلائے ہمیں آخر فروغ
 داغ ہو کر ہم کنار ماہ کامل میں رہے
 نام آزادی زباں پر آ گیا تھا اس لیے
 پاؤں میرے مدتوں قید سلاسل میں رہے
 خشم ناصح ، طعنہ احباب ، تکلیف فراق
 زندگی جب تک رہی کیا کیا قلق دل میں رہے
 دیدہ گردیاں کی عزت کس قدر دریا نے کی
 اشک جو ٹپکے سرے دامن ساحل میں رہے
 نقش کی امید نے نقشا دگرگوں کر دیا
 تا فراق روح و تن ہم فکر عامل میں رہے

ان کے گلے کے تھے ہم مشتاق برسوں سے نسیم
اس لیے شب بھر رقیبوں کی بھی محفل میں رہے

(۳۰۷)

کس قدر قیدِ تعلقی سے طبیعت پاک ہے
دامنِ مدفن ہمارا سو جگہ سے چاک ہے
ماتمِ خاموشی یہ کس کا تہِ افلاک ہے
غنجے ہیں لبِ بندِ ہر گل کا گریباں چاک ہے
کوئی بھی عرباں زمانے میں نظر آتا نہیں
جسمِ سجدہ ہیں جسے وہ روح کی ہوشاک ہے
مفسدے آلتے ہیں مارے فرق فی ماہین میں
مل گئے جب عاشق و معشوق جھگڑا پاک ہے
عصمت جاوید شکلِ دیدہ زنجیر ہے
آنکھ اپنی تہمتِ نظارگی سے پاک ہے
کس غضب کی شوخیاں ہیں حلقہ زنجیر میں
بے نگاہی ہے مگر کیا دیدہ بے پاک ہے
ایک دن وہ تھا کہ تھیں ہالے مسندِ کروٹیں
ایک دن وہ ہے کہ ہم ہیں یا کنارِ خاک ہے
وخصت اے توبہ معاف اے ہاسِ تقویٰ آج کل
ولولے ہیں مستیوں کے دختِ رز کی تاک ہے
نکر آرائش نہ کر قاتلِ مرا سرِ کلٹ لے
ہاں اسی تکے کے قابلِ حلقہ قتراک ہے
اپنے دم تک ہے فقط آبادی زلدوں کی دھوم
ہم نہیں تو دیدہ زنجیر میں بھرِ خاک ہے

مژدہ راحت مبارک ہو تجھے اے ہم نفس
 ہاں تو اک دل ہے سو وہ بھی سو طرح غم ناک ہے
 اب خدا رکھے ہماری عصمت دیوانگی
 گھورتے ہیں دیدہ زنجیر بے ڈھب ناک ہے
 بھک رہے ہیں زیر مدفن سوز الفت سے نسیم
 مرا کے بھی دل کو خیال روئے آتش ناک ہے

(۳۰۸)

سفر ہے دشوار خواب کب تک بہت بڑی منزل عدم ہے
 نسیم جاگو کمر کو باندھو آٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے
 نسیم غفلت کی چل رہی ہے امنڈ رہی ہیں قضا کی نیندیں
 کچھ ایسا سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے
 جوانی و حسن و جاء و دولت یہ چند انقاس کے ہیں جھگڑے
 اجل ہے استادہ دست بستہ نوید رخصت ہر ایک دم ہے
 ہسان دست سوال سائل تھی ہوں ہر ایک مدعا سے
 نیاز ہے بے نیاز یوں سے بغل میں دل صورت صنم ہے
 مال کار جہان فانی کبھی نہیں ایک قاعدے پر
 جو چار دن ہے وفور راحت تو بعد اس کے غم و الم ہے
 دریغ کرنا نہ زور بازو مثالی ساری کلورتوں کو
 ہوس نہ رہ جائے کوئی قاتل کہ سر تہ خنجر دو دم ہے
 زبان رو کو بھک رہے ہو سرور دوشینہ جوش پر ہے
 مٹے وصال شب کٹا ہر ایک لب سے ابھی جم ہے
 یہ مصرع مخبر مصیبت کمال ہم کو پسند آیا
 نسیم جاگو کمر کو باندھو آٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

(۳۰۹)

یہ نہ سمجھے ہائے یہ آغاز بد انجام ہے
 میری رسوائی میں ان کا بھی تو آخر نام ہے
 وصل میں انکار تیرے ہجر میں دل بے قرار
 کب مجھے راحت ملی کس دن مجھے آرام ہے
 وائے حسرت موت آتی ہے نہ پار آتا ہے پاس
 عاشقی شاید کسی کی قسمت ناکام ہے
 صبح سے تا شام رہتا ہوں ہمیشہ منتظر
 مہربانی پر تری کیا کیا خیال خام ہے
 کوٹھے پر سونے کو کیا آیا ہے وہ آرام جاں
 آج جو نالہ ہے میرا آشنائے ہام ہے
 جذب دل روکے ہوئے ہے تم کو مدفن پر سرے
 ورنہ سب کے واسطے اے جان اذن عام ہے
 کیا برا ہوتا ہے جھگڑا دوستی کا اے نسیم
 بے گنہ عاشق ہمیشہ مورد الزام ہے

(۳۱۰)

لو ضعف سے اب یہ حال تن ہے
 سایہ متجسس بدن ہے
 یہاں تن ہی نہیں ہے لاشری سے
 ہم کو کیا حاجت کفن ہے
 مثل نکبت ہیں ، جامہ کیسا
 اپنا تو بدن ہی پرہن ہے

ہوں بلبل بوستان تصویر
 بے خوف خزاں مرا چمن ہے
 ہوں کشتہ تیغ شرم جانان
 ہر زخم کا بے زباں دھن ہے
 لاریب نسیم دھلوی تو
 استاد نزاکت سخن ہے

(۳۱۱)

سوز فرقت سے یہ گرمی پہ سراشیون ہے
 جو گرا اشک یہاں آہلہ دامن ہے
 بلبل روح دم قتل چہک کر نکلی
 چمن جوہر شمشیر نہیں گلشن ہے
 سر گئے ہم مگر اس کی نہ گئی خاموشی
 دھن زخم بھی گویا دھن مدفن ہے
 کس قدر زخم مڑ جلد بھرا دامن نے
 جانب اشک پڑی آنکھ تو بے روزن ہے
 بیچ رہا تھا جو ستم چادر کل نے بنشا
 قطرہ شبہم کا مجھے آہلہ مدفن ہے
 محاسب کیوں نہ رہے میری طرف سے بدظن
 آہلہ کا ہے کو ہے شیشہ بے گردن ہے
 کیوں جنازے سے لپٹ کر وہ بہت روئے نسیم
 کفن لاش بھی کیا پیرہن دشمن ہے

(۳۱۲)

ہلا ہے ، کون جاں پر ہو سکے ، آفت کا سامان ہے
 نقاط امنی رہزن تری زلفوں کی انشان ہے
 کلو سے تا کمر گھٹ بڑھ ہے میرے سبیل گریہ کی
 کبھی طوق گریبان ہے کبھی زنجیر دامان ہے
 خیال بار کے بیٹھے ہیں چوکیدار آنکھوں میں
 کہاں سے نیند آئی مردم دیدہ نکہیاں ہے
 دورنگی سے نہیں خالی تقاضے سمنا بھی
 کبھی بوسوں کی حسرت ہے کبھی وصلت کارماں ہے
 ارادے تھک گئے رخصت طلب ہے طاقت وحشت
 کہاں تک طے کریں ہم ، منزلوں طول بیاہاں ہے
 ہزاروں کوس سے دل کو بھی کہہ کہہ کے لائے ہیں
 آٹھا جلدی قدم وہ دیکھ آگے کو سے جانان ہے
 نظر بڑتی ہے جس منہ پر وہیں اک شعلہ روشن ہے
 سماشہا دیکھ لے عاشق ترا سرو چراغاں ہے
 بڑی زنجیر پیروں ، طوق لپٹا آ کے گردن میں
 جنوں میرا اسیر آرزو سامان زنداں ہے
 وہی رفعت ہے دیوانے کی تیرے بعد مردن بھی
 ہوا کے ساتھ گردوں پر غبار تن پریشان ہے

(۳۱۳)

ولہ

کہیں کیا دست وحشت کا کہاں تک ہم پہ احسان ہے
 کہ اب تار گریبان ہے نہ باقی تار دامان ہے

مقام سیر ہے کنج لحد بھی یاد گل رو سے
 جگر کے داغ گلشن ہیں کفن صبح گلستان ہے
 بڑھی لو اور چالاک چہرے جو پاؤں میں کانٹے
 کہ ہائے آبلہ اپنا ہر اک خار مغیلاں ہے
 یہ حالت ہے کہ ہے زنجیر بھی "محتاج" نالے کی
 ہلا سکتے نہیں پاؤں یہاں تک تنگ زنداں ہے
 بھلا کیا زندگی کا لطف مجھ سے ناتواں کو ہی
 کہ ہل جانا سر مو کا قضا کا میری سامان ہے
 مرا لطف اسیری ماتم صیاد ہے اے دل
 کہ آغوش نفس تک آئے آئے رخصت جاں ہے
 بہار سبزہ نو دیکھتے ہیں جوش گریہ سے
 دل وحشی کی جہلانے کو مرقہ بھی یہاں ہے
 کیا چاک بدن جب کچھ نہ پایا دست وحشت نے
 یہاں تک اب پرہنہ ہیں کہ اپنی جان عریاں ہے
 نہیں مدفن میں بھی آرام ہر دم چونک اٹھتے ہیں
 صدائے نالہ مرغ سحر سے دل پریشان ہے
 بھا کر خون پنیں گئے کفن گل ہائے لالہ کا
 کہ اپنی وجہ خون ریزی حنائی دست جاناں ہے
 ہوا تیغ تبسم سے جو کشتہ دل رہائی میں
 بہ شکل گل ہر اک زخم بدن شادی سے خنداں ہے
 بہ جز فضل خداوند حقیقی کون ہے اس کا
 نسیم ہے کس و مضطر غریبی بحر عصیاں ہے

(۳۱۴)

وصل کے نام سے آزرده جو تو اے جاں ہے
 منفعل ہوں کہ مرے دل میں وہی ارماں ہے
 آج سمجھے ترے کہنے سے کہ لے شکر تو کر
 جس سے مرجاتے ہیں عاشق وہ ستم احسان ہے
 کہنے سننے سے بدل جائے یہ کیوں کر زاہد
 کیا ہمارا دل بے تاب ترا ایمان ہے
 بے خودی میں ترے صدقے انہیں راضی کردے
 سمجھیں عاشق نہ مجھے دل میں کہیں حیران ہے
 اے حیا ! آج تو اللہ کنارا کر جا
 مختصر وصل کی ہے رات ، صم مہاں ہے

(۳۱۵)

ولہ

اثر نصیب کی سرگشتگی کا سر میں ہے
 نہ چین دشت میں مجھ کو ملا نہ گھر میں ہے
 خیال دوست نے آنکھوں کو روشنی بخشی
 سدا وہ چاند سا مکھڑا مری نظر میں ہے
 بتوں کے عشق نے پتھر بنا دیا مجھ کو
 نہاں یہ سوز مثال شرر جگر میں ہے
 صفائے حسن چھپائے سے چھپ نہیں سکی
 نظر پہ چڑھ گیا آئینہ گو کہ گھر میں ہے
 فراق یار نے زندہ بہ گور مجھ کو کیا
 نسیم اپنا ستارہ اجل کے گھر میں ہے

(۳۱۶)

اُس گل کا جلوہ گر جو سراپا نظر میں ہے
 دھوکا ہمیں نشان دہان و کمر میں ہے
 ہے شب سے فکر یار و غم ہجر میناں
 دل کی طلب میں کوئی خیال جگر میں ہے
 صیاد کر نفس شکنی کا نہ اتہام
 کب زور اس طرح کا سرے بال و ہر میں ہے
 دوزخ کے تیز کرنے کو لے جائیں گے ملک
 وہ شعلہ فراق جو میرے جگر میں ہے
 دو چار کیا کہ لاکھ جگر سے گزر گیا
 کیسا غضب کا زور خدنگ نظر میں ہے
 السوس اذن ضعف اسے بھی ہوا نہیں
 وہ اشک مضطرب جو امید سفر میں ہے
 پیغام مرگ سنتے ہی بے ہوش ہو گئے
 کس درجہ جوش بے خبری اس خبر میں ہے
 کھٹکا بھی ہے غفلت تقدیر سے مجھے
 بھولے نہ قصد وہ جو دل نامہ بر میں ہے
 کڑوے ہوئے ہو ایسے جو منہ سے لگا کے تم
 کس خاک تلخ کا یہ مزا نیشکر میں ہے
 تاباں نہ ہو بہ صورت خورشید دفعتاً
 داغ وداع یار حجاب سحر میں ہے
 اے روح کر نہ جسم سے اپنے مفارقت
 یہ ایک پیرہن ہے جو تیرے ہی بر میں ہے

کہتا ہے بوسہ لب شیریں یہ ہار ہار
 وہ مور ہوں ازل سے جو تنگ شکر میں ہے
 نالوں نے شب جو سیر نشیب و فراز کی
 ہے تھرتھری زمیں کو ، فلک العذر میں ہے
 آنسو ہیں پاک رشتہ اسباب دھر سے
 سوراخ نک نشان کو نہیں اس گھر میں ہے
 وہ نقطہ ہوں ازل سے جو لکھا گیا ہے فرد
 مطلب کے تحت میں ہے کبھی فوق زر میں ہے
 آنکھیں لگی رہیں طرف در تمام رات
 دل اب بھی جذب ہی کے فریب اثر میں ہے
 دیکھا کیسے بہار لحد میں بھی اے نسیم
 کیا لطف اپنے گلشن داغ جگر میں ہے

(۳۱۷)

بلند یوں ہر ہے اپنی ہستی یہ اوج کس خاکسار میں ہے
 پسند آتی فلک پرستی وہ سرفرازی غبار میں ہے
 خوشی شب و روز روہرو تھی تبسم انگیز گلتگو تھی
 ہمیشہ ہنس دینے کی جو خوتھی، دھن شکاف مزار میں ہے
 عجب طرح کی ہڑی ہے مشکل ہوئی ہیں دو آئیں مقابل
 بدن کو قید کفن ہے حاصل کفن جو قید مزار میں ہے
 بدن سے لپٹا کفن کا جھکڑا بغل میں ڈھیلے ہیں سر پہ تختہ
 سمجھ کے آئے تھے جامے تنہا سو یہ بکھڑا مزار میں ہے
 فراغ زیر لحد کہاں ہے ، وہاں بھی تکلیف امتحان ہے
 بدن تو اس درجہ ناتوان ہے ، زمیں امید فشار میں ہے

اسی طرح انتشار میں تھا ہمارے جب اختیار میں تھا
 جو عالم کس کا کنار میں تھا وہ حال اپنا فشار میں ہے
 بھرا دے خنجر، ٹا دے جھگڑا ستم میں قاتل لحاظ کس کا
 دے ہیں زانوں کے نیچے اعضا رگ گلو اختیار میں ہے
 یہ سارے چھل بل تمہیں بھلا دیں کبھی نہ دیکھا ہو وہ دکھا: ہیں
 جو گود میں آؤ تو بتا دیں کہ یہ سزا اختیار میں ہے
 لیے جو ہوئے نہ ہو ہشیاں قصور دھوکے میں ہو گیا ہاں
 خفا نہ ہو اے اجل سری جان، ہوائے ہوس و کنار میں ہے
 یہ بے خودی کا ہوا ہے عالم کہ سو گیا تھا جو بار کچھ دم
 کئی برس ہو چکے ہیں بیہم یقین ہے دل پر کنار میں ہے
 نہ ہو چھپے لطف زندگی کا ہوا ہے وہ حال زار مبرا
 کہ جس طرح سے تمہارا وعدہ تزلزل اعتبار میں ہے
 بس از فنا رفتیں ہم ہیں نصیب یہ عزتیں بھی کم ہیں
 زمیں کے آغوش میں جو ہم ہیں زمیں فلک کے کنار میں ہے
 نسیم کیا جستجو سے ہوگا، نہیں ہے تقدیر میں جو لکھا
 سوائے سرگشتگی بے جا بگولے کے کیا کنار میں ہے

(۳۱۸)

مخلصی کب ہے کہ مرغ روح قید تن میں ہے
 جان بدن میں ہے بدن آغوش پیرا میں ہے
 رو رہا ہے وہ بھی میرے اضطراب اشک پر
 کوئی آنکھوں میں تڑپتا ہے کوئی دامن میں ہے
 انقلاب ایسا دکھا اے لطف قاتل آج تو
 زخم میں آئے جو ڈورا دیدہ سوزن میں ہے

بعد مردن دیکھنا دیوانگی کا میری اوج
 ماہ نو ہوگا وہی طوق آج جو گردن میں ہے
 خاطر صافی میں تیری کس طرح سے آئے گا
 وہ جو میرے قتل کا کینہ دل دشمن میں ہے
 گدگدی ہونے لگی ہائے نگاہ یار میں
 فرش نظارہ جو اپنا دیدہ روزن میں ہے
 بعد مردن آرزوئیں خاک سے پیدا ہوئیں
 میرا لاشہ صورت دل سینہ مدافن میں ہے
 خون روئے عمر بھر اغیار صورت دیکھ کر
 میرے زخموں کا نمک شاید ترے جون میں ہے
 زخم کے دامن میں اے قاتل چھپے گا شرم سے
 چشم کی صورت جو حلقہ جوہر آہن میں ہے
 گل ہوا جب غنچہ شرم نو عروسی بھر کہاں
 شاہد روپوش ہے جب تک کہ پیراغن میں ہے
 بجھ گئی ہر بھی یہ بھل شمع دیکھو صبح تک
 اشک کا خرمن لگن کے گوشہ دامن میں ہے
 مل گئی یہ خاک کس کی حسرت ہابوس میں
 اک بکولا سا مری گرد رم قوسن میں ہے
 اتحاد یک سوئی نے کر دیا روشن ضمیر
 کھل گیا صاف اس پہ جو شکوہ دل بدظن میں ہے
 باغ ہستی کی ہوائے سیر بھر کیا اے نسیم
 ہونے کا ہڑمردہ جو گل دھر کے گاشن میں ہے

(۳۱۹)

گشت نہ کر ادھر ادھر بے خبری جہاں میں ہے
 اپنے ہی دل میں غور کر دیکھ سکیں مکاں میں ہے
 رات تمام کھو چکا نیند سے سیر ہو چکا
 جاگ کہ خوب سو چکا کوس اجل فغاں میں ہے
 کس سے مثل تجھ کو دوں غیر کہاں جو نام لوں
 حال کہوں تو کیا کہوں قفل ادب زباں میں ہے
 پاؤں بہت تھکا چکا شام کا قرب آچکا
 دوڑ کہ وقت جا چکا تو بس کلرواں میں ہے
 دیکھ کہیں دغا نہ ہو جسم سے جاں جدا نہ ہو
 جلد سنبھل خطا نہ ہو تیر اجل کہاں میں ہے
 منزل گور تنگ ہے پائے فراخ لنک ہے
 تجھ کو ابھی امنگ ہے اور ہی کچھ گماں میں ہے
 تجھ کو نسیم کیا ہوا دید جہاں سے دل آٹھا
 رنگ فریب جا بہ جا ہر گل بوستان میں ہے

(۳۲۰)

نہیں ہیں اس درجہ بے ادب ہم کہیں جو ان کے دھن نہیں ہے
 دھن تو ہے پرے تنگ ایسا کہ جس میں جلے سخن نہیں ہے
 نہیں ہیں محتاج کچھ صبا کے یہاں تک اب لاش گھل گئی ہے
 کہ ہم کو کٹائی ہے نکبت گل کہ اس قدر بار قن نہیں ہے
 ہوئے ہیں اس درجہ بے نشان ہم نہ جستجو سے ملیں کسی کو
 کہ ہیں غبار صبا پریدہ کہیں ہمارا وطن نہیں ہے

ملے بھی ہم کو جو چادر شب تو لاغری سے نہ کام آئے
 کفن ہوا بھی اگر میسر تو کیا کریں ہم بدن نہیں ہے
 کرو نہ منت کشی عیسیٰ، آٹھاؤ دست دعا اجل کو
 شفا ہو مرہم سے جس کو حاصل وہ میرا داغ کہن نہیں ہے
 گئے چمن میں جو سیر کو ہم تو یہ کہا دل نے بوستان میں
 ہار گلشن کی کون دیکھے کہ بلبل نغمہ زن نہیں ہے
 جلا جو پروانہ اس کے غم میں تو پاس شرط وفا کے باعث
 وہ کون شب ہے جو اشک پرہم سے شمع کا پُھر لکن نہیں ہے
 یہ رحم صیاد بھی ستم ہے کرے خزاں میں جو وا قفس کو
 ہار دیکھے گی کس کی بلبل کہ اب وہ لطف چمن نہیں ہے
 عبث تکلف پس فنا ہے بعد پہ بے چارگاہ کی ہم دم
 ہمیں تو کافی ہے بوئے سبزہ جو چادر یاسمن نہیں ہے
 بہ جوش وحشت ہے ان دنوں میں کہ اپنے سائے سے ہوں رمیدہ
 کہوں جو خود کو غزال وحشی تو کوئی ایسا ہرن نہیں ہے
 جو ہیں نزاکت پسند عالم کہیں گے بے شک وہ منصفی سے
 بہت ہیں استاد یوں تو لیکن نسیم کا سا سخن نہیں ہے

(۳۲۱)

ہم کہے دیتے ہیں زحمت خوردہ ہے
 دل تو حاضر ہے مگر پڑسردہ ہے
 تو ہی آتا ہے نہ آتی ہے قضا
 دیکھتے ہیں جس کو وہ آزرده ہے
 جس طرح جی چاہے رکھیں میرا دل
 جانتے ہیں وہ کہ مال مردہ ہے

منزل الفت میں رکھیں تو قدم
 رستم و سہراب کا کیا گردہ ہے
 کون ستا ہے تمھاری اے نسیم
 کس کو پاس خاطر افسردہ ہے

(۳۲۲)

سن لے یہ التماس مرا دوستانہ ہے
 ہشیار ہو کہ تیر اجل کا نشانہ ہے
 کب تک رہے گی مستند کم خواب زیرہا
 کاہ خمیدہ یار ترا شامیانہ ہے
 دنیا کے غمغمے ہیں یہ نرزند و اقربا
 بے گانہ سب سے ہو کہ اجل کا یگانہ ہے
 اے عندلیب جان چمن جسم پر نہ بھول
 ویرانہ ایک روز ترا آشیانہ ہے
 انفاس مستعار پہ کیا اعتبار زیست
 اک دم میں مثل موج صبا تو روانہ ہے
 یہ جلوہ ہائے ہوقلموں بے ثبات ہیں
 ہے زندگی طلسم ، جہاں اک نسانہ ہے
 رکتی نہیں ہے باگ کسی شہسوار سے
 ہر دم مستند عمر کو اک تازیانہ ہے
 کیا سرکشان دھر کے قصے نہیں سنے
 کیا ہو گئے وہ لوگ کہاں وہ زمانہ ہے
 کہنا تھا جو نسیم تجھے سب سنا چکے
 نزدیک اختتام ترا کارخانہ ہے

(۳۲۳)

مست کس درجہ نگاہ ساقی مستانہ ہے
 گردش سر ہم کو مثل گردش پیانہ ہے
 اس قدر بے ہودہ دیکھو عادت پیانہ ہے
 آشنا ہر لب سے اور ہر ایک سے بے گانہ ہے
 جو سخن منہ سے نکلتا ہے سرے مستانہ ہے
 ہے دھن میناے سے ہر لب لب پیانہ ہے
 اشک محرومی سے کیا امید رکھیں بدنصیب
 آب رحمت سے نہ ہو سر سبز یہ وہ دانہ ہے
 پردہ عصمت نہیں ہوتا حسنیوں کا حجاب
 شمع کا فانوس میں بھی حسن معشوقانہ ہے
 آج تک باقی وہی ہے مجھ میں تاثیر جنوں
 کھائی جس کتنے نے ہڈی وہ سگ دیوانہ ہے
 ساکن مسجد کبھی ، گہ معتکف ہے دیر کا
 ملت و دین نسیم دہلوی زندانہ ہے

(۳۲۴)

کلے پر آج رکھ کر تیغ قاتل نے آلتھائی ہے
 فقط دست اجل پر اب مری مشکل کشائی ہے
 بھرا جاتا ہے قاتل کر کے وعدہ قتل کا مجھ سے
 دھائی ہے دھائی ہے دھائی ہے دھائی ہے
 لپٹ جا دوڑ کے تو خود کلے سے تیغ قاتل سے
 کدورت دور کر اے دل اگر ذوق صفائی ہے

اثر ہائے فراق یار سے یہ حال پہنچا ہے
 نہ تن سے جاں کو اور جاں کو نہ تن سے آشنائی ہے
 نہیں حاصل ہے مطلق مزرع دنیا سے کچھ ہم کو
 مگر کچھ دانہ ہائے اشک خجالت کی کٹائی ہے
 تہی ساغر ہے گردن خم ہوئی جاتی ہے مینا کی
 جہاں سے آج تیرے مست کا وقت جدائی ہے
 نہ آئے گا نہ آئے گا وہ بالین پر عیادت کو
 خدا جانے مری جانب سے کیا دل میں مہائی ہے

(۳۲۵)

ولہ

کھلی ہے آنکھ جوش انتظار یار جانی ہے
 بہ مشکل دیدہ زنجیر خواب ہاسباتی ہے
 لبوں پر آچکا دم کوئی دم کی زندگانی ہے
 چل آٹھ او بے وفا پہلو سے اب کیوں مہربانی ہے
 لکا دوں آگ آگ کرنے میں وہ شعلہ زہانی ہے
 بہ شکل شمع سارے جسم میں سوڑ نہاتی ہے
 کلام حضرت واعظ نصیب دشمنان ہا شد
 آنڈیلو مے ، پیو ساغر ، کہاں بھر نوجوانی ہے
 آمنگیں ہیں طبیعت میں بھری ہیں مستیاں دل میں
 ہوئی جاتی ہیں آنکھیں بند کیف نوجوانی ہے
 عذاب غفلت قاتل سے رنج کش مکش میں ہوں
 مدد اے مرگ بے تقصیر ذوق جاں فشانی ہے

خبر کیا ہو چھتا ہے ہم نفس کیوں کر گذرتی ہے
 جگر جلتا ہے دل بھتا ہے اشکوں کی روانی ہے
 اداو ناز ایما چشم غمزہ گو وہ کوئی ہو
 تعلق جس سے ہو جائے بلائے ناکہانی ہے
 پسند آئی ہے اس درجہ اذیت دوستی ہم کو
 نظر میں دھوپ بھی دشت مصیبت کے سہانی ہے
 خیال میرزائی اے نسیم دھلوی کب تک
 جھکو، ہڈے ہوئے، اب رخصت لطف جوانی ہے

(۳۲۶)

دیتے ہو ہوسہ تو کہیں لاؤ بھی
 خبر کسی طرح سے سرماؤ بھی
 آپ کے وعدوں کو ہمارا سلام
 دیکھ چکے خوب، اجی جاؤ بھی
 ہم تو ابھی صلح پہ موجود ہیں
 فیصلہ بارو کوئی ٹھہراؤ بھی
 قتل کباب جگری کیجیے
 کھاؤ میرے سر کی قسم کھاؤ بھی

(۳۲۷)

ولہ

پھر اس کے پھندے میں جا رہے ہیں کہ جس کے پھندے میں جا چکے تھے
 وہی مصیبت آٹھا رہے ہیں کہ جو مصیبت آٹھا چکے تھے
 کہو جو بے جا بجا ہے مجھ کو، سزا ہے جو نا سزا ہے مجھ کو
 کہ ان کا رونا پڑا ہے مجھ کو جو مدتوں تک رلا چکے تھے

جو ان کی خو نہی سو ان کی خو ہے جو گفتگو نہی سو گفتگو ہے
 پھر ان پہ مٹنے کی آرزو ہے جو ہر طرح سے مٹا چکے تھے
 عدو کا میں ہوں عدو مقرر برابر آگے ہوئے برابر
 بھلا بدلتا نہ رنگ کیوں کر وہ رنگ اپنے جا چکے تھے
 کسی سے کوئی نہ دل لگائے نسیم کیا کیفیت بتانے
 وہی اب آنسو بہانے آئے لہو جو میرا بہا چکے تھے

(۳۲۸)

خوف مانع ہے ترا او ستم ایجاد مجھے
 ورنہ سمجھاتی ہے کیا کیا مری فریاد مجھے
 کیا کڑی آنکھ سے زنجیر جنوں کو دیکھوں
 چاہیے ہے ادب حضرت حداد مجھے
 ہاتھ ہر وار میں چومے ہیں تصدق ہو کر
 پاد کرتا ہے پس از سرک بھی جلا د مجھے

(۳۲۹)

ولہ

ملا ہے دل بھی محبت سے داغ دار مجھے
 خدا نے آنکھ بھی دی ہے تو اشک بار مجھے
 ہوا دو نیم میں تیغ دو نیم ابرو سے
 دکھایا یار نے اعجاز ذوالنقار مجھے
 ہوس یہ تھی کہ ہنسیں گے سو اب رلاتا ہے
 تبسم لب زخم دل فگار مجھے
 عدم بھی ہو کے چھٹا میں نہ قید ہستی سے
 بنایا کاشش غم نے میان بار مجھے

(۳۳۰)

ولہ

کیے سجدے ہوئے کانر نہ کچھ دل میں ذرا سمجھے
 ہمیں بندہ بنایا اے بتو ! تم سے خدا سمجھے
 کلام نا سزا بھی جو ہوا سر زد ، سزا سمجھے
 وہ گوتم نے کہا ہے جا مگر ہم سب بجا سمجھے
 نہ دشمن دوست ہوں میں اور نہ بے گانہ پگانہ ہوں
 جو وہ سمجھے تو کیا سمجھے تو یہ سمجھے تو کیا سمجھے
 کہا میں نے اُلٹا دو ہاتھ تم بھی میری مشکل پر
 تو بولے ہم سے استدعا دعا کی مدعا سمجھے
 حباب آسا کوئی لحظہ ثبات عمر فانی ہے
 جو عاقل ہو وفاے زندگانی بے وفا سمجھے

(۳۳۱)

ولہ

مری جان رنج گھٹائیے قدم آگے اب نہ بڑھائیے
 ادھر آئیے ، ادھر آئیے ، ادھر آئیے ، ادھر آئیے
 کھڑے کب سے ہم سراہ ہیں کہیں سرچکیں کہ تباہ ہیں
 حریف خدنگ نگاہ ہیں ذرا آنکھ ادھر بھی ملائیے
 بھلا آنا آپ کا کام ہے یہ غلط تمام کلام ہے
 اجی بس ہمارا سلام ہے کہیں اور باتیں بنائیے
 نہ تیغ تیز ہے اک جہاں کوئی کشتہ ہے کوئی نیم جاں
 جو نہ ہو دریغ تو مہربان کوئی ہاتھ ادھر بھی لگائیے

کبھی مے سے منہ کو نہ موڑے ہوس شراب نہ چھوڑے
 سر محسب ہے نہ توڑے جو کمال غیظ ہر آنیے
 یہ کمال لطف ہے ساقیا یہی ہے ہوس یہی مدعا
 رہے ہوش سر نہ خیال ہا اگر ایسی مے ہے تو لائیے
 جو وفور چشم ہر آب ہو تو جہان تختہ آب ہو
 ابھی نوح کا سا عذاب ہو اگر اشک چند بہائیے
 وہ کہا عدو سے ہے میں نے کیا کہہ دے ہیں آپ جو یوں خفا
 یہ غضب یہ جھوٹ یہ الترا مے سامنے تو ہلائیے
 غزل ایسی کامل وزن سن متفاعلن متفاعلن
 ہے نسیم طاقت ہوش سن کوئی شعر اور سنائیے

(۳۳۲)

نہ ہوں نیچی کیے گردن کو چلیے
 ذرا اونچی کیے چتون کو چلیے
 ہجوم کشتگان لے جاں بہت ہے
 ذرا روکے ہوئے تومن کو چلیے
 تصدق ہونے والے ہس نہ جائیں
 اٹھائے ہاتھ سے دامن کو چلیے

(۳۳۳)

ولہ

آجائے موت ہلیل نلشاد کے لیے
 تکلیف رحم بھی نہ ہو صیاد کے لیے

جاتے ہیں جس طرف دل شوریدہ لے چلے
 اب قید کیا ہے بندۂ آزاد کے لیے
 عہد سکوت توڑ دیا ہجر یار نے
 منہ کھولنا پڑا ہمیں فریاد کے لیے
 اے چرخ ڈھونڈ کر کوئی تسکین دل بزیں
 رکھ چھوڑنا سری شب فریاد کے لیے
 اترے ملک ملک سے حسینوں کی دہد کو
 کیا مرتبے ہیں حسن خدا داد کے لیے
 گہرا گیا کشاکش ہستی سے اپنا دل
 بھر ہم نے راستے عدم آباد کے لیے
 ہر رنگ میں نظیر کھارا نہیں نسیم
 زیبا ہے رشک حاسد ناشاد کے لیے

(۳۳۴)

جو چوٹ ہے اے دل تری خالی نہیں جاتی
 آخر کو وہی کی جو منبھالی نہیں جاتی
 اللہ رے مکار خدا تجھ سے بجائے
 رونے میں بھی چہرے کی بجالی نہیں جاتی
 جو بات نہ کہنی تھی وہی بار سے کہہ دی
 اب تک بھی سری ہرزہ خیالی نہیں جاتی

متفرقات

ہو زباں بند جو محشر میں مرا نام آئے
سوچ رکھنا کوئی افسوں کہ وہاں کام آئے

دیوانگی میں جب کہ ہر اک سے بکڑ گئی
زنجیر اہل درد تھی وہ پاؤں بڑ گئی

بھلا ہم اور کیا تکلیف دہ اے جان جان ہوتے
کچھ اپنا حال دل کہنے اگر تم سہراں ہوتے
نفس سے ایک دم مٹی اگر فرصت رھائی کی
چمن میں بیٹھ کر باہم شریک دوستاں ہوتے

مغرور کو تسلیم کی پروا نہیں ہوتی
توڑے سے بھی خم گردن مینا نہیں ہوتی
مقتول خدنگ نگہ ناز کے آگے
کچھ عزت اعجاز مسیحا نہیں ہوتی

بہت کچھ کر چکے تدبیر میری
پھر اب وہ کیا کریں تقدیر میری
خبر خود ہو رہے کی آن کو اے دل !
کہ میرے ساتھ ہے زنجیر میری

ملے رہتے ہیں دامن دو گیسوروے انور سے
تعلق ایک دن کو ہو گیا شام مکرر سے
خدا ہی جانے کیا گزری لحد میں تیرے عاشق پر
کہ ہوئے نو عروسی آتی ہے بھولوں کی چادر سے

کام کیا نکلیے کسی تدبیر سے
آدمی مجبور ہے تقدیر سے

روتی ہے حال پر وہ قتیلان ہار کے
آنسو تو ہوجھ دو کوئی شمع مزار کے

لے اب تو گالیاں بھی تری ہار کھا چکے
بس او زبان دراز ! بہت کچھ آٹھا چکے
اے جان اب نہیں ہوس مخلصی ہمیں
وہ چہچہوں کے رنگ گلستان سے جا چکے

اے دل بھر ان سے دوستی کی
او خانہ خراب بھر وہی کی

کیوں کر ہوائے وصل صنم دل سے جائے گی
عادت پکڑ گئی ہے ، یہ مشکل سے جائے گی

رہتی نہیں آغوش کبھی یار سے خالی
بھرتی ہی نہیں حسن کے بازار سے خالی
مراقب میں جو دیکھا تو نکیر بن ہی موجود
آغوش لحد بھی نہیں اغیار سے خالی

یہ کر لے شرط تو اے یار پہلے
کہ ہوگا حشر سے دیدار پہلے
یہاں تک تھی حریص نالہ بلبل
نکالی بیضے سے منقار پہلے

کیا جلوۂ حسن خود کما ہے
 سبحان اللہ واہ واہ ہے
 بیٹھو بیٹھو یہ بے قراری
 کچھ خبر تو ہے یہ آج کیا ہے

کھلتی ہے جب آنکھ طول شب ہے
 کتنی نہیں رات کیا غضب ہے

دل کو خیال کا کل عنبر شمع ہے
 ہر وقت مجھ کو مشق الف لام مہ ہے
 کس سخت جاں کے ذبح سے پہنچا ہے یہ گزند
 ابرو کی یہ جو تیغ ہلالی دو نیم ہے

دن کو هجوم نالہ و زاری شب کو ونور آہ و نغان ہے
 فائدہ کیا اس ہند سے ناصح لاگ گئی تب لاج کہاں ہے

نور دل مومن کسی ہندو میں نہیں ہے
 جوہات ہے عارض میں وہ گیسو میں نہیں ہے
 سمجھا میں جسے ڈھونڈھتی ہو نام نہ لون کا
 پہلو میں نہیں ہے سرے پہلو میں نہیں ہے

سیکڑوں من سے بھی زنجیر مری بھاری ہے
 واہ کیا شوکت سامان کنہ کاری ہے

عذاب مرگ لحد کا نثار باقی ہے
 بڑی بڑی خلش روزگار باقی ہے

جلا دو پھینک دو چاہو زمیں میں دلیں کرو
ہمارے بعد تمہیں اختیار باقی ہے

مجھے غم ہے تجھے اے قبر راحت کی بحالی ہے
تری آغوش میں میں ہوں مری آغوش خالی ہے

دزدیدہ نگاہوں کے اشارے نہیں اچھے
یہ ڈھنگ مری جان تمہارے نہیں اچھے

آئیے سہنے سے لیٹ جائیے
آج تو اللہ نہ شرمائیے
لاؤ وہ خنجر تو اٹھا دو ہمیں
روز یہ کہتے ہو کہ مر جائیے
منہ سے مٹاتے ہیں احبا کفن
دیکھنی ہو شکل تو جلد آئیے

کہہ لے جو مزاج بت سے نوش میں آئے
سمجھیں گے کسی روز اگر ہوش میں آئے
دھوکا انہیں اشکوں نے دیا شکل بدل کر
ستا ہوں گہر بن کے بنا گوش میں آئے

سمجھ کے تازہ خریدار گرم جوش مجھے
ہلا رہی ہے نگاہ اجل فروش مجھے
لحاظ بے خبری ہے اٹھائیں سر کیوں کر
بہت دنوں سے نہیں التفات ہوش مجھے
اٹھا سکوں گا نہ تکلیف پیرہن ہرگز
وبال برہنگی ہے لباس دوش مجھے

ہاں کوئی تدبیر بتا دیجیے
دل تو دہا اب آنہیں کیا دیجیے
خدا یہ نئی ہے کہ مرا لے کے دل
کہتے ہیں اک اور بھی لا دیجیے

کلر دہن یا فکر دنیا کیجیے
زندگی تھوڑی ہے کیا کیا کیجیے

چاک ہو خود وہ لباس ناتواناں چاہیے
شب کا دامن صبح کا ہم کو گریباں چاہیے
میں تو خود وہ خاک ہوں ظالم کہ میرے واسطے
اک ہوائے جنبش دامن مرگن چاہیے

جو پوچھیں ار نامہ بر تو کہنا بہ قہرے شیدا کی گفتگو ہے
خلاف وعدوں سے بھر چکا جی فریب صادق کی آرزو ہے
بھر ان میں ساقی منکا کے گالے تمام بھوٹے ہوئے ہیں چھالے
ہوئے ہیں شیشے کے زخم آلے شراب کالے کو ہے ، لہو ہے

مخمسات

مخمس پر غزل نواب شرف الدولہ محمد ابراہیم خان
بہادر متخلص بہ خلیل

بوسہ دینے میں غضب لائے گا
جھوٹ سچ بول کے سمجھائے گا
آج تو کہتے ہو کل پائے گا
کل بھی منہ بھیر کے فرمائے گا
آج گھر جائے کل آئے گا
سچ تو اغیار سے فرمائے گا
جھوٹے فقرے مجھے بتلائے گا
میں سمجھتا ہوں جہاں جائے گا
میرے گھر کاے کو آپ آئے گا
خیر بندے ہی کو بلوائے گا
غصہ اترے گا تو غم کھائے گا
رنج تنہائی سے گھبرائے گا
اب تو کیا ، ہوش میں جب آئے گا
میرا دل بھیر کے پچھتائے گا
ایسا جاں باز کہاں پائے گا
مدتوں لطف ہزاروں دیکھے
ایسے بے زار نہ تھے وہ پہلے
اب تو بکڑے ہیں یہاں تک ہم سے
وصل میں کہتے ہیں بٹھے بٹھے
آپ سایہ ہیں لہٹ جائے گا

چند ساعت میں وہی ہے سامان
جس کا تھا دل میں تمھارے ارمان
پوچھتے کیا ہو یہ اے جان جہاں
کس طرح ہجر میں جاتی ہے جان
دیکھنے سیر چلے آئیے کا

گر پڑے اشک جو بن کر اولے
ہنس کے فرمایا کہ اچھا رو لے
جب کہ اندوہ کے دقت کھولے
سن کے حال شب فرقت بولے
کہے کچھ اور بھی فرمائیے کا ؟

روز کل کل ہے کہ کل آئیے کا
کون سی کل ہے یقیں ہو جس کا
آج کل ڈھنگ تمھارا ہے نیا
کل کئے آج ہے کل کا وعدا
جیسے کل آئے تھے ، کل آئیے کا

نہ علاہل کہ ہٹیں جائے سے
کوئی سر جانے کی رکھنے نہیں شے
کس طرح رات کٹے گی ہے
دیکھے جان یہ کیا بنتی ہے
آپ تو آلو کے چلے جائیے کا

بارسا بن کے جو آتے ہیں آپ
اب کھلا جال میں لاتے ہیں آپ
ہم سے ظاہر یہ دکھاتے ہیں آپ
چہکے غبروں کو ہلاتے ہیں آپ
دیکھے دیکھے پھٹائیے کا

جو کہ مشتاق دعا ہوتے ہیں
کب وہ پابند حیا ہوتے ہیں
منہ سے اقرار سدا ہوتے ہیں
اسے ہی وعدے وفا ہوتے ہیں

ہاں بیجا سچ ہے ضرور آئیے گا
بوسہ دیں آپ اگر ہیں شاہد
پھر نہ مانیں گے خدا ہے شاہد
ہم میں آزاد نہیں کچھ زاہد
جیتے جی ہو جیے واحد شاہد

کچھ قیامت میں نہ کام آئیے گا
کس ایسے گنتے ہو کھڑیاں چہ سات
جانتے ہیں کہ بہت کم ہے رات
جی میں چل دینے کی سوچی ہو گھات
ہم وہ ہیں دل کی سمجھتے ہیں بات

آپ کچھ منہ سے نہ فرمائیے گا
خیر بہتر ہے ، اب ایسا نہ سہی
ہر سحر گردش بے جا نہ سہی
یوں ہی منظور تو اچھا نہ سہی
روز کے آنے کا وعدہ نہ سہی

چلتے پھرتے تو کبھی آئیے گا
ان دنوں تم نے جو پریش کم کی
آرزو ہے کلہ یوم کی
گو کہ تکلیف تو ہے کچھ دم کی
بات رہ جائے مریض غم کی

دو کھڑی بیٹھ کے آٹھ جائیے گا

جب پسند آنے کا اچھا کہنا
 تنگ سمجھو گے یہ بے جا کہنا
 رد نہ ہو گا کبھی میرا کہنا
 پڑھ گئے ربط تو پھر کیا کہنا

لاکھ بار آئیے کا جائیے کا
 مثل خوں کرچہ نہ بہہ کے نکلی
 پھر بہت رنج یہ سہہ کے نکلی
 چند دن تن میں جو رہ کے نکلی
 روح قالب سے یہ کہہ کے نکلی

دل کسی اور سے بہلائیے گا
 خون کس کس کا کرے گی نہ یہ آنکھ
 کیا مری جان کو لے گی نہ یہ آنکھ
 رنج کیوں کر مجھے دے گی نہ یہ آنکھ
 بیٹھ موڑی تو رہے گی نہ یہ آنکھ

ایک کروٹ میں بدل جائیے گا
 یہ نسیم آپ کا حیراں ہے یہ
 دین ہے یہ تو نہ ایمان ہے یہ
 دشمن جان و جگر ہاں ہے یہ
 اے خلیل انبی پیچاں ہے یہ

زلف کو جھو کے خطا پائیے گا

ایضاً

حکم ہو چھیں گے تو فرمائیے گا
 آج چکھ کوئی دے جائیے گا
 رنگ اب اور ہی کچھ لائیے گا
 کھیل میں جان پہ کھلوائیے گا
 ہم کو شمشیر سے سر آئیے گا
 سوزش غم سے شرر دل پر ہیں
 ڈھیلے آنکھوں کے نہیں انکڑ ہیں
 خشک لب تفتہ جگر مضطر ہیں
 نشہ آب دم خنجر ہیں
 تھوڑا ہانی ہمیں پلوائیے گا
 پوچھتا کیوں نہ پھروں میں ہر سو
 کہ نہیں عقل کو مانتا پہلو
 سخت حیراں ہوں یہ کیا ہے جادو
 تیغ بن جاتے ہیں کیوں کر ابرو
 لاگ کچھ اس کی بتا جائیے گا
 لو وہ دل کو مرے بہلاتے ہیں
 باتیں تسکین کی کہہ جاتے ہیں
 جب عیادت کو مری آتے ہیں
 نزع میں دیکھ کے فرماتے ہیں
 ہم جلا لیں گے جو مر جائیے گا

آتش شوق سے بھنتے ہیں جو آپ
 سر کو اس طور سے دھنتے ہیں جو آپ
 اب کسی کی نہیں سنتے ہیں جو آپ
 تنکے سر کوچے کے چتے ہیں جو آپ

جھاؤنی حضرت دل چھاننے کا

ڈھنگ دیکھو تو بت ہنظن کے
 شغل یاد آئے ہیں اب بچپن کے
 ہیں جو استاد وہ اپنے فن کے
 وصل میں کہتے ہیں بھولے بن کے

کس طرح ہجر میں مرجائے گا

کیا ڈرے گوسِ انفاس سے آپ
 مٹ گئے دور جو یوں پاس سے آپ
 کس لیے دیکھتے ہیں پاس سے آپ
 ہم بھی دل لائے ہیں وسواس سے آپ

مال مردے کا نہ ٹھہرائے گا

کشش عشق بلا لے گی آپ
 دل کی تاثیر بٹھا لے گی آپ
 بے کسی حال دکھا لے گی آپ
 جان کئی میری منا لے گی آپ

دم خفا ہوگا تو ڈر جائے گا

عمر گذری کہ ہریشان ہے حال
 لب نہیں واقف تکلیف سوال
 کب تک آنے کا نہ اے دوست خیال
 منتظر بیٹھے ہیں مشتاق جہاں

حشر کے روز تو بلوائے گا

چہکے بیٹھے ہوئے دیکھا کیجیے
 قصد ایسا تو نہ اصلاً کیجیے
 آپ اتنا مرا کہنا کیجیے
 لب شیریں سے نہ زندا کیجیے
 آج فرہاد سے لڑوائیے گا

اشک خوں آٹھ پھر بہتے ہیں
 صبر کرتے ہیں ستم سمٹتے ہیں
 نہ سمجھنا کہ یہ چپ رہتے ہیں
 دھن زخم بھی کچھ کہتے ہیں
 کان منہ ہاس ذرا لائیے گا

رنگ اب اور طبیعت لائی
 آگ غیروں نے بہت بھڑکائی
 میں بھی تدبیر میں ہوں سودائی
 دولت وصل اگر ہاتھ آئی
 میری قسمت کی قسم کھائیے گا

شام کا وقت ہے اور کیف شباب
 چھائی ہے آنکھ میں کچھ مستی خواب
 غور لازم ہے بس اس وقت جناب
 دے نہ تکلیف خط جام شراب
 بال ہانی میں نہ پی جائیے گا

دست فیاض کہیں رکنا ہے
 مانگیے حوصلہ ہاں جتنا ہے
 رات دن باب عنایت وا ہے
 آس کی درگاہ میں کمتی کیا ہے
 جو طلب کیجیے گا ہائیے گا

اور انسانہ کہوں آپ سے کیا
 اک نیا قصہ ہے منجے تو ذرا
 صبح تک شب کو رہا یہ جھگڑا
 چشم تر نے دل سوزاں سے کہا
 ہم برس لیں گے تو گرمائیے گا

کون کہتا ہے کہ گھر رہیے آپ
 ہاں وہیں آٹھ پہر رہیے آپ
 بلکہ بے خوف و خطر رہیے آپ
 غیر سے شیر و شکر رہیے آپ
 ایک دن اس کا سزا پائیے گا

کیوں جی تقصیر ہوئی کیا ایسی
 جو شب و روز نظر سے ترچھی
 صاف کہیے کہ یہی اب ٹھہری
 ترک کیجئے گا سکونت دل کی
 اپنے گھر میں نہ کبھی آئیے گا

اے نسیم اب تجھے فرصت ہے قلیل
 لا کوئی ختم مضامین کی دلیل
 بس کہ ہیں آپ طرح دار جمیل
 کس عنایت سے وہ کہتے ہیں خلیل
 شام کو آج ضرور آئیے گا

ایضاً

کچھ خبر دیتی ہے فریاد عنادل باغ میں
 کوئی بھولے گا شگوفہ آج اے دل باغ میں
 موت کا سامان ہے یہ رنگ محفل باغ میں
 زعفرانی پہنے ہے جوڑا وہ قائل باغ میں
 ہنس رہے ہیں کلی بہ رنگ زخم بسمل باغ میں
 دیکھ الفت کے اثر چل تو بھی اے دل باغ میں
 یہ سماش یاد رکھنے کے ہے قابل باغ میں
 نام عاشق اس سے ہوتا تھا جو حاصل باغ میں
 آ کے فرماتا ہے وہ لیلیٰ شائل باغ میں
 بید مجنوں کے تلے ٹھہراؤ عمل باغ میں
 خوب گلگشتیں ہوئیں جام مئے احمر ہے
 تا زمان ہوش جو جو کچھ ارادے تھے کہے
 اے صبا! خود رفتگی میں روئے گل کہا دیکھ ہے
 چاہے سیر چمن رنگیں مزاجوں کے لیے
 ہم سے دیوانے ہیں کب جانے کے قابل باغ میں
 کچھ دنوں ہے سر بلندی پھر وہی افتادگی
 اپنے اپنے وقت پر ہوشے کو ہوتا ہے یہی
 فحل عریاں ، منتشر ہے بھول کی ہر ہنکھڑی
 آمد باد خزاں کیا ہی قیامت خیز تھی
 شور محشر بن گئی آہ عنادل باغ میں

کیا خداوند ازل نے حسن کو بخشا فروغ
 جلوہ گرہوتے ہی اُس کے ، شمع ناکل تھا فروغ
 خود نمائی پر جو آیا روئے روشن کا فروغ
 برتو رخسار جاناں سے بڑھا ایسا فروغ
 چاندنی کو ڈھونڈتا ہے ماہ کامل باغ میں
 اس قدر طوفان امڈا سب شناور ڈر گئے
 باغبان ، صیاد ، گلچیں غرق ہو ہو سر گئے
 حوصلے دریا دلی کے قہر بہا کر گئے
 بحر اشک ہلبل گریاں سے جل تھل بھر گئے
 خاک دیکھیں شاعر گل لطف ساحل باغ میں
 لا کہ بھولوں سے زیادہ ہیں ہمارے دل کے داغ
 دیکھتا ہے جب کبھی ہوتا ہے وہ گل باغ باغ
 میرے باعث منت گلچیں سے ہے اُس کو فراغ
 میر گلشن سے شگفتہ ہوگا کیا وہ خوش دماغ
 بوئے گل ہے مثل دود شمع محفل باغ میں
 دور سے تسلیم ان کو ، جو بنائیں دن کو رات
 صدقے اُس پر جائے اے دل جو کہہ دے دل کی بات
 کیا بجا فرماتے ہیں نواب والا خوش صفات
 جانب سر کب سبک روحوں کو کب ہے التفات
 لیلیٰ نکہت نہیں محتاج محفل باغ میں
 تازگی پر ہے جو دور مشق تعلیم کہیں
 ہے دم نظارہ افسوں خیز لطف انجمن
 یادگار سامری آنا ہے کون استاد فن
 بتے ہیں جادو کے پتلے نوجوانان چمن
 باغبان دبتا ہے آب چاہ بابل باغ میں

ہے پانی تھوڑے سے عرصے میں ہوا ایسی چلے
 کوئی پتوں کو سمیٹے کوئی غنچوں کو ملے
 یہ مصیبت وہ نہیں اے دل جو ٹالے سے ٹلے
 دیکھتے کیا رنگ لائیں گل خزاں کے ولولے

آج مرغان چمن بیٹھے ہیں غافل باغ میں
 کیا بتائیں حال دل اپنا تجھے اے چارہ گر
 جو گذرتی ہے ، گذرتی ہے نہ ہوجھ اس کی خبر
 کرتے ہیں برہم ڈرا کر جوش الفت کے اثر
 یاد آتی ہے وہ کاکل زلف سنبل دیکھ کر
 سر پہ اک کالی ہلا ہوتی ہے نازل باغ میں

آ رہی ہیں آج غنچوں کی صدائیں بے شمار
 ہے کہیں ”ہنچم“ کہیں اے دل ”کھرج“ کا ہے اتار
 گن رہے ہیں ساعتیں مرغان گلشن ہار ہار
 کیا نواے خار کن آ کر الپے گی بہار
 بن گئے برگ شجر رشک جلاجل باغ میں
 آتی ہے فصل بہاری کھائے ہیں لالے نے گل
 ہیں گلاب ہوش غنچے سرخ ہے پیالوں میں ’مل
 ہن کہ ہے رنگیں مزاجی کا ہراک رعنا کی گل
 مل کے ہاتھوں میں حنا کہتا ہے شوخی سے وہ گل

ہنچہ مرجاں کا ہے اثبات مشکل باغ میں
 صبر کرنے کی نہیں باقی ہے اب تو دل میں جاے
 کیجیے ہمت بلا سے آگے جو قسمت دکھائے
 نصف شب کے بعد ہر بے دار کو جب نیند آے
 لے اڑیں ہم شاہد گلشن کو گلچیں خار کھائے
 عندلیبوں نے یہ باہم کی ہے کونسل باغ میں

واقعی ہے یہ مثل اکثر ہوا ہے امتحان
 خوف حاکم سے عدو ہوتے ہیں ڈر کر مہربان
 جو غلط یہ بات سمجھے دیکھ لے آ کے یہاں
 عنذلیب و گل کی بھی مشاطہ ہے ہاد خزان
 ہے جو ملک حسن کا وہ شاہ عادل باغ میں
 بعد مدت دیکھ کے آباد دولت گاہ حسن
 صدقے ہونے کے لیے آئے ترقی خواہ حسن
 ہو گئی تھی چاندنی فرش فروغ ماہ حسن
 سیر کو آیا جو گلشن کی طرف وہ ماہ حسن
 بن گئی شاخ گل تر دست سائل باغ میں
 اے نسیم اب دولت مضمون ہے سینے میں قلیل
 عرض کر نواب سے اے ملک خوبی کے جمیل
 آتش غم مثل ابراہیم گل ہو بے دلیل
 وصل آس رشک چمن کا گر میسر ہو ”خلیل“
 آرزو اک عمر کی ہو جائے حاصل باغ میں
 آفتاب چرخ عظمت ہوں کہاں میرا نظیر
 ڈھونڈنا ہوں جا بہ جا مل جائے کوئی دست گیر
 دیکھ چشم غور سے اے ہمدرد روشن ضمیر
 حسن ایات ”وزیر“ و ربط مصراع فقیر
 کیوں نہ ہو ایسی غزل پڑھنے کے قابل باغ میں

رباعیات

رباعی

تن آتشِ خم سے ، بے جلائے نہ رہوں
 سینے کو کیا بے بنائے نہ رہوں
 وہ لذتِ عشق میں نے چکھی ہے نسیم
 سو دل ہوں تو یار بے لگائے نہ رہوں

ایضاً

انسان کا جو کذب پر شعار آتا ہے
 خاطر پہ ہر ایک کی غبار آتا ہے
 پر وعدہ یار کچھ عجب شے ہے نسیم
 گر جھوٹ بھی ہو تو اعتبار آتا ہے

قصائد

(۱)

قصیدہ در مدح حضرت ابوالمنصور ناصر الدین ، سکندر
جہ ، قیصر زمان ، سلطان عالم ، مجدد واجد علی شاہ
خلد اللہ ملکہ

بیرہن میں ہے مرا شاہد مضمون پہاں
دائرہ مثل گریباں ہے تو کاغذ داماں
ربط لفظی نے نیا قاعدہ دکھلایا آج
دھن حرف سے پیوند ہے خامے کی زباں
نظر آتا ہے ورق ، ناصیہ معشوق
ویزش کلک سے نقطوں نے چنی کیا انشاں
ہر کشش میں ہے ہلال خم ابرو پیدا
ختم و آغاز کی نوکیں ہیں بہ شکل مڑگان
سرخ ہیں تاب مضامین سے جو نقطے تھے سیاہ
شعلہ فکر سے ایسا ہے قلم گل انشاں
طبع کو طاعت مضمون نہ ہو کیونکر حاصل
صاحب خانہ ہے پایند مزاج مہاں
کیوں نہ ہو غرق ندابت سخن ہر مہمل
جوشش فکر سے معنی کے ، اٹھے ہیں طوفاں
فہم حساد ، نہیں رمز سے میری آگہ
دھن زخم کو حاصل ہے کہاں لطف زباں
اتحاد رمل و خبن سے لکھتا ہے قلم
فاعلاتن ، فعاتن ، فعاتن ، فعاتن

صدرؑ نے صورت اوج فلکی دکھلائی
 حشوؑ مثل کمر شاعرِ مطلب ہے نہاں
 چشمہٴ مہر تجلی سے ہوا عین عروضؑ
 ابتداؑ نیر اعظم کی طرح ہے تاباں
 ضربؑ نے قسمت مقصد سے وہ رتبہ پایا
 کہ گہر رہز ہوئے اہل سخن کے داماں
 منتقصؑ ، وافی و مالوف و صحیح و مجزو
 سب میں ہیں بندشِ قبیحیل معقد کے نشان
 سات ہیں بندشِ ابیات کی شکلیں لاریب
 نکتہ ور دل میں سمجھ لیں گے اشارات نہاں
 منقسم ضربؑ تہجی ہے برائے ترکیب
 حرف سے لفظ بنے لفظ سے معنی ہوں عیاں
 صورت شعر میں بتیس طرح کے ہیں رنگ
 علم استاد سے آگاہ نہیں ہر نادان
 چند اعداد افاعیل کو کہتے ہیں عروض
 ان کے پڑھ لینے سے شاعر نہیں ہوتا انسان
 جہلانے جو پڑھی کوئی کتاب اس فن کی
 بن گئے بے خاش فکر وہ استادِ زمان
 کہتے بھرنے ہیں یہ کیا بھر ہے اور دائرہ کیا
 دیکھو ہم نے بھی طبیعت سے نکالے اوزان
 دیکھ سینی کے رسالے کو بنے خود سینی
 ہیں تو بے قاعدہ لیکن وہ ہوئے قاعدہ دان
 لفظ تحقیقؑ نہ تحقیقؑ سمجھتے ہیں کچھ
 خرمؑ اور خزمؑ کی تحقیق میں اکثر حیران

صفت قافیہ میں ذکر اگر آجائے
 ہو چھیں اقسام روی " کے تو نہ ثابت ہوں نشان
 ہو جو ترکیب مضافی کی ضرورت واقع
 صورت آئندہ رہ جائیں سراپا حیران
 ہو چھے گر کوئی تو ارشاد ہو یہ از رہ طعن
 فارسی گو نہیں ، اردو کے ہیں ہم قاعدہ دان
 کسی استاد کا دیوان اگر کوئی پڑھے
 ایک بھی بیت کے معنی نہ ادا ہوں یکساں
 کہتے ہیں عرفی و فردوسی و خاقانی کو
 جل گئی روح تک آن کی ، وہ کہے شعر تہاں
 صدقے آن ہر جو نہیں علم سخن سے آگاہ
 خوش بہت ہوتے ہیں کہیں اگر استاد زمان
 اے خدا کیا ہوئے استاد سخن ہم افسوس
 کیسے بہ خوبی اعمال سے دیکھے انسان
 وہ عروضی نہیں جو فعل و فعولن جانے
 ہو چھے مجھ سے تو بتاؤں تجھے کچھ اس کے نشان
 پہلے تفہیل کہ آغاز ہے اس پر موقوف
 جس کو علامہ طوسی نے کیا زیب بیاں
 اس کے اقسام ہیں نو ، حضرت عرفی نے لکھا
 شک نہیں اس میں کسی طرح سمجھ رکھا ہے جان
 شعر بھی تین ہیں مضمونی و حالی ، کیفی
 ان کے اجماع سے ایات میں آئے نقصان
 بھر ہے میزان معانی کہ تلے ہر مضمون
 بیت مطلب میں برابر ، نہ ہوئے اس کے ہاں

جب ملی ان سے فراغت تو بڑے جھکڑا اور
 پاک ہوں جملہ باہم سے زوائد پنہاں
 دیکھ ہے مفرد اصلی سے مرکب کہا کیا
 ثننیہ جمع ہو ہر واحد ذائق میں کہاں
 فائدہ کیا تجھے اس ہرزہ خیالی سے نسیم
 بے تعلق صفت شعلہ رہے لال زبان
 عاشق آل نبی تو ہے ، نہیں شک ہرگز
 جو خلاف اس کے سچھتا ہو وہ خود ہے نادان
 حرف ملفوظ شہادت کے لیے کافی ہیں
 دیکھ کس پردے میں ہوتا ہے عقیدت کا بیان
 غور الف بے میں جو کی پنج تن پاک ملے
 ایک سے دو ہوئے اور دو سے ہوئے پانچ عیاں
 ہڈ کر ، کچھ ”در“ شہوار اگر رکھتا ہے
 قنرداں دہر سے پھیلائے ہوئے ہیں داماں
 قصہ صادق میں نہ کر دہر کہ فرصت معلوم
 حوصلہ دل سے نکل جائے بہ شکل ارماں

مطلع (ثانی)

ربط رکھتی ہے جو تخیل مجسم سے زبان
 نظر آتے ہیں دم فکر ہزاروں سامان
 نو عروسی کے مزے چستی ”بندش“ میں دیکھ
 لفظ بھی میرے مضامین کی طرح ہیں نازاں
 فکر دوشیزہ سے مضمون نے سمیٹا دامن
 صورت خامہ قدرت ہے سری پاک زبان

لوٹ رکھتا نہیں داسان نظر کی مانند
 مے تعلق صفت روح پریدہ ہے یہاں
 اے قلم ناصیہ سا میری طرح ہو تو بھی
 جائے تسلیم ہے ، گردن کو جھکا جلد یہاں
 اے سخن وقت ادب ہے نہ نکلنا گستاخ
 اے دھن چشمہ خورشید میں دھوا اپنی زبان
 رحم اے چرخ ستم پیشہ ، نہ دے ہوں تکلیف
 تا کجا صورت آئینہ رہوں میں حیراں
 زلف جانان کی طرح روز پریشانی ہے
 سر چڑھا کر مجھے پامال نہ کر او نادان
 کمر یار نہیں ہوں جو کیا ہے معدوم
 نہ دھن ہوں کہ نظر سے مجھے رکھتا ہے نہاں
 دوست بن جا کوئی لحظہ کہ لکھوں چند اشعار
 دیر سے پیش نظر ہے مرے مدح سلطان
 آفتاب شرف افزا ہے جلال و تمکین
 جان عالم ، شہ گردوں حشم و عرش مکان
 ہر دھن بھر دعا ہوں ہے کشادہ شب و روز
 جس طرح دیدہ عاشق بہ امید جانان
 شوق ہابوس میں ہر دل ہے یہاں ٹک بیتاب
 آگئی جسم بشر میں صفت برق تباں
 شہرت لطف نے رفعت وہ ہوس کو بخشی
 قدسیوں کو ہے یہ حسرت نہ ہوئے ہم انسان
 ابر رحمت کی طرح ریزش ہم ہم ہر وقت
 نیک و بد پر ہے شب و روز برابر احسان

حوصلہ چہرے کیا وہم سے بخشش افزوں
 قفل ہو جاتے ہیں اظہار طلب میں دندان
 وہ سخی این سخی ہے کہ صلہ جب بخشا
 شعرا کے درِ غلطان سے بھرے درجِ دہان
 ریش سیم نے اختر کی چمک پیدا کی
 ہم سر چرخ نظر میں ہے زمیں کا دامن
 کوئی شاکی نہیں اس دور میں لیکن عسرت
 کہ ہوئی جود سے اس کی کمر معشوقان
 رنگ غم چہرہ عاشق سے نہیں ہم صحبت
 رنج افلاس ہے تنگی سے حسینوں کا دہان
 کون ہنگام سخا اس کا تہی دست رہا
 مٹھی باندھے ہوئے ہے گود میں طفل نادان
 خبر جود نہ اس ہاتھ کی اُس ہاتھ کو ہو
 جس طرح اپنی نظر آنکھ سے اپنی پنہاں
 لب و رخسار حسینوں کے ہوئے بے رونق
 بوسہ زر میں ہیں مصروف جہاں تک انسان
 بارش سیم نے کی وقت سخا دھوپ سفید
 چاند کا ہوتا ہے غورشید کے چہرے پہ گان
 آگیا تھا وہ جو اک نقطہ تہ جود اس کے
 سر پر اپنے اسے زر لے کے ہوا ہے نازاں
 کون ایسا ہے جسے حق نمک سے ہے فراغ
 جسم کیا حلقہ بگوشی میں ہیں لاکھوں دل و جان
 جا بجا جوش کرم سے یہ زر اندوزی ہے
 ریش زاہد دم شانہ ہوئی مٹیش افشاں

اثر فیض یہ ہے طفل کے منہ میں جا کر
 صورت سیم جا قطرۂ شیر ہستان
 اس قدر بخشش پیہم سے ہوا ہے شہرہ
 منہ چھپانے لگا افسانۂ حسن خویاں
 اب تو دیوانے بھی کھاتے ہیں گہر کی چوٹیں
 رکھتی ہے در ، عوض سنگ ، کنار طفلان
 عشق کی جا دل عاشق میں ہے استغنا
 کام آتا نہیں انسون نگاہ خویاں
 جس طرف جائیں ملاقات کو زر ہو حاصل
 صورت طعنۂ معشوق ہے دولت ارزاں
 سیر چشمی کا یہ عالم ہے بہا میں بخشش و جود
 ہر گھڑی آنکھ ہے آئینۂ زانو نگراں
 وہ جری ہے کہ ہادر کے لیے نام اس کا
 باعث قوت دل ، موجب آسائش جان
 غیظ آمیز جو کوئی ٹکہ گرم پڑے
 آب ہو جائیں بدن پر زرہ و خود گراں
 تیز دستی سے ہزاروں صف اعدا لوٹیں
 آنے پائی نہ دھن تک کبھی فریاد اماں
 وہ فراق ابدی ہو جو تہ تیغ آئے
 حشر میں بھی نہ ملے روح کو جسم انسان
 جسم سے پائے فراغت تو رہے اس میں قید
 روح کو حلقۂ جوہر ہو کنار زنداں
 چین آجائے جبین پر تو رہے تا دم مرگ
 بید مجنوں کی طرح قامت دشمن لوزاں

بارش تیر عدو کے لیے زینت بنشے
 چشم پر زخم کی ہو جائے مڑہ ہر پیکان
 صورت برق نہ ثابت ہو کبھی سرعت تیغ
 کیا تھی، آئی تھی کدھر سے، یہ کہاں ہے پنہان
 شوکتیں چہرہ روشن میں وہ دیں خالق نے
 حسن کے رعب سے خورشید منور لرزان
 جلوۂ یوسف مصری ہے جبین کو حاصل
 لکھنؤ پر ہمیں ہوتا ہے گمان کنعان
 اے نسیم جگر انکار نہ ہو سمع خراش
 لکھ کچھ اشعار دعا، روک لے خامے کی زبان
 اے خدا تاکہ رہیں شمس و قمر میں انوار
 اے خدا تاکہ رہے ہستی جن و انسان
 عمر و اقبال ترقی میں رہیں ہر لحظہ !
 بہ طفیل نبی و حضرت شاہ مردان !
 سایہ پنج تن پاک سے راحت ہو نصیب !
 نہ رہے دل میں کسی طرح کا باقی ارمان !
 اقربا ، خویش ، جگر بند ، احبا باہم !
 صورت غنچہ و گل سب رہیں شادان خندان !

(۲)

قصیدہ در مدح واجد علی شاہ

ہر ترتیب سخن دو حرف بھی ممکن کہاں
 لفظ کی ترکیب کو محتاج ہے حسن بیان

مسکے سے مال کو بے نقطہ لکھتا ہے قلم
 شرم عریانی سے لفظوں میں معافی میں نہاں
 جسم کاغذ دامن الفاظ سے چھپتا نہیں
 ضعف کاتب سے قلم کی نوک میں جنبش کہاں
 تن سے روحیں آنکھ سے نیندیں کنارہ کش ہوئیں
 قصر خالی دیکھ کر ہیں جسم لائقوں کے مکاں
 مفاسی سے فرقت محبوب بے رونق ہوئی
 وقت رخصت اشک سے خالی ہے چشم عاشقان
 وقت شب اوراق گلشن ہاتھ پھیلانے رہے
 اشتہا سے ہو گئی شبم غذا سے آہاں
 جبر گردوں نے کشید دولت اصلی جو کی
 شعلہ خورشید تاباں میں نہیں باقی دھواں
 قالب مضمون دھن میں آ کے ہوتے ہیں خمیر
 بھوک کی ناطقتی سے ہل نہیں سکتی زباں
 مجلسوں میں کوئی دامن تر نظر آتا نہیں
 ابر مسک ہے سحاب دیدہ ہر لوحہ خوان
 بے خزاں بھی خشک ہے ہر برگ و شاخ و نخل و گل
 شرح کے قابل نہیں احسان بخل آہاں
 تابش حسن بتاں میں گرمیاں باقی نہیں
 سرد ہے سوز محبت ، دل نہیں دہتا دھواں
 فکر شاعر سے جو بدلی صورت دور رمل
 ”ضرب“ آخر میں ہوا ہر فاعلاتن فاعلان
 ہنس نسیم خسرو ملک سخن خامے کو روک؟
 اور صورت پر دکھا اب حسن مضمون جوان

ربطِ ہفت اقسام بندش اور نہ تخیل صاف
 تابشیں دیتا ہے مثلِ مہرِ وقتِ استحاج
 وزنِ میزانِ معانی میں ہیں مصرعے ہم جہاں
 وقف ہے حسنِ سخن مانندِ جودِ قدرِ داں
 صدرِ مطلعِ رکنِ حشوی ابتداِ ضرب و عروض
 قید ہیں میزانِ لفظی میں اگر ڈھونڈھو نشان
 قالبِ ترکیبِ لفظی میں نہیں دخلِ فضول
 ذہن میں آتا نہیں بھولے سے حرفِ رائگان
 کیا کوئی سمجھے گا یہ رمزِ سخن کچھ اور ہے
 ہاں وہی سمجھے تو سمجھے ہیں ہوں جس کا مدحِ خواں
 حامد و نائفہم و جاہل سے نہیں امیدِ داد
 ذرہ ناچیز کیا جانے کہاں آہاں
 لا 'درِ شہوارِ مضمون ہڈی کر جلد اے خیال
 تا کہیں لہریز ہو آشوشِ گوشِ سامعان
 لکھ وہ مطلعِ روشنی بخشے جو مثلِ آفتاب
 جلوہ گر ہو کثرتِ انوارِ مضمون سے جہاں

مطلع (ثانی)

کس قدر مغرور کرتا ہے مرا فیضِ زباں
 خامہ ہل کرنے لگا مثلِ مزاجِ نوجوان
 کھورتی ہے زلفِ مضمونِ شکلِ انعی ہارِ ہار
 بوچھتی ہے کون دیکھے گا مرا حسنِ نہاں
 فکرِ کہتی ہے خیالِ پاکِ دامن کی قسم
 مس کرے مجھ کو تصور ، یہ بجاں اس کی کہاں

شوق کہتا ہے معاذ اللہ میں وہ چیز ہوں
 ہائے ہر مغرور میں پہاڑوں برسوں بیڑیاں
 خاطر نازک یہ کہتی ہے توقف چاہیے
 وقت نظم مدح ہو جائے گا سب کا امتحان
 مرحبا اے جوش صادق ! ہو کوئی دم آشنا
 حبذا اے شوق تو بہر خدا ہو مہربان
 مژدہ اے دل فیض استاد ازل ہے جوش پر
 ہمت اے طبع معلیٰ ہے زمان امتحان
 ہائے خامہ کہ حسن مدعا ہے جلوہ گر
 صفحہ قرطاس ہے آئینہ روئے بتان
 شوخیاں دکھلا رہی ہے فکر رنگیں کی بہار
 کثرت گل ہائے مضمون سے ہے سینہ بوستان
 نوجوانان چمن استاد ہیں چالاک و چست
 نغمہ زار ہیں نالہاے عندلیب خوش بیان
 ابر ہے الٹکھیلوں پر برق ہے بے تاب حال
 چمچے ہیں طائران خوش نوا کے ہر زمان
 ہے کہیں لطف تبسم ہیں کسی جا قہقہے
 کوئی مینا در بغل کوئی سبو پر ہاسبان
 ہے زبان زاہد صد سالہ صرف الحذر
 دیکھ کر رندوں کی باہم کیف سے میں مستیاں
 بس کہ ہے پیش نظر ہر دم یہ لطف دل فریب
 کیا عجب بے ساختہ منہ سے اگر نکلے فغان
 خاطر نازک و نور شوق سے بے تاب ہے
 کہتی ہے کچھ تو بھی کہہ دے لطف صحبت پھر کہاں

حسرتوں سے آج تو خالی کوئی دم ہو کنار
 کھول دے بند نقاب روئے معنی و بیاں
 نطق کو رخصت عطا ہو مدح ظل اللہ کی
 لئے سمنا لفظ بن کر ہوسے کام و زباں
 بھیگ کر ٹپکے لب اظہار مطلب کی امنک
 یوں دکھائے جوش مضمون بارش ابر بیاں
 اعتبار آفرینش زینت قاج و نکیں
 یادگار خسرواں واجد علی شاہ جہاں
 دل بڑھے سینے سے استقبال کو دل سے امید
 جس طرف رخسار تاباں کے نظر آئیں نشان
 گر طواف آستان میں ہو توقف ایک دم
 نکلت گلی پر پڑیں موج صبا کی تمچیاں
 بیضہ فولاد سے نکلے صدائے عندلیب
 گلشن عارض کو ہو اعجاز کا گر امتحان
 رعب شوکت سے گلستان میں زبانیں بند ہیں
 غنچہ سر ہستہ کہہ سکتا نہیں راز نہاں
 قدرت حق نے یہ جسم ظاہری پیدا کیا
 چشم عاشق بن گئیں ہر عقل کی حیرانیاں
 گر حدیث جرأت سلطان عالم میں لکھوں
 محو کردوں جہن و دارا کی ساری داستان
 جسم اعدا گر خلش دیکھے سنان تیر کی
 ہر جراحت آفریں کے واسطے کھولے دہان
 راحت خواب اجل صمصام بخشے خصم کو
 ہو ہر اک آغوش جو ہر منزل آرام جاں

ہے وہ عالی مرتبہ جس کا عروج عز و جاہ
 بوجھتا ہے چرخ عظم پر مزاج قدسیاں
 اس نمنہ پر کہ شاید آج ہو حاصل قبول
 روز اک صورت بدلتا ہے خیال آسماں
 صدقے اس ہمت کے حال بے کساں پر رات دن
 ہر دم افزائش میں ہے مانند شوق نوجوان
 اس قدر بخشے جواہر وہ کہ جس کی شرم سے
 پھینک دے دامن سے الہاس کو اکب آسماں
 قطرہ شبنم گہر کی آبرو پیدا کرے
 صبح دم دیکھے اگر لطف بہار بوستان
 رو سیاہی کلفتوں کی یک قلم جاتی رہی
 دھو دبا ابر کرم نے دفتر رنج جہاں
 حکم سے ہر سینہ صد چاک ہوتا ہے رفو
 زخم بھر دیتے ہیں شانوں کے بھی گیسوے بتاں
 قصہ شرح 'خلق' والا ہے جو منظور مزاج
 ہوسہ گاہ خامہ ہیں میرے سخن کی شوخیاں
 لطف باہوس اس قدر حاصل ہوا ہے عمر کو
 جسم سے روخیں بھی کر سکتی نہیں نقل مکان
 جھکتے جھکتے آرزوئیں سر بہ دامن ہو گئیں
 ہار احسان محبت سے سبک دوشی کہاں
 قدرت حق نے نہیں پیدا کیا اس کا شریک
 جس طرح سے آہ عاشق ہے خدنگ بے کہاں
 میں بھی ہوں اسیدوار اے شاہ والا مرتبہ
 جوش ہمت گر اجازت دے تو کچھ ہو مہربان

خواہش ہایوس ہے ایسی کہ مثل روزگار
 گو کہ ہوں یکجا مگر گردش میں ہیں شوق و گہاں
 کیوں نہ صدقے ہوں ہجوم آرزو کے ہر گھڑی
 سامنے آنکھوں کے ہے تصویر سلطان جہاں
 دید ہے چشم تصور سے جہاں پاک کی
 یک رہا ہوں بے خودی میں صورت دیوانگان
 تنگ آیا ہوں نہایت خاطر مشتاق سے
 ہر گھڑی کہتی ہے چل ہر وقت سمجھاتی ہے ہاں
 میں گدھے بے نوا ہوں شاہ خاقان زمن
 چشم ظاہر سے جو دیکھوں ایسی قسمت ہے کہاں
 دل میں رکھتا ہوں جو تسلیم جدا کی آرزو
 حرف بن جاتا ہے تنہا ہو کے ہر لفظ زباں
 چاہتا ہوں سرفرازی جلد ہو حاصل مجھے
 تنگ ہے سامان فرصت اے شہنشاہ جہاں
 اے نسیم دہلوی بس لکھ کچھ اشعار دعا
 تا دکھائے شکل انجام سخن حسن بیان
 یا الہی فرش ہے جب تک زمیں ہالے آب
 یا الہی بے ستوں جب تک ہے سقف آساں
 دوست شاداں ، مدعی برہم رہیں مانند زلف
 نقش بند کاف و نون حاسی رہے ہر ہر زمان

قصیدہ در مدح نواب شرف الدولہ مظفر الملک
محمد ابراہیم خان بہادر مستقیم جنگ دام اقبالہ

کیوں نہ گزانش مضمون میں نظر آئے خلل
مختصر جیب ابد تنگ ہے دایمان ازل
فکر دوشیزہ سے ہوں شاعر پاکیزہ مزاج
وہ زمیں چاہیے مجھ کو جو نہ ہو مستعمل
جز خدا کس کو سرا طول سخن ہے معلوم
قصہ آخر کونین یہاں ہے اول
گر می عارض مضمون سے عرق رہز ہے طبع
آتش شوق کے شعلوں سے ہے سینہ منقل
قصد کے ہوتے ہیں در پردہ جو کچھ کچھ ایما
ضبط اور نطق میں ہوتی ہے ہم رد و بدل
آرزو کہتی ہے کیا آپ ہوئے زاہد خشک
کہ پڑے جودت خاطر میں ہزاروں ہی خلل
طعنے دیتی ہے تمنا کہ مبارک باشد
اب تو واعظ سے زیادہ ہیں جیبیں میں کچھ بل
حوصلے کہتے ہیں اس بے ادبی سے گزرو
کہہ دو ناصح سے کہ جا بزم محبت سے نکل
لا جرم مرضی احباب مناسب سمجھا
طبع کو میل ہوا جانب تمہید غزل
اتنے میں آئے مضامین قصائد نے کہا
صورت وعدہ دیروز گئے آج بدل

ناگہاں خاطر افسردہ میں اک جوش آیا
 کھول دی نشتر مضمون نے سخن کی اکحل
 لیے آڑی باد صبا نکلت گیسوے خیال
 آگئے سجدۂ تسلیم میں غنچوں کے محل
 جلوۂ نیر افکار فلک پر پہنچا
 رات بھر چشم کو اکب سے رہی رد و بدل
 کس قدر نالہ موزوں کے ہوئے استقبال
 ہر طرف خیل ملک آئے ہوئے دست و بغل
 مدتوں دور تصدیق سے نہ ہائی فرصت
 ساکنان فلکی بھول گئے حسنِ عمل
 طول آغاز سے انجام تھا آشفہ مزاج
 مختصر کی گئی مہمہ کلامِ اول
 ٹھہر او خامہ کہ اب ہے دم نکایف سخن
 نکر صافی سے ہوا آئینہ دل صیقل
 شور ہے چار طرف فصل بہار آپہنچی
 جوشِ مستی میں ٹپکتے ہیں آئندہ کر بادل
 ناز کرتی ہوق آتی ہیں ہوائیں ٹھنڈی
 کھل رہے ہیں دل مشتاق کے سینوں میں کنول
 عکسِ سبزے کا جو ہے چرخ کے آئینے میں
 سبز ہیں اطلس نیلی پہ خطوطِ جدول
 کدگداتی ہیں نگاہیں اثرِ نرمی سے
 آج کل سبزۂ نوخیز ہے خوابِ عمل
 کو چکا فیض ہوا نطقِ زباں میں تاثیر
 گہتے ہیں سبز قدمِ نحس کو ہنگامِ مثل

آج کل عالم ہستی سے جو ہوتا ہے سفر
 خضر بن کر طلب روح کو آتی ہے اجل
 اصل پر اپنی کسی کو بھی نہیں استقلال
 آگیا عالم اسباب کی ہر شے میں خلل
 بنگ ہو جاتی ہے ساغر میں آنڈلتے ہی شراب
 سبز ہو جاتی ہے سینا کی طرح سے بوتل
 کثرت ہے ادبی دیکھ کے بہکا زاہد
 آگیا جوش پہ سوداے دماغ مختل
 تنگ نظریوں کے ہوئے حوصلہ دل پہ فراخ
 خود پرستی پہ ہے آمادہ مزاج اسفل
 گرمی حسن سمنا سے یہ بھڑکے ہے آگ
 دود دل دیدہ اختر میں ہوا ہے کاجل
 واہ کیا وقت طرب خیز ہے اللہ اللہ
 کہ پذیرا کہیں ہوتی نہیں فریاد اجل
 میں حکایات جگر سوز کے باہم چرچے
 شغل واسوخت کسی جا، کہیں افسانہ نل
 کہہ دے اتنا کوئی ہلبل سے کہ ہاں ہسم اللہ
 ہم قصیدے کے پڑھیں شعروہ آیات غزل

مطلع (ثانی)

حفظ آداب میں آئے نہ کسی طرح خلل
 دیکھ او طبع رسا خوب سنبھل خوب سنبھل
 شرف الدولہ ہے نواب فلک قدر ایسا
 کہ نہیں حیز اسکاں میں کوئی آج مثل

تھے جو حیوان وہ انسان ہوئے خدمت سے
 فیضِ تعلیم سے قالب میں گئی روح بدل
 وہ شکر رہی لبِ ہے دھن شیریں میں
 ہو گیا قصد سے پہلے سخنِ قانعِ عسل
 خلق وہ خلق کہ انجامِ تصور سے زیاد
 کہے اُس کو سبقِ حضرت استادِ ازل
 ادبِ آموزِ فلاطون ہیں مضامینِ خیال
 ہر کائنات میں ارسطو کو ہے تعلیمِ عمل
 ہر سخنِ منہ سے نکلتا ہے کراست ہو کر
 کیوں نہ ہو قوتِ ادراکِ منجم میں خلل
 گر نہ آمیزشِ تجویز سے ہائیں ترقیب
 حشر تک دفترِ اقلیم رہیں سب مہمل
 راست ہر کج ہو جو آدابِ حضوری پائے
 چیں جبینوں سے نکل جائے ، سر زلف سے بل
 خوابِ راحت کے مزے دامنِ شمشیر میں ہیں
 مدعی کے لیے آغوشِ اجل ہے مقتل
 ضربتِ تیغ جو ناگہ صدا دے بیٹھے
 قبرِ دشمن سے کہے آسے آرامِ بغل
 طولِ زخمِ تنِ اعدا یہ ندامتِ بخشے
 دیدہ سوزنِ جراح میں پیدا ہو مل
 روحِ دشمن کی ہو ہستی و عدم سے مردود
 دو کشاکش میں رہی صورت او تادرِ نل
 مختصر ہے دمِ ہمت جو ارادہ ہو جائے
 طولِ محشر سے زیادہ ہو اگر طولِ امل

کور ہو دیدہ ممسک جو کرم کو دیکھے
 ریزش ہفت خزائن ہے نظر میں خردل
 شاعر ہمت پیشیں ہیں ابھی تک موجود
 سینہ چرخ بہ ہے شمس و قمر کی ہیکل
 بخشش چند نفس میں یہ ہوں اتبار بلند
 جز زر و سیم نظر آئے نہ اطراف جبل
 نگہ فیض رساں کچھ جو اشارہ کر دے
 سبز ہو جائیں تسلی کے ہزاروں جنگل
 تیزیان لاکھ کرے قوسن مضمون لیکن
 طے نہ ہو وسعت میدان کرم کا اول
 رخصت اے جوش کہ ہے اور طرف اوج خیال
 بچھ گیا فکر معلیٰ کا فلک پر دنگل
 جی میں آیا کہ نئی طرح کا مطلع پڑھے
 جس میں ترکیب مضامین ہو بہ طرز مجمل

مطلع (ثالث)

کیا ملے روئے جہاں تاب کی شاعر کو مثل
 ایک خورشید سو وہ پیش نظر ہے مشعل
 تہ و بالا بہ کرے دیدہ شہرت حسن
 چرخ اول کبھی ہفتم کبھی ہفتم اول
 نظر آ جائیں اگر مصحف رخ کے جلوے
 نہ رہے غمضہ دھر میں اضداد ملل
 طرہ فرق ہے مشکِ ختنی شرمندہ
 جلوۂ نور جبین قدرت صناع ازل

وہ اثر حق نے دیا صفحہ پیشانی میں
 درد سر کے لیے ہے جس کا تصور مندل
 دی کہاں سے کبھی نسبت کبھی سوچا میں ہلال
 راست کوئی بھی نہ پائی خم ابرو کی مثل
 نظر آئے صف مڑگاں تو صفیں ہوں برہم
 قصہ بیشتر چند ہے لیکن محمل
 آنکھ اسباب تعمیر ہے اُسے کیا کہے
 قدرت حق کا تماشا ہے ، نہ جادو نہ عمل
 شمع بینی میں ہے ایسا اثر یکتائی
 کہ دوئی لا نہ سکے جس میں نگاہ احول
 دیکھ لے عارض قاباں کے اگر کچھ جلوے
 آئہ سمجھے اُسے آئینہ زہر بغل
 فائدہ کش ہے دھن گور بہت مدت سے
 لب جان بخشش کی کس طرح نہ شاکی ہو اجل
 ہے دھن دولت شیریں سخنی سے لب ریز
 ایک کوزے میں ہے گنجائش دریائے غسل
 نام کیا صاف لکھوں ترک ادب کا ہے لحاظ
 کچھ اشاروں میں بتا دیتا ہوں میں طرز بدل
 ہے "ا" امر کا اور "ب" ہے بنائے دولت
 "ر" ہے رسم محبت ہے بہت خوب عمل
 لطیف ایجاب دعا ہے "ا" ثانی میں
 "ہ" برائے غر آموز ہے اسباب دول

ی' میں باری ہے تو ہے میم' میں مکتب کا عروج
 ہاتھ آئے جنفری کے لیے ترکمب جمل
 لکھنی تھی فیل سواری کی جو ہم کو تعریف
 تا سحر دائرہ شب میں رہا دور زحل
 گن سے لے تا دم برخیز ہوا مجمع شب
 تب کہیں قالب عموار نے پائی ہیکل
 وہ بلندی ہے جو اولچی کبھی گردن ہو جا۔
 سر کا بوسہ لے فلک پاؤں کا بوسہ دے جبل
 دیکھے ہیئت کو جو اس کی تو گھٹے اس درجہ
 بیضہ چرخ بنے آہلہ پائے نمل
 دھیان دانتوں کا جو آیا تو یہ سوجھی تشبیہ
 صبح نے منہ پہ لیا دامن شب کا آنجل
 لکھے کس طرح سے چالاکي توسن کا حال
 بیشتر عزم تصور سے کیا صاف نکل
 آرزو مند صبا ہے کہ قدم تو دیکھے
 نظر آتا نہیں وہ مثل اشارات ازل
 آس کو کیا دیکھ سکے کوٹ، جہاں طائر شوق
 ایک پرواز میں ہو ہم سفر قوت شل
 تنگ وہ جانتا ہے وسعت میدان خیال
 اول و آخر کہ نہیں ہے اک بعد اقل
 بس زیادہ نہ بڑھ او شاعر مغرور نسیم
 تو ہے خود رفتہ نہ آئے کہیں ایمان میں خلل

پڑھ کچھ اشعار دعا، ہے دم انجام کلام
 تندرستی کا ہے مشتاق خیال مختل
 اے خدا تاکہ رہیں شمس و قمر کے جلوے
 اے خدا تاکہ رہیں رات سے دن دست و بغل
 عزت و دولت و اقبال رہیں سب ہم راہ!
 شوکت و شان و تجمل میں نہ پیدا ہو خلل!
 دوستوں کے لیے جنگل میں ہو منگل ہر روز!
 دشمنوں کے لیے منگل میں ہو سونا جنگل!

(۲)

قصیدہ درمدح شرف الدولہ

شوخیان کرتی ہے کیا کیا دم دیدار نظر
 شرم کہتی ہے مجھے کی مری عصمت کیوں کر
 آرزو دینے لگی پاس ادب کو طعنے
 آپ کو حضرت تقویٰ کا مبارک ہے گھر
 جوش انفاس سے کرتا ہے خلش کی رمزیں
 شوق آمادہ فریاد ہے کھولے ہوئے سر
 ٹکٹکی ہے دل مشتاق کی یوں سوئے بہار
 جس طرح شائق آغوش عروسی شوہر
 غفلت شوق سے کیا رخ فراموشی ہے،
 سیم و زر لینے لگے بوسہ دست زرگر
 کشش حسن نے ہر چیز کو کھینچا ایسا
 کہ نہیں خاطر زامد میں خدا کا کچھ ڈر

ہوس دید میں ہر جسم سے خالی ہے لباس
 بے گلو اب نظر آتا ہے کریبان سحر
 رغبتیں گھور رہی ہیں طرف بے ادبی
 حوصلوں کی نکہہ غیظ سے لوزان ہے جگر
 مستیاں کیف سخن سے ہیں زبان میں پیدا
 بات کرنے میں سمجھنے نہیں مطلب اکثر
 بڑھ گئی ہمت گستاخی خاطر ایسی
 رند واعظ سے یہ کہتے ہیں آٹھا لا ساغر
 بارش گریہ مستانہ صدا دیتی ہے
 ایک ریش میں دو عالم کے بھگو دوں دفتر
 کروٹیں حجلہ خاطر میں بدلتے ہیں خیال
 بے قراری کے اشارے ہیں آٹھاؤ بستر
 منہ لعاب دھن ابر سے دھوق ہے زمیں
 تا پھسل جائے کسی جا نہ جمے پائے نظر
 اشک دامن میں ٹپکتے ہیں تو ہوتا ہے بقیں
 بہہ گئے بھرٹ کے چند آبلہ دہدہ تر
 ہے وہ موسم کہ ہوا گوشہ نشین ہر واعظ
 دخت رز پردہ خم سے نکل آئی باہر
 ہارسائی سفری ہے طرف عالم قدس
 توبہ رندان قدح نوش سے کرتی ہے حذر
 چھیڑتے ہیں رگ دل نشتر مضمون بلند
 رکھتی ہے فکر رسا سوئے فنا قصد سفر
 چاہتا ہوں کہ لکھوں مطلع روشن کوئی
 فکر کے گوش مضامین میں پنہا دوں گوہر

مطلع (ثانی)

حسن وہ دیکھ سکے ، ہے یہ کہاں تاب نظر
نور پروردۂ عارض ہیں ترے شمس و قمر
اے جناب شرف الدولہ! وزیر ذی جاہ
جان و دل میرے فدا کیوں نہ رہیں شام و سحر
وہ کرم جس کے تصور میں نہیں گنجائش

دامن و حبيب ہیں ہر فرد کے لب ربز گہر
صدقے اس چشم حیا خیز کے اللہ اللہ
گنہریاں شرم کی غنچوں نے کسیں چھپ چھپ کر
واہ رے لطف کہ دشمن کے لیے مہمانی
دب گئی ہمت بدخواہ تہ بارش زر
رفت قصر کے جلوے کو نہ پہنچے ہر دم
بہر پرواز تصور کے جو پیدا ہوں ہر
ایک ساعت جو مقابل ہو تو بہر محشر تک
محو مسمال رہے آئینہ اسکندر

گرمی حکم سے ٹھنڈے ہوں جلانے والے
اوڑھ لیں دامن خاکی کی ردائیں اخگر
حد اوصاف یاں ہو نہ سکیں ، گو ہر دم
فکر شاعر کی بدلتی رہے لاکھوں پیکر
’خلق وہ‘ خلق کہ تسخیر میں عالم کے دل
کوئی جاں حلقہ بہ گوش سے نہیں ہے باہر
نہم وہ سرسبز صانع کی سمجھ لے باتیں
مطلب اس سے ہے جو منظور خداے اکبر

مس کریں اس رخ روشن کی اگر نظارے
 رشک سے قلب ہو سیاب کی صورت مضطر
 ہو میسر اگر اس چہرہ روشن کی ضیا
 روح آجائے لبوں پر ہئے تعظیم نظر
 آرزو مند تصدق کو یہ ہو بے تابی
 دل بفل سے نکل آئے ، کبھی سینے سے جگر
 دیکھ آتا ہے جو اس لوح جبین کے انوار
 دل یہ کہتا ہے تصور سے ٹھہر جا دم بھر
 ہے وہ مقبول اگر اس کی ثنا کچھ لکھیں
 ابر رحمت سے دھلیں جرم و گنہ کے دفتر
 نام آجائے زباں پر تو یہ بخشے تاثیر
 دیکھ لیں صورت اصلی کو مزاج اہتر
 یہ شرف عرض یمنہ کو وہاں ہو حاصل
 مدعا سر کو جھکا دے ہئے تسلیم آ کر
 ہمت ایسی کہ اجازت ہے یہ ہر سائل کو
 مانگو اتنا کہ جو ہو وہم و گمان سے باہر
 جرأت ایسی کہ نہیں خلق ہوئی جس کی پناہ
 پیش تر قصد سے دشمن کے نہ ہو تن پر سر
 دیکھ کر چشم غضب ، ناف عدو چھپ جائے
 کثرت خوف سے ہو ترخ سمٹ کر خنجر
 الغرض وصف سراپا ہیں تصور سے زیاد
 اب نہیں عالم ایجاد میں اس کا عسر
 لکھیے اشعار دعا ، وقت دعا ہے یہ نسیم
 مختصر کیجیے اظہار سخن کا دفتر

اے خدا! تاکہ رہے مدح سرائی کا رواج
 اے خدا! تاکہ رہے فن و علم و ہنر
 ہر زبان محو ثنا خوانی بمدوح رہے!
 نام سے آس کے ہو عالم میں سخن نام آورا!

(۵)

قصہ در مدح شرف الدولہ

برشتگی ہے نگہ میں یہ گرم ہے جوین
 فروغ عارض گل ہے فتیلہ روشن
 بہت دنوں میں قدم رنجگی بہار نے کی
 کہ ہر طرف ہے گل افشاں زہانہ کلخن
 حجاب دید سے ہوتے ہیں منعقد غنچے
 دکھا رہی ہے مزے نو عروسی گلشن
 گھرا ہوا ہے جو ایر بہار صورت شام
 جبین شاخ بہ گل کی کنول ہوئے روشن
 نہال جھوم رہے ہیں وفور مستی میں
 ہوائے سرد کا ہر سمت گرم ہے توسن
 بڑے ہیں عکس جو رخسار گل کے ہر جانب
 زمین باغ کا رنگیں ہے جا بہ جا دامن
 ہجوم شوق میں فرصت نہیں ہے سجدوں سے
 نصیب ہے سر بلبل کو آستان چمن
 ہوائے خندہ بیہم جو گدگدائی ہے
 ہر ایک غنچہ نوخیز کا کھلا ہے دھن

صبا نے سحرِ محبت سے کر لیا مشتاق
 امیدوار ہے ہوسوں کا عارضِ گلشن
 حدیثِ خود غلطی ہے قبولِ خاطرِ خلق
 خراب بھرتا ہے واعظ لیے کتابِ کمن
 ہزار عزم ہیں لیکن قدم نہیں اٹھتا
 ہسان چشمِ محبت ہے آرزو رہ زن
 اٹھا مزاج سے ایسا لحاظ ہے ادبی
 کہ لے رہے ہیں سرے اشکِ ہوسہ دامن
 لٹا رہا ہوں برابر تراشہ دلِ زار
 ہماری ہوی ہے لبالب کنارِ ہر دشمن
 نہیں ہے ایک گھڑی بھی فراغِ ہم نفسی
 چمن میں نالہ بلبل ہے دل میں شورِ محن
 اجل کشا کش امید میں پریشاں ہے
 کہ آج کل ہے فراموشِ عادتِ مردن
 مزاج داں نہیں ملتا رہیں نہ کیوں خاموش
 کسے دکھائیے اے ہم نفس! نزاکتِ فن
 وہ آفتاب ہوں جس کو کبھی زوال نہ ہو
 اٹھا کے ہاتھ دعائیں کیا کریں دشمن
 بس اب تہیہِ خاطر ہے جانبِ اوصاف
 خیالِ نو کو ہوئی احتیاجِ مشقِ کمن
 زبانِ پاک ادا کر رہی ہے شرطِ بیان
 فرشتہِ خو شرف الدولہ اعتبارِ زمن
 وہ با خدا ہے کہ فیضِ ضمیرِ روشن سے
 رہے نہ روح کو باقی حجابِ جامہ تن

جو دیکھے شوخیِ خاطر تو ہو حجاب ایسا
 رہے عروسِ سخن کو سخن نقاب دہن
 کہاں ہے عارضِ شمس و قمر میں حسن ایسا
 کہ وقت وصفِ کروں میں اسے شریک سخن
 نگاہ کا ہے یہ عالم کہ جب آئے دیکھیں
 نصیب ہوں جگر و دل کو سیکڑوں روزن
 وہ حلم ہے کہ فلک جس کے بوجھ سے ہر جاے
 وہ 'خلق' ہے کہ فرشتے پکار آئیں احسن
 فلک مقام و ملک طہنت و ملک ہم بزم
 سخیِ دھر و علوِ ہمت و شجاعِ زمن
 زمانِ جود اگر آکے حوصلے دیکھیں
 زمین و چرخ کو ہو رنجِ تنگی دامن
 وفورِ فیض سے بدخواہ بھی نہ ہو محروم
 زبانِ تیغ سے چائے لعابِ ہر دشمن
 مٹائے تیغِ نگاہِ غضب جو ہستیِ خصم
 سنائی روح کے آرام کو فسانہِ تن
 لہو کو چاٹ کے ڈوبے تنِ عدو میں تیغ
 دکھائے جلوۂ سراں ہر استخوانِ بدن
 ہوئی ثنا سے یہ بالیدگی سخن میں سرے
 کہ آئیں کے لیے تنگ ہے شکافِ دہن
 سنا ہے غل جو سواری کی آمد آمد کا
 رکے ہوئے ہیں نگاہوں کے ہر طرف توسن
 جہاں پاک سے جذبِ نگاہ ہوتا ہے
 عجب نہیں کہ بڑھے شوق کو بٹینِ وطن

لکھوں خطاب کے دو تین شعر اس جا پر
 دکھاؤں اور طرح سے کلام کا جو بن
 خدا کے واسطے اب اجتناب سے باز آ
 کہ بھر رہی ہے کئی دن سے آرزو بدظن
 ادب شعار ہوں گستاخ ہو سکوں کیوں کر
 ہزار طرح سے خاطر میں ہے لحاظ سخن
 رہوں میں پرورش اضطراب میں کب تک
 نگاہ لطف کوئی اس طرف بھی حضرت من !
 امیدوار ملاقات ہوں ، اجازت ہو
 کہ بھر نہ پائے گا ایسا کبھی وحید زمن
 نہ پایا صاحب ہمت جہان میں کوئی
 کہ مجھ سے پوچھتا وہ یاد ہے تجھے کیا فن
 نہ شکل بلبل تصویر ہو گیا خاموش
 سوافغان کے نہ نکلا کبھی زباں سے سخن
 کہا یہ علم و هنر سے کہ جاؤ رخصت ہو
 اب اختیار کرو جا کے گوشہ مدفن
 ملے گا کوئی سخن فہم تو بلا لیں گے
 نہیں تو خیر ، جو کچھ مرضیِ خدا سے زمن
 نسیم شوکت خاطر دکھا چکے کیا کیا
 سلام شوق لکھو دو زباں میں قفل دھن

قصیدہ در مدح شرف الدولہ

کہاں ہے ایک طرح پر یہ دور لیل و نهار
 کبھی ہے شام مصیبت ، کبھی ہے صبح ہمار
 کشاکشِ نفسِ چند ہے پیامِ اجل
 ہوائے بے ادبی ہے تہیہ بے کار
 خیالِ جامِ عبث ، اشتیاقِ مے بے جا
 دکھا رہے ہیں دمِ سرد گرمیِ بازار
 بسانِ دیدہ بمسک ، ہے تنگ فرصتِ عمر
 لحدِ کشادہ دہن ہے یہ شوقِ بوس و کنار
 طلسمِ عالمِ اسبابِ چند ساعت ہے
 جوہو سکے سوا بھی ہو ، آٹھا نہ رکھ زہار
 چھلک رہے ہیں خمِ مے ، ہلک رہے ہیں مزاج
 ٹپک رہی ہے صراحی ، بنوش کی ہے ہکار
 نوائے مطربِ خوش لہجہ ہے موثرِ دل
 ہجومِ بے خبری سے ہے مختصرِ آزار
 ہوائے سرد سے بزمِ چمن ہوئی ہے گرم
 شکستہ کلی ہیں بسانِ دہنِ دمِ گرفتار
 دھک رہے ہیں جو رخسارِ سرخِ گنچوں کے
 بہ رنگِ مشعلِ روشن ہے عالمِ کلی زار
 شرابِ حسن سے لالے کا جام ہے لبِ ریز
 سرورِ دید سے کہنی ہے نرگسِ بیار
 زمیں ہے سبزۂ خود رو سے فرشِ بوقلمون
 بدل رہا ہے نئے رنگِ چرخِ میناکار

بلندبوں پہ دماغِ برہنہ ہائی ہے
 طوافِ آہلہ کوٹا ہے نشترِ ہر خار
 اسید بادہ میں توبہ شکن ہیں یوں مصروف
 کہ جس طرح ہس پرہیز رغبتِ بیار
 حذرِ حذر کی صدا دے رہے ہیں صاحبِ جوش
 کھڑی کھڑی ہے زیادہ ترقی دیدار
 آئندہ آئندہ کے ٹپکتا ہے ایرِ مستی میں
 تڑپ تڑپ کے چمکتی ہیں بجلیاں ہر بار
 ہوئی برہنہ تنوں کو لباس کی حاجت
 چھپی حیا سے زمیں زیرِ دامنِ کہسار
 نسیمِ لطف بہت خوب ہے جو جی چاہے
 تو ایسے وقت میں لکھ مدحِ خیز چند اشعار
 کمالِ دیر میں اک قلردان ہوا ہے نصیب
 بجا ہے گوہرِ مضمون اگر ہوں آس پہ نثار
 ملکِ خصال ، فلکِ آستانہ ، عرشِ مکان
 قمرِ خدم ، شرفِ الدولہ ، فخرِ عز و وقار
 اگر نہ اس کی عنایت کی ہو کچھ آمیزش
 نصیبِ اہلِ دول ہو نہ طالعِ بے دار
 وفورِ جود سے زائیدگی زمیں کو ہے
 نکالتی ہے جواہرِ شکم سے حاصلہ وار
 صدائے فیض و کرم سے عجب نہیں ہے جو ہو
 ہجومِ داغِ دلِ خصمِ مجمعِ دینار
 زمانہِ خوانِ کرم سے ہے ریزہ چیں لیکن
 فقط یہ رنج کہ ہے ایک عمر سے بے کار

سرور و عیش ہیں یوں ہاسبانِ درِ اُس کے
 کہ جیسے عاشق شیدا کے دیدہ بیدار
 کبھی نہ دیکھ سکے انتہائے بخشش کو
 رہے جو تا دمِ عشر تسلسلِ انظار
 نہ پائے طولِ سغا میں وہ اختصار کبھی
 ہزار بار اگر صبح ہو شبِ بیار
 آٹھے یہ دردِ حسدِ جوشِ ہڈل سے اُس کے
 کہ امتحانِ عدو ہوں جوابِ موسیقار
 گرے ستارہ جو پاپوش سے زمانِ خرام
 تو ہو وہ شیرِ اقبالِ منعمِ زردار
 بشر تو کیا حشراتِ زمیں پہ ہے یہ فیض
 کہ تقری ہیں نقاطِ سفیدِ کفچہ مار
 وہ دل کہ جس میں محبت ہے اُس سہی قد کی
 بجا ہے کہیے اگر اُس کو مخزنِ اسرار
 نگاہِ طرہِ مشکینِ فرق کو سمجھے
 خطوطِ کاتبِ قدرت ہیں دور سر پہ نثار
 خمیرِ مردیکہ چشم سے بنے ہیں وہ بالہ
 تصورِ اُن کے سے ہوتی ہے صیقلِ الصبار
 جہیں وہ لوحِ منور کہ آفتابِ خجل
 خیالِ وصف سے جس کے چمک گئے اشعار
 بھویں ہیں تیغِ ہلالی مگر کشیدہِ مزاج
 ہزار مرتبہ جس پر عدو کی جانِ نثار
 مڑے ہیں یا کہ زبانیں ہیں کلکِ قدرت کی
 کہ اپنے طرز کا مطلب سمجھ لے ہر ہشیار

عجیب قصہ دل چسپ ہے لسانہ چشم
 کہ جس کے منہ سے سو جائے صاحب آزار
 ہر اک اشارہ ہے اس کا حیات کی بنیاد
 بقائے عمر خضر پائے طالب دیدار
 صفائے چہرہ سے بھسلا ہے کوئی قطرہ نور
 کشید بینی روشن یہ کرتی ہے انظار
 فروغ عارض تاباں سے ہے یہ ریزش نور
 کہ محو جلوۂ ذاتی ہے سایہ دیوار
 دل و جگر کو مسافر بچا نہیں سکتا
 قدم قدم پہ ہیں درگاہ عشق کے زوار
 لبوں کا دھیان جو آیا تو سمجھا میں گل برگ
 مگر وہ بے اثر اعجاز ان میں عیسیٰ دار
 دھن وہ درج گہر ہائے حق شناسی ہے
 زباں ہے حجت مقبول ناطق اسرار
 شفا ہو دید سے حاصل جگر خراشوں کو
 دکھائے سبزۂ خط لطف مرہم زنگار
 ٹھہر ٹھہر کے ذرا چل نہ دوڑ او خاصے
 کہ اور طرح کے لکھنے ہیں کچھ ہمیں اشعار
 سوال کرتا ہے دل کچھ ضمیر حاضر سے
 مزاج فکر معالی ہوا ہے شوخی بار
 تو وہ جری ہے اگر تیغ ہاتھ میں لے لے
 قدم پہ سر کو رکھے بیل چرخ بے تکرار
 شکم میں لطفۂ اعدا دو حصہ ہو جائے
 سنے جو حاملہ کچھ ذکر خنجر خون خوار

کھچ آئے روح بدن سے ہوائے قربانی
 بناہ تیغ کی ہو خصم کو بناہ مزار
 بڑے جو آنکھ دم قہر خیل دشمن پر
 ہزار طائر جان اک نگاہ میں ہوں شکار
 دیے خدا نے وہ قصر بلند رہنے کو
 کہ سراغ روح نہ آؤ کر پہنچ سکے زہار
 فلک کی پشت دوتا میں نہ خم رہے باقی
 کجوں کو رامت بنا دے بلندی دیوار
 نسیم فکر رسا سے نہ کر زیادہ سوال
 جو مل گیا سو ملا اب نہ چاہیے تکرار
 جہاں میں تاکہ رہے یہ بقاعے شمس و قمر
 جہاں میں تاکہ رہے رفت و خیز لیل و نہار
 رہے وہ مستند دولت یہ جلوہ گر یا رہا
 حبیب خرم و شادان، عنو ذلیل اور خوار

(۷)

قصیدہ در مدح شرف الدولہ

دیکھ تو رفعت الصونِ بتانِ طرار
 رشتہ قوس کی پہنی ہے فلک نے زہار
 زلف منہ دیکھتی ہے آئینہ عارض میں
 رنگ کچھ لائے گا یہ دائرۂ لیل و نہار
 شوق کہتا ہے اٹھا پاس ادب، ہو گستاخ
 شرم انگشت یہ دندان ہے کہ اے دل زہار

کوئی شے جوشش سودا سے نہیں ہے خالی
 کھولنا ہے رگ سبزہ سر ہر نشتر خلر
 آرزو مائل مستی ہے حیا ہا بہ رکاب
 اتنا گوشہ طلب ہے کہ نہ دیکھوں یہ بہار
 شیخ ”اندروز“ فراموش ہے واعظ محبوب
 یاد آتا نہیں غیر از سبق بوس و کنار
 مہربن سرستہ جو غنچوں پہ ہوتی تھیں لوٹیں
 لٹ رہا ہے زرگل ، وقف ہے سارا گل زار
 ہائی جاروب کشی سے جو صبا نے فرصت
 چہچہے صراغ چمن کرنے لگے نذر بہار
 قطرہ سے کے چمکنے لگے ہر سو تارے
 کود بھرنے کو ہوئے جام و صراحی تیار
 بس کہ ہے برہنکی غفلت سے خواری سے
 چادر ریزش سے کرتی ہے پردہ ہر بار
 بے حجابی میں جو ہر بلبل و گل ہے مصروف
 سرنگوں شرم سے ہیں صحن چمن میں اشجار
 برہمی کی مجھے دہتی ہے اجازت خاطر
 طرہ زلف مضامین کی نظر آئے بہار
 جی میں ہے شاہد مضمون سے ہم آغوش رہوں
 تا کجا حسرت تاخیر بڑھوں چند اشعار
 لے ٹھہر ہوش میں آ اے قلم سینہ شگاف
 جوش میں طبع معلنی کے دکھا کچھ آثار
 میں وہ ہکتاے زمانہ ہوں کہ ہم سر میرا
 صورت حکم النہی ہے نہایت دشوار

ہوں وہ خورشید جہاں تاب نہیں جس کو زوال
 ایک ما جلوۂ آغاز ہے اور آخر کار
 دوست اس عارف ذی جاہ سخن فہم کا ہوں
 جس کا یک لفظ نہیں صورت معنی بے کار
 ماهر علم و ہنر، واقف اسرار سخن
 شرف الدولہ جہان کرم و عز و وقار
 ادبِ اوجِ سراقب سے زمیں پر ہر دم
 گرد پھرتا ہے فلک صورت ہائے ہر کار
 مائلِ عالمِ گلشن ہو جو وہ عالی جاہ
 نذر کو لائے زرِ کل چمنستان میں جاہ
 ہر تو افکن ہو اگر تیغ زمیں پر اس کی
 حشر تک صاعقہ نکلتے عوضِ جوشِ بخار
 نگہِ مہر سے دیکھے طرفِ ذرہ اگر
 چرخِ صدقے کرے خورشید کو دن میں سو بار
 لبِ جان بخشش کی جنبش سے اجل ہوا ہوس
 نہ کھلے حشرِ تلک ملکِ عدم کا بازار
 تنگ ہے وسعتِ میدانِ تصور ہم دم
 کیا لکھوں میں صفتِ تہزیِ کامِ رہوار
 اس جہاں سے صفتِ روحِ فرشتہ دم میں
 جا کے بھر آتا ہے صحرائے ازل سے سو بار
 رفعتِ قصرِ معلیٰ ہے خدا کی قدرت
 انتہا جس کی ہے تحنیلِ ملک سے بے زار
 دیکھے گر طالعِ بیدار کو چشمِ ہد سے
 گھر کرے دیدۂ دشمن میں مہا خوابِ مزار

اُس کا ہم سر ہوں تو میں ہوں مگر اتنا ہے فرق
 وہ شہ فہم ہے ، میں خسرو ملک اشعار
 مختصر عالم اسباب ہے اُس کے آگے
 کیجیے فیض مطول کا کہاں تک اظہار
 حلم وہ حلم کہ دشمن کو ہو اسد عطا
 خشم وہ خشم کہ ہے جس کو کمی سے انکار
 تا کجا طول سخن فرصت اندیشہ کہاں
 اے نسیم اب نفس چند ہیں تکلیف سے بار
 پڑھیے اشعار دعا جس کو فرشتے سن کر
 چار سو عرش بریں پر کہیں آئیں ہر بار
 اے خدا جلوہ نزا زہر فلک ہیں جب تک
 روز و شب ، صبح و سہا ، شمس و قمر کے آثار
 شش جہت میں رہے ممدوح کو ہر دم حاصل
 عشرت و نام و نشان و طرب و عز و وقار

(۸)

قصیدہ در مدح شرف الدولہ

بعد مدت فکر کا کرتے ہیں ہم آج امتحان
 ایک ساعت اے فلک بن جا خدا را سہریاں
 فکر صائب کے بدولت اصفہاں ہے لکھنؤ
 ہے سے سے فیض سخن سے عزت ہندوستان
 جی میں لہرائی ہیں میدان آٹا کی گردشیں
 آبرو رکھنا خداوند زمین و آسماں

آرزو ہے گوہر مضمون کی لڑیاں گوندہ کر
 کیجیے آراستہ بازار معنی میں دکان
 وہ متاع قیمتی (جو) مشتری کر لے پسند
 ہو چھے کر قیمت، کہوں احسان بہ حال نیم جان
 طعنے دیتی ہے مجھے میری پریشان خاطری
 ڈھونڈھنے نکلاہوں اطراف جہاں میں قدردان
 مے سے توبہ کر چکا ہر بھیزگاری ہے مجھے
 لاگلاب صاف اے ساقی کہ میں دھولوں زباں
 ابر تر دکھلا رہا ہے بچلیوں کی چشموں
 دل بہ کہتا ہے کہ لکھ اشعار وصفِ قدردان
 ہے ہوس اک مطلعِ مستانہ ہو زیبِ قلم
 جس سے آملے کیفِ مثلِ گوشہ چشمِ بتاں

مطلع (ثانی)

صورت مینا ہیں لہریز سخن کام و دہاں
 ریش بہم سے تر ہوتا ہے دامنِ بیاں
 کرتے ہیں انکھیلیاں مضمون خیال پاک سے
 گدگداتے ہیں مجھے الفاظ و معنی ہر زمان
 تا کجا پاسِ ادب اظہارِ مطلب شرط ہے
 روکتا ہے کیوں دلِ مشتاق کو کہہ دے کہہاں
 اے فلکِ شمس و قمر ہر ناز کیا کرتا ہے تو
 دیکھ میرا دل کہ اس میں کس کا جلوہ ہے نہاں
 حامیِ دینِ محمد عاشقِ نامِ خلیل
 آبرو بخش وزارت، ناظمِ ہندوستان

بس کہ ہے راحت رسان خلق ، فرط خوف سے
 ہو گیا بے زہر کام افعی زلف ہٹاں
 شوکت افزائے ضعیفان ہو اگر دست کرم
 مور کو تخت سلیمانی پہ ہو نقل مکان
 ہر بشر کی آرزو یوں شائق ہابوس ہے
 جس طرح اپنی ہوس کا بخت حاسد ہاسبان
 آرزوئے مدح یوں ہر دل میں رکھتی ہے هجوم
 جیسے لب رہز دعا ہو خانہ بے چارگان
 ہمت اقبال کے دیکھے جو ہر جانب عروج
 آئی استقبال کو فریاد بخت دشمنان
 مانع پیری ہے حیرت جلوۂ رخسار کی
 دخل کیا ہے بڑھ سکے جو توسن عمر رواں
 چرخ چارم تک جہاں پاک کا ہے تذکرہ
 سورۃ والشمس ہے ہر صبح ورد قدسیاں
 دیکھ کر بزم طرب ایسا دل حاسد جلے
 روشنی دے شمع کے مانند مغز استخوان
 نظم عالی سے وہ اطمینان سب کو ہو گیا
 شانہ برہم کر نہیں سکتا ہے گیسوئے ہٹاں
 قصد خاطر سوئے اعدا آئے کر دل شاد ہو
 خون دشمن کی حنا بندی سے خیل دوستان
 فہم افلاطون سپند شعلۂ ادراک ہے
 کیا کہوں کیا حال ہے عقل ارسطو کا یہاں
 ناز معشوق نیاز عاشقی سب محو ہیں
 "خلق والا کی زبان خلق پر ہے داستاں

کون سا دل ہے نہیں جو اس کا پابند خیال
 کون ہے جو خوان بخشش پر نہیں ہے مہیاں
 یہ نہیں ممکن لب سائل کو جنبش ہو سکے
 قصد سے پہلے صدا آتی ہے ”لو آؤ یہاں“
 لطف وہ پیدا کیا حسن سخا و جود نے
 ہو گیا خالی مزے سے گوشہ چشم ہٹاں
 حرص سائل دامن گردوں اگر پیدا کرے
 سیر ہو جائے، زباں سے جب وہ فرمادے کہ ہاں
 آرزوے مردہ جی آٹھتی ہے فیض نام سے
 کم نہیں اعجاز عیسیٰ سے سخاوت کا بیان
 ٹھو کریں کھاتے ہیں گوہر سائلوں کی راہ میں
 نصب ہوتے ہیں جواہر جاے سنگ آستان
 خامہ قدرت نے لکھا لوح پر روز ازل
 عرش رفعت، ماہ طلعت، آفتاب عز و شان
 شاد ہوں اہل غرض ہوتے ہیں اس کے نام سے
 جس طرح ہر قالب بے حس میں آجاتی ہے جان
 دست زر افشاں کی جس جانب توجہ ہو ذری
 بھول جائے خلق تکلیف جفاے آہاں
 جوش الفت دیر سے سمجھا رہا ہے اے نسیم
 ہوں قصیدے میں غزل کی کچھ ادا رنگینیاں

مطلع (ثالث)

نور حق کا علوٰی روشن پہ ہوتا ہے کہاں
 آتی ہے سوئے زمیں ہر دم نگاہ قدسیاں
 گر دکھا دے جلوۂ رخسار کو ہٹ کر نقاب
 داغ سمجھے مہر کو سینے پر اپنے آماں
 وہ جبین یا چشمۂ خورشید جس کی روشنی
 تیرہ بختوں کے لیے ہے صبح صادق کا نشان
 تھے جو کچھ آئینۂ دلہائے مشتاقاں میں ہال
 سوزہ بن کر ہوئے ہیں زیرِ ابرو وہ عیاں
 جلوۂ خطِ حلقہ آور روئے تاباں پر ہے ہوں
 جس طرح ہالہ رہے انوارِ مہ کا ہاسپاں

(ق)

اب نظرِ خوفِ ادب سے لغزشیں کرنے لگی
 چاہتی ہے عزتِ پایوس مثل عاشقان
 کہہ رہی ہے حسن ہے مانع پہنچے کس طرح
 نا قدم ہے شعلۂ روشن گذر ممکن کہاں
 کچھ نہیں کہنے اگر آنکھیں اٹھا کر ایک دم
 دیکھ تو لو حال اے خستہ دلوں کے قدر دان
 اب تو وہ صورت ہے جو صورتِ کبھی ممکن نہ تھی
 کیا تعجب ہے اگر ہو جاؤ تم بھی مہرباں
 مفلس اسے ہیں بھاری بھی نظر پڑتی نہیں
 جانتے ہو سینہ خالی ہو چکا ہے دل کہاں
 آرزو گرم تقاضا ہے کہاں تک انتظار
 جی میں آنا ہے کہوں لیکن ادب ہے ہاسپاں

صدفے جاؤں جوش غفلت میں نہایت چین تھا
 دیکھ لو پھر آس نظر سے بھول جاؤں دو جہاں
 چاہتا ہوں تم کہو اتنا کہ ہاں پھر کیا ہوا
 کہہ رہا ہوں دیر سے میں اپنے دل کی داستاں
 میں تو آیا بھی نہیں کس کو کہا چل دیجیے
 گل کے کہنے کا ہوا اک روز پہلے امتحان
 نام نامی سن کے رکھتا ہوں ہوس پابوس کی
 اے وزیر خسرواں ! اے آصف ہندوستان !
 کچھ نگاہ مہر کو رخصت ادھر بھی دیجیے
 رات دن چکر میں ہوں مانند دور آہاں
 بس بہت کچھ ہرزہ بیانی ہوئی چپ ہو نسیم
 لکھ مضامین دعا جو دل میں رکھتا ہے نہاں
 فضل حق سے مسند دولت رہے زیر قدم
 تا ظہور آفرینش ، تا قیام دو جہاں !
 خضر کی صورت بقائے عمر ہو ہر دم نصیب
 حشر تک یا رب ! رہے یہ نام ورد قدسیاں

(۹)

قصیدہ در مدح ظفرالدولہ معتبرالملک رفیع المنزلہ
 نواب علی اصغر خان بہادر ناصر جنگ

کثرت عیش سے یہ بے خبری ہے ہر دم
 کہ فراموش ہیں جو باد تھے گردوں کو ستم
 آج کل قوم بشر کے وہ بڑھے ہیں اعزاز
 کہ ملک کھاتے ہیں آسائش انسان کی قسم

وسعت حوصلہ کی حد نہیں ہوتی معلوم
 ہر زیادہ نظر آتا ہے نگاہوں میں کم
 برہمی ایسی زمانے سے ہوئی ہے معدوم
 کہ پریشانی نہیں ہوتے کبھی گیسوے صنم
 لفظ دشنام حسینوں کے دھن میں ہے قید
 لے رہے ہیں لب عشاق بہ بوئے بیہم
 کبھی عاشق کبھی معشوق کبھی سب سے پاک
 سیکڑوں رنگ بدلتا ہے مزاج آدم
 مژدہ دیتی ہے صبا پیرہن عاشق کو
 کھا چکا دست جنوں چاک گریبان کی قسم
 ہو چکی چشم عقیمہ ، نہیں ممکن آنسو
 آٹھ کئی عنصر ہر فرد سے پیدائش ہم
 وقت تحریر جو کی خبن و رسل نے تکرار
 صفت جاہل مغرور الکتا ہے قلم
 کوئی دم اے دل بیتاب ٹھہر جا تو یہی
 کہ مضامین ثنا خیز سنائی تجھے ہم

مطلع (ثانی)

جمع خلق و حیا ، زینت قوم آدم
 اے جناب ظفر الدولہ ، رئیس اعظم !
 صدقے اس طرہ فرق کے دل و جان بشر
 کر دیا سلسلہ کن فیکون کو برہم

جلوۂ نور جیسی نے وہ عطا کی حیرت
 ہر طرف شور مچا ہے ، نہیں قابو میں ہم
 شوق کہتا ہے کہ لوں بوسہ ابرو کیوں کر
 الحذر یہ تو کوئی تیغ کشیدہ ہے دودم
 چاک کس طرح نہ ہو تیغ نظر سے سینہ
 تیر مڑکان کی یہ ہٹ ہے کہ جگر دیکھیں ہم
 اللہ الحمد کہ ہیں شرم سے نیچی آنکھیں
 ورنہ ہو ایک اشارے میں صفاے عالم
 نظر آئی کشش حسن جو بینی سمجھا
 چھٹ گیا ہاتھ سے استاد ازل کے یہ قلم
 ماہ و خورشید سے بہتر ہیں کہیں رخسارے
 ہے زوال آن کو یہ تابندہ شب و روز ہم
 سبزۂ خط لب جان بخش دھن کے نزدیک
 خضر و عیسیٰ نظر آنے ہیں کنار زم زم
 ہے اسی طرح ہر اک عضو میں کیفیت نور
 گردن و سینہ سے نا آئینہ حد قدم
 زلف کہتی ہے دم حشر کروں گی فریاد
 کر دیا ایک نظر نے مجھے ایسا برہم
 شامہ کہتا ہے کہ میں چاک جگر رکھتا ہوں
 کیا نہ بوجھے گا خداوند ازل حال ستم
 کہہ رہا ہے دل خستہ کہ الہی فریاد
 جلوۂ حسن خداداد سے ہے یہ عالم
 داد خواہی کے لیے بس ہے ہمیں تر دامن
 اشک خاموش یہ کہتے ہیں کہ کہتے نہیں ہم

نکل آتے ہیں دم سرد جو آہوں کے ساتھ
 گرمیِ نالہ کی کھاتے ہیں لب خشک قسم
 کہ نہیں ضبطِ سخن کا ہمیں یارا باقی
 کہہ لیں اب ہم بھی غنیمت ہے یہ فرصت کچھ دم
 واقعی قدرتِ خالق کا نمونہ ہے تو
 علم میں حلم میں احسان میں کرم میں ہر دم
 کامل علم سخن ، شاعر پکڑے زمان
 روح صدقے ہو جو اوصاف مضامین ہوں رقم
 خلق ہوتی نہ اگر طبع معلول تیری
 دفتر راز معانی نظر آتا برہم
 جلوہ دیتا نہ اگر نور مضامین خیال
 میل کرتا نہ کبھی حسن سخن ہر آدم
 گر نہ افسانہ افکار مناتے اس کو
 چاک دامن نظر آتا نہ گریبانِ عدم
 'خلق ایسا کہ جہاں رہن محبت ہو کر
 مخلصی چاہے نہ تا عمر قدم کوئی دم
 آدمی کیا کہ ملک بھی کہیں سبحان اللہ
 بیٹھیں گر خدمتِ عالی میں وہ ہو کر باہم
 وہ حیا ختچہ سربستہ بھی سرما جائے
 وقت احسان نظر آئے جو بدن کا عالم
 کثرت زر نے دکھائی ہے نئی یہ تاثیر
 داغ ہو جاتا ہے ہر دامنِ مفلس میں درم
 اثر فیض سے ہر شے میں یہ استغنا ہے
 کہ نہیں زخمِ جگر کو بھی ہوائے مرہم

مژدہ ہے خبری لطف نے ایسا بخشا
 روح رفتہ نہیں حالات بدن سے محرم
 کس قدر غلطہ جود نے رفعت باقی
 حوصلہ کرتا ہے قربانی روح حاتم
 نام آجائے زباں پر جو علی اصغر کا
 کہوں نہ آسان ہو آسان کے لیے کار اہم
 ہیبت ایسی کہ دلیروں کے جگر ہوں مضطر
 نام سن کر تہ و بالا ہو مزار رستم
 رفعت حوصلہ کا حال اگر کچھ لکھے
 پہنچے شاعر کے تصور کا فلک پر پرچم
 حملہ آور ہو عدو پر تو کرے اتنا قتل
 خون شمشیر سے ٹپکے صفت ابر کرم
 چار عنصر میں رہی خصم کے یوں گردش خوف
 جیسے اوزان رباعی بہ تصدق اخرم
 چاک دل دے خبر خواب لحد دشمن کو
 خندہ زخم سے پیدا ہو صدائے ماتم
 شہرت قوت بازو جو نداشت بخشے
 پی لے دشمن عرق شرم سمجھ کر زمزم
 خوف تیرا ورق دھرے کھو دے ہر خوف
 دھن افعی کیسو میں نہ باقی رہے سم
 تیغ اس دست بلوریں کی جو دشمن کھائے
 خون ٹپکے دھن زخم سے ہو کر شبنم
 عفو تصویر نہیں جوش محبت سے خیال
 کیا کیا خاطر ہے تاب نے تفویض قلم

بہ خدا خادم صادق ہوں نہیں شک اس میں
 یاد کرتا ہوں ترے جوش محبت کی قسم
 اے نسیم جگر افکار نہ ہک یہودہ
 آگیا پیش نظر حسن دعا کا عالم
 اے خدا تاکہ رہے سلسلہ چرخ و زمیں
 ہر دم و لحظہ ترقی پہ رہیں ناز و نعم
 اے خدا بے خلش غیر میسر ہو اے
 دولت و عمر ابد راحت آغوش صہم
 رات دن محفل عشرت میں بسر ہو اوقات
 خوار ہوں حاسد و بدخواہ^۱، احبا خرم

(۱۰)

قصیدہ در مدح ظفرالدولہ

یہ رفعت کلام کسی کے لیے کہاں
 ہر زادۂ خیال ہے ہم راز آہاں
 مانند ذات حق ہے تعلق سے فکر پاک
 مضمون میں دہن ہے نہ الفاظ میں زہاں
 روشن ہوں ہر طرف صفت نور آفتاب
 میرے سخن کے فیض سے بمنوں ہے جہاں
 مثل عروس حسن مضامین کو ہے حجاب
 کیا دخل چھو سکے کسی ناہم کا گہاں

۱۔ "بدخواہ و احبا"۔ طبع اول و دوم میں واو عاطفہ ہے جو زائد اور بے معنی ہے اس لیے حذف کر دیا ہے۔ (مرتب)

ہیں او خیال ! اور طرف سیر چاہیے
موقوف کر یہ سلسلہ ذکر این و آن
لکھ جلد ایک مطلع آغاز مدعا
جس سے اٹھائے لطف سخن طبع قدردان

مطلع ثانی

اے خاتمہ ہوشیار کہ ہے وقت امتحان
مدت کے بعد آج طبیعت ہے مہربان
مضموں پہ شکل ابرکرم ریزشوں میں ہیں
کھتی ہے مجھ سے فکر سری ہار ہار ہاں
لا واسطے تثار کے کچھ گوہر سخن
ایسا ملے گا پھر نہ زمانے میں قدردان
خورشید منزلت ظفر الدولہ جس کو خلق
کھتی ہے دیکھ کر شرف خلقت جہاں
پہنچی جدھر نگاہ عنایت ہوا یہ حال
دامن میں زر، زبان پہ دعا، راحتوں میں جان
اللہ رے کرم کہ یہ عالم ہے ہر طرف
مسدود ہے ہوس صفت خواب ہاسیان
ایسا ہے کون جس میں یہ اوصاف ہوں ہم
حلم و حیا و خلق و وقار و عروج و شان
جوشِ سحاب فیض سے ٹھنڈے ہوئے جو دل
ہلی ہوئے دامن الفاظ مدح خواں
ہر سر بلند پست ہے ہمت کو دیکھ کر
حاسد کا دل جلا بھی تو دیتا نہیں دھواں

دیکھا ہے جو خلیق تو ہر دل کی آرزو
 انکھیلیوں میں ہے صفت صبح بوستان
 شرما رہے ہیں عارضِ خوبان روزگار
 تاباں ہیں اس طرح گہر گوش بندگان
 کیا دخل مثل عمر گذشتہ بھر آسکے
 وہ آرزو جو ہر قدم بوس ہو وہاں
 اب تک تو اتھارے عنایت نہیں ملی
 مدت سے ہیں خیال و کہاں اس بے عناں
 ہر جسم و جاں پہ سایہ دامن التفات
 رہتا ہے مثل کثرت احسان مہربان
 کبھی ہے دل کے بھید سراپا ضمیر صاف
 رکھتی نہیں یہ شکل سخن گو لب و دہان
 پایا نہ یہ جال کسی میں دم مثال
 ڈھونڈا کیے خیال و تصور کہاں کہاں
 حیرت سے رنگ جاوے عارض کے ہیں خموش
 لہجوں کے لب ، گلوں کے دھن ، برگ کی زباں
 نطق زباں کو بس کہ درشتی سے غار ہے
 رکھتا نہیں ہے جسم سخن وہم استخوان
 اوصاف بے شمار میں پاتا نہیں جو بس
 بڑھتا ہے روز کچھ نہ کچھ اندازہ گہاں
 حسرت فزا ہے صورت وقت گذشتہ شوق
 جس کو نصیب دوری خدمت ہے یکسر زمان
 جو باریاب ہزم نہیں ہے تو اس کے پاس
 کیسے میں کچھ نہیں مگر اوقات رائگان

تھے جتنے راستے وہ عنایت ادھر ہوئے
 الٹا لکھا گیا ورق بخت دشمنان
 اوصاف سے ملی وہ مجھے شوکت خیال
 آغوش فکر میں نظر آتا ہے آہاں
 طے ہو سکی نہ راہ ثنا جب کسی طرح
 عاجز بہ شکل توبہ واعظ ہوا کہاں
 یا رب بر آئیں دل میں مرادیں ہوں جس قدر
 تا انتہائے عمر، زمیں اوج آہاں

(۱۱)

قصیدہ در مدح نواب امیرالدولہ جہادر ابن نواب
 رکن الدولہ جہادر

تحریر کا وقت آگیا، لکھ نام اللہس اے قلم
 نواب امیر الدولہ عالی مرتبت والا ہم
 مستغفلن مستغفلن مستغفلن مستغفلن
 بحر رجز کے دور سن اشعار ہوتے ہیں رقم
 ہے وہ سخی این سخی عالم میں ہے چرچا بھی
 دنیا میں خیل آدمی ہے اس کا بمنون کرم
 سر چشمہ ہمت ہے وہ سر دفتر رحمت ہے وہ
 سرمایہ دولت ہے وہ با عزت و جاء و حشم
 حال عنایت کیا لکھوں تشبیہ کس کس سے دوں
 دے حوصلے سے وہ فزوں ہر چند مانگے کوئی کم
 ہے زر کی کثرت ہر کہیں آباد ہے روئے زمیں
 دنیا میں مثل اس کا نہیں کھاتا ہوں مضمون کی قسم

دریاے بخشش ہے رواں ہر وقت ہے گوہر نشان
 آتا نہیں پس قازبانِ اللہ رے جوشِ ہم
 جو رنج میں ہو مبتلا جس کو ہو حدمہ دہر کا
 ہو در پہ آس کے جیہ سا جاتے رہیں درد و الم
 قسمت ہو باری پر اگر آجائے جو پیشِ نظر
 بخشے جاں تک سیم و زو سب بھولے گردوں کے ستم
 اللہ رے خلق و وفا ، اللہ رے جود و سخا
 اللہ رے لطف و عطا ہر لحظہ ہے جوشِ کرم
 خالق نے بخشا وہ اثر حاصل ہو گر فیضِ نظر
 گلشن میں ہو ہر شاخ تر گلِ دستہ باغِ ارم
 قربان ہے رخ پر قمر ، لب پر فدا کل ہائے تر
 خامہ بنے سلک گہر گر وصفِ دندان ہوں رقم
 دولت سے دامن کو بھرا جو منہ سے مانگا مل گیا
 جس طرح قسمت کا لکھا ہوتا نہیں ہے بیش و کم
 لفظ ثنا تر ہو گئے ، آبادِ دفتر ہو گئے
 سب لفظے جوہر ہو گئے ، نیلم بنے اشکِ قلم
 بخشش یہ ہے وہ دستِ رس سنتے نہیں آواز بس
 رکھتا ہے جینے کی ہوس ہر راہیِ ملکِ عدم
 ہر شے میں فیض اس کا ملا دیتا ہوں اک تازہ پتا
 لالہ بھی دکھلانے لگا گلشن میں تصویرِ درم
 کیا شان میں اس کی کہے تعریف کیوں کر ہو سکے
 اکسیر سمجھے خلق اسے حاصل ہو گر خاکِ قدم
 جو کوئی اس دو پر گیا پر آیا دل کا مدعا
 اہلِ دول ہو پاکدا ، ہے سب یہ احسانِ کرم

فیض لب جاں بخش سے حصہ کسی کو کر ملے
 دھڑکا نہ مرنے کا رے دیکھا کرے حسن قدم
 گر دیکھ لے لطف وفا یا ریزش دست سخا
 ہر فرد ہو محو دعا جب تک رہے سینے میں دم
 ہے فضل حق سے وہ سخی کر لکھے افسانہ ذری
 حاتم کا عالم سے ابھی جاتا رہے سارا بہرہ
 گل الحذر کا ہو پیا آجائے غصہ گر ذرا
 ہو ہر عدو کا سر جدا کھینچے اگر تیغ دودم
 منظور ہو کر امتحان ہوں اس قدر خون ریزیاں
 دے کلک شاعر کر نشان رنگیں ہو تحریر قلم
 بس اے نسیم بے خبر ہے شوق میں راہی کدھر
 شعر دعا لکھ جلد تر دکھلا دے انجام رقم
 مقصد ہو جو کچھ آپ کا بر آئے از فضل خدا
 خوش ہوں عزیز و اقربا جب تک ہیں مہر و مہم
 حامی سدا ہوں پنجتن جب تک ہے بنیاد زمن
 تازہ رہے سارا چین مسدود ہو ہر رنج و غم
 جب تک ہے کاغذ آہاں جب تک ہے قوم انس و جان
 جب تک ہے بنیاد جہاں حاصل رہے عمر و ذرم

(۱۲)

قصیدہ در مدح وصی علی خاں بہادر

ذرا تو چین دے او دل تجھے خدا کی قسم
 کہ اور فکر میں ہے آج خاطر برہم

خیال صاف کو گل گشت باغ مضمون ہے
 برس رہی ہے طبیعت بہ شکل ابر کرم
 کہاں عروس سخن ہے کوئی بلا لانے
 کہ ہے ضرورت اشعار کچھ کہیں گے ہم
 مزاج کو سر مشاطگی معنی ہے
 کھلیں گے زلف کے مانند عقدہ اے اہم
 نسیم الہاؤ قلم وقت امتحان آیا
 جہاں شاہد تجویز میں دو حسن رقم
 خیال مدح رئیس زمانہ ہے دل کو
 ادب کی جا ہے یہاں گردن قلم ہو خم
 جھکاؤ سر پے تسلیم عرض حال کرو
 کہ اے امیر فلک مرتبہ جہان کرم
 کہاں مضطرب الحال تھا خوشا قسمت
 نصیب مجھ کو ہوئے آج بوسہ اے قدم
 بس اب زمانہ تحریر نام اقدس ہے
 گلاب و مشک سے دھوئے ہیں ہم زبان قلم
 الہی اپنا کرم رکھ وصی علی خاں پر
 وہ ہے سچہ کرامت کا شیر اعظم
 زمانہ کہتا ہے اس کو کریم ابن کریم
 وہ اپنے وقت کا ہے آج دوسرا حاتم
 نگاہ فیض اثر سے جو سوے گل دیکھے
 درخوش آب ہو ہر ایک دائۂ شبنم
 ہوائے بزم طرب خیز کی یہ ہے تاثیر
 نہ دیکھے چشم تصور بھی صورت ماتم

عجب پہنچتی پاک ہے دل و جاں سے
 لداے نام بتوں و رسولؐ ہے ہر دم
 یہ فیض تیغ ہے اس کا ہڑے جو اعدا پر
 ہر ایک زخم میں پیدا ہوں سودھاں باہم
 وہ با خدا ہے جو نکلیے زبان سے اقرار
 یہ صورت خط تقدیر ہو نہ پیش ، نہ کم
 فروغ روئے مبارک ہے آیت اسلام
 بجا ہے کہیے اگر اس کو قبلۂ آدم
 وہ آفتاب جہاں تاب ہے اگر چاہے
 ہر ایک ذرے میں پیدا ہو نور کا عالم
 خلاف اس کا جو چاہے تو ہو خلاف ایسا
 مٹے مزاج عناصر سے اتحاد ہم
 نہ روح جسم کو دیکھے نہ جسم صورت روح
 کہ جس طرح سے قضا و قدر نہیں توام
 وہ برگزیدۂ حق ہے کہ وقت عزم دعا
 عجب نہیں جو ہو تقدیر سے زیادہ رقم
 نہیں ہے باد خدا سے وہ کوئی دم غافل
 ہمیشہ ذاکر حق ہیں لب و زباں باہم
 صفائے قلب سے کشف ضمیر حاصل ہے
 نہیں ہے آئندہ دل پہ زنگ ناز و نعم
 کجوں کو راست بنائے خیال شوق اس کا
 مٹے کشاکش شانہ سے زلف کا ہر خم
 کہاں نصیب جو لے ہوسہ رکاب اس کا
 ہزار بار اگر بہشت آسمان ہو خم

لکھوں میں وصف اگر کچھ جہاں روشن کا
 رہے زبان پری ہر فسانہ آدم
 جہیں وہ ہے کہ جسے لوح نور کہتے ہیں
 بھوں نہیں، بے دشمن کھجی ہے تیغ دودم
 مژہ میں نوک وہ ہے سمجھے ہر جہیں نشتر
 دم نظارہ صفیں کی صفیں رہیں ہر دم
 نہیں وہ چشم کنار حیا میں ہے معشوق
 کہ جس کے رشک سے نر گس ہے سونگوں ہر دم
 نہیں ہے بینی شفاف، شمع نوری ہے
 بجا ہے گراف اللہ کا اسے کہیں دم
 لبوں میں ہے اثر فہم دم سوال و جواب
 کہ زندہ کرتے ہیں دل ہائے مردہ کو ہر دم
 دھن نہیں ہے، وہ ہے درج ذکر الا اللہ
 کہ جس سے ہے کلمہ حق کا پرزیاں ہر دم
 غرض نمونہ قدرت ہے سر سے تا ناخن
 کہاں مجال قلم ہے جو وصف سب ہوں رقم
 اب اور طرز کے اشعار چند لکھتا ہوں
 مزاج جوش میں آیا بھری عنان قلم
 کریم وقت ہے تو اے امیر والا جاہ
 ہزار گردن تسلیم تیرے در پہ ہو خم
 نگاہ لطف سے مجھ خستہ جا، کو بھی دیکھ
 کہ بھول جاؤں فلک کے تمام جور و ستم
 ثنا میں تیری کروں اور رہوں ذلیل و خراب
 یہ شرط لطف نہیں اے رئیس اعلیٰ کرم!

اب اور کون ہے ایسا کہ جس سے حال کہوں
 سناؤں کس کو میں اپنا فسانہ ماتم
 غریب و بے کس و ناچار مضطرب ہوں میں
 رئیس عیش ہو تم ، میں اسیر رنج و الم
 فقط نگاہ عنایت کی آرزو ہے مجھے
 زیادہ اس سے نہیں چاہتا ، خدا کی قسم
 نسیم طول سخن ہو چکا بس اب خاموش
 خطر کی جا ہے مبادا مزاج ہو برہم
 حضور قلب سے مانگو خدا سے جو چاہو
 پڑھو دعا کے بھی اشعار چند سن لیں ہم
 الہی تاکہ رہیں سہر و ماہ گردوں پر
 الہی تاکہ زمیں پر ہو نور کا عالم
 نسیم عمر خضر ربّہ سلیمان ہو!
 رہے ستارۂ اقبال جلوہ بخش قدم!

(۱۳)

قصیدہ در مدح وصی علی خاں

بہار آئی کھلے ہیں غنچے زمرہ دہن ہے چمن کا سامان
 وظیفہ گل ہے ان دنوں میں ترانہ عندلیب نالان
 فسرده خاطر ہوئے ہیں واعظ ہجوم سودا اسنگ پر ہے
 بڑھے ہیں یہ چاک پیرہن کے کہ ہے گریبان انیس دامن
 فسانہ غم نے بعد مدت اثر دکھایا ہے غفلتوں کا
 ہوئے ہیں مصروف چارہ سازی دل تہاں خاطر پریشان

کھلی جوسنیل کی زلفؔ ہر خم مزاج از خود ہوئے ہیں پر ہم
 طواف میں ہے نگاہ پیہم نثار ہوتے ہیں تحفہ جان
 سب و ساغر جھلک رہے ہیں جھک رہی ہے زبان دھن میں
 سرور سے ہے لغزش پا؁ بڑھے ہیں افتادگی کے احسان
 لباس سے تن کو غلصہ ہے مٹائے دیوانگی نے جھکڑے
 ہوئے تعلق سے پاک دامن نہیں رہی تہمت گریبان
 صدا یہ دیتا ہے کوس گردوں ترانہ صبح عید سہی
 جگا رہا ہے خیال تارہ کو خواب غفلت سے ہر غزل خوان
 نسیم خستہ جگر بھی پیہم سنا رہا ہے نوید مضمون
 نہیں بھروسا ہے زندگی کا رہیں گے یہ یادگار دوران
 زمانہ فیض سخن سے میرے بہ شکل عرش بریں سے روشن
 بلندہوں پر ہے نکر عالی جہاں میں ہوں آفتاب تاباں
 مزاج مشتاق گفتگو ہے؁ خیال مصروف جستجو ہے
 بڑھوں وہ مطلع کہ جس کی عظمت میں سر جھکائے ہر اک سخن دان

مطلع (ثانی)

سپہرجاء و جلال و شوکت؁ فروغ خورشید جود و احسان
 وصی علی خان وصی علی خان وصی علی خان
 ترقیوں پر ہے جوش ہمت شریک بخشش ہیں دوست دشمن
 جہاں میں ایسا ہے کون باقی نہیں جو خوان کرم پہ مہاں
 بہت بھرے ہر دیار میں ہم نظر سے گذرا کمام عالم
 نہ پایا ایسا رئیس اعظم کہ جس کو لکھتے امیر دوران
 نہال بے برگ تھا جہاں میں کیا ہے اہر کرم نے تیرے
 بہ شکل شمشاد سایہ گستر برنگ شاخ چمن گل افشان

شمع اخلاق بے مثل سے سمٹ کر رہ گئے ہیں غنچے
 حیا سے ہر گل کا سر فرو ہے ، بدل گئی صورت گلستان
 ہزار سائل جو در پہ آئیں نہ جانے محروم ایک ان میں
 رہے ترا دست گوہر ایشاں ہمیشہ مانند ابر نیساں
 دعاے طول حیات میں گر لبوں کو تکلیف مٹا دے ہو
 دہان سائل میں کیا عجب ہے لعاب ہو جائے آب حیاں
 جو دیکھے آیات مصحف رخ تو رایت کفر سرنگوں ہو
 رہے نہ بنیاد لات و عزیزی ہر ایک کالر بنے مسلمان
 نہیں زمانے میں کوئی ایسا کہ جس کو شوق قدم نہیں ہے
 تہاں ہیں ہر دل میں آرزوئیں کہ جیسے مومن کا نور ایمان
 زہان تیغ و سناں سے سن لے جو مژدہ مرگ ناگہانی
 تن عدو پر چراحتیں ہوں یہ صورت غنچہ ہائے خنداں
 دعا میں تاثیر قم نہ کہوں ہو قبول خالق ہر اک سخن ہے
 حیات فرماں پزیر لب ہے اجل ہے کوسوں کشیدہ داماں
 نگہ میں لا کہوں کرامتیں ہیں زباں میں بے حد عنایتیں ہیں
 ہزاروں ان پر شہادتیں ہیں کوسے کا تعریف کیا سخن داں
 زباں سے تیری جو حکم نکلے تو دو اثر وہ کلام بخشے
 ملے احبا کو عمر و دولت عدو کو پہنچے قضا کا فرماں
 دیا اثر ہے خدا نے تجھ کو رواے حاجات دنیوی کا
 شفاے امراض کو مجرب ہے قام تیرا بجائے درماں
 جو مانگے حق سے تو اے مکرم مطیع فرماں ہو سارا عالم
 ہوا و جن و طیور سمجھیں تجھے سلیمان پس سلیمان

قصیدہ در مدح نواب حضور محل صاحبہ دام اقبالہا

مانند شانہ ہے خلشوں پر جو روزگار
 حاصل ہے مثل زلف مجھے طول انتشار
 اسیدوار ہوں دل مشتاق کی طرح
 یارب دکھا جالِ کُنا بھر ایک بار
 آغوش میں سراد ہو لب پر ہوں قہقہے
 چھلکوں بسان ماسخ لب ریز بار بار
 بڑھتا رہوں یہ صورت وصف مدیح میں
 گھٹنے میں مثل عمر عدو پاؤں اختصار
 دیکھا کریں حسین جہاں جوش شوق میں
 پیدا ہو مجھ میں صورت دل ہائے داغ دار
 لپٹوں یہ شکل پنچہ ساقی سبو سے روز
 چھوٹوں بسان دامن جانان ہزار بار
 گردن جھکاؤں مثل قلم التماس میں
 چہرہ دکھاؤں صورت مضمون آب دار
 الفاظ میں یہ صورت معنی چھپا رہوں
 مطلب کی دوں خبر جو زباں سے ہوں آشکار
 خاطر میں آئے قصہ بنوں منہ میں چاکے بات
 پہنچوں جو تا یہ گوش مخاطب ہو بے قرار
 اے خامہ اس تہیہ تمہید کا کچا
 لکھ جلد کوئی مطلع مضمون آب دار

مطلع (ثانی)

تا آسمان خطاب معلیٰ کی ہے پکار
 بانوئے شہ حضور محل صاحب وقار
 ہمت وہ دی خدا نے کہ شاعر کی بھی زباں
 قاصر ہے جس کے وصف میں باعجز و الکسار
 از بس کہ ہے سخا و مروت مزاج میں
 مقبول بارگاہ النہی ہیں جملہ کار
 خورشید حسن نور خدا روئے پاک ہے
 باتوں پہ ہے کراست صادق کا اعتبار
 آنکھوں میں ہے لحاظ، نگاہوں میں احتیاط
 ممکن نہیں خلاف شریعت ہو کوئی کار
 جو جس کی آرزو ہے وہی ہے زبان پر
 پیدا ہے قلب صاف میں پنہاں و آشکار
 عصمت وہ ہے کہ خامۂ نقاش کائنات
 مس کر سکا نہ کھینچ کے تصویر آب دار
 شبم کے بدلے بریں گہر آسمان سے
 خواہش دعا کی ہو جو بہ درگاہ کردگار
 ہے حب اہل بیت کا اس درجہ دل میں جوش
 حوریں جنان میں کرتی ہیں تحسین ہزار بار
 خورسند فاطمہؑ ہیں علیؑ خوش رسولؐ شاد
 راضی حسنؑ حسینؑ سمجھتے ہیں دوست دار
 مدنظر ہے آٹھ پہر سب کی پرورش
 محفوظ ہے ہر ایک رفیق اور اہل کار

میں بھی ہوں جبہ سا بہ امید نگاہ لطف
 اے ہانومے عفرہ و خاتون با وقار!
 پہنچا یہ حال اور گزارش میں کیا کروں
 روتی ہے بے کسی سری قسمت بہ بار بار
 اہل فائے وعدہ میں نہ کمی کیجیے حضور
 فضل خدا سے آج موافق ہے روزگار
 صد شکر سرخ رو میں ہوا اب جناب سے
 جو کچھ کہا تھا دیکھ لیا بعد انتظار
 واجب ہے پرورش کہ بہت بے قرار ہوں
 انلاس کی خراش سے دل ہے شکاف وار
 بخشے ہیں برہمی نے ہزاروں طرح کے بیج
 شاید کہ اپنی زلف سمجھتا ہے روزگار

مثل مزاج یار ہے مصروفِ اتمام
 کیا کیا گمان بد ہیں بہ حال نحیف و زار
 ہنستا ہوں مثل خند زخم جگر اگر
 سینا ہے بخیہ گر دھن و لب ہزار بار
 اظہار مدعا سے پشیمانیاں ہوئیں
 کھو بیٹھے اپنے ہاتھ سے سامان اعتبار
 ارزاں ہوا ہوں طعنہ معشوق کی طرح
 گر مفت بھی ہوں تو نہیں کوئی خواست کار
 اب کون جز حضور ہے ایسا جہان میں
 جس کو ہو رحم جانب دل ہائے بے قرار
 بس اے نسیم! روک زبانِ قلم کو تو
 دے نذر دیکھ قدوتِ خلاقِ روزگار

وقت دعا ہے عرض کتنا میں دیر کیوں
 قسمت دکھا رہی ہے دم لطف کردگار
 یا رب ہیں باغ دھرمیں جب تک دو رنگیاں
 دور خزان کبھی ہے ، کبھی موسم بہار
 دشمن ہرنگ ہرگ خزائی ہو زرد رو
 احباب چہچہوں میں رہیں صورت ہزار

(۱۵)

قصیدہ 'حسب حال عقیدت مؤلف از نتائج طبع سلیم میرزا نسیم

اے ملک السوس! کیوں کرتا ہے ہم سے امتحان
 سوچ اتنا او ستم گر تو کہاں اور ہم کہاں
 کون سا احسان کیا تھا جس کی یہ باداںش ہے
 اپنے محسن سے جو آئے لفظ رخصت ہر زباں
 وائے قسمت! ہم یہ سمجھے تھے نہ چھوٹیں گے قدم
 ہائے ناکامی یہ کیا ماماں نظر آیا یہاں
 جوش بے ثباتی یہ کہتا ہے کہ ہو عزت گزہں
 جب نہ آئے گل نظر ، بے جا ہے سیر بوستان
 آرزو ایما یہ کرتی ہے کہ چلے ساتھ ساتھ
 ورنہ لطف زندگی ہو جائے گا خواب گراں

۱۔ کرنل ایس۔ اے ایسٹ کمشنر لکھنؤ کی روانگی "یورپ ہر
 منشی نول کشور کی جانب سے نسیم دہاوی نے دو قصیدے
 لکھے جو جلسہ رخصتی میں پڑھے گئے۔ ملاحظہ ہو "تواریخ
 قادرالعصر" صفحہ ۱۶ تا ۲۰، مؤلفہ نول کشور ۱۸۶۳ ع۔

عالم ایجاد مثل گوشہ تاریک ہے
 رنج فرقت سے نظر میں دن ہے شام ہے کساں
 وہ مکان جس میں سرے محسن کی ذات پاک تھی
 کس طرح دیکھوں کہ جوش غم سے اٹھتا ہے دھواں
 باد آئے ہیں ہمیں وہ روز آغاز ورود
 جب کہ تھا ملک اودھ بمنون احسان خزان
 آدمی نایاب، گھر تاراج، ویراں ملک و دشت
 ہر در و دیوار سے پیدا صدائے الاماں
 واہ ری عمت کہ آیا دیکھ کر دل میں جو رحم
 کر دیا آجڑی ہوئی بستی کو گل زار چمن
 ہر غریب و عاجز و محتاج پر بخشش ہوئی
 بچ گئیں جانیں، ہوا دل شاد خیل بے کساں
 ہر امیر و صاحب عسرت نے پایا اک عروج
 خوش ہوئے سینوں میں دل آئیں، دعائیں ہر زباں
 غل ہوا صاحب کمشنر کی زیادہ عمر ہو
 یعنی وہ کرنیل ایمپٹ رونق ہندوستان
 مل گئی جاگیر، جو جو ہاں تعلق دار تھا
 فیصلے ہونے لگے، پرسوں کے جھگڑے ہر زمان
 تھے جو ظالم اُن کو پاداش عمل اپنی ملی
 عاجزوں کے شکر کرنے کو ہوئی گویا زباں
 کثرت سامان راحت سے نہ تھا یہ وقت یاد
 یعنی اک دن اس چمن پر آئے گی باد خزان
 دفعۃً شہرہ ہوا رخصت طلب صاحب ہوئے
 سبتے ہی جاتے رہے ہوش و خرد، تاب و توان

آئے اشک چشم استقبال دامن کے لیے
 لب ہوئے اندوہ سے مصروف فریاد و فغان
 ہر اسیر و دوست آیا ہر استفسار حال
 یوں کہا صاحب نے تھا کسل مزاجی کچھ یہاں
 اس لیے چندے برائے سیر اپنا عزم ہے
 جلد آئیں گے بہ شرطِ خیریت اے مہرباں
 بس کہ تھا اک ہیں بھی مہذول عنایت ہر گھڑی
 دل ہوا مانند بسمل ، سوزِ فرقت سے تباں
 بے تامل بر زبان آئے یہ اشعار دعا
 یا الہی تاکہ ہے بنیادِ کاخِ آساں
 یا الہی تاکہ ہے بنیادِ ہستی کو بقا
 یا الہی تاکہ ہے سرِ ہر یہ نیلی ساٹھان
 اقتدار و عزت و اقبالِ صاحبِ کار ہے
 مدعی ہو زرد رو ، جس طرح ہو برگِ خزان
 جلد بھر تشریف لائیں تا یہ غم جاتا رہے
 آئے پھر ہابوس کو کوسوں سے خیلِ دوستان
 لکھنؤ میں دھوم ہو ہر سو مبارک باد کی
 ہو سلامی در پہ ہر ہر طفل و ہر پیر و جوان
 میں قصیدہ مدح میں آ کر پڑھوں با طبع شاد
 دیکھوں ان آنکھوں سے لطفِ ہزمِ خیل و دوستان
 اے قلم بس ریخِ فرقت سے نہیں دل کو قرار
 جوشِ غم کثرت پہ ہے کر اختصارِ داستان

(۱۶)

ایضاً

دروغا کہ یہ دور لیل و نهار
 نہیں ایک صورت پہ رکھتا ہمار
 کبھی کچھ، کبھی کچھ، کبھی کچھ رنگ
 زمانہ نہیں، قابل اعتبار
 اگر چہچہے دن کو بلبل کے ہیں
 تو ہے شب کو شبنم کی چشم اشک بار
 کوئی چشم تر یاد احسان سے ہے
 کسی جا ہے عزم سفر آشکار
 غرض تا کجا شکوۂ انقلاب
 گزر اس سے اے خامہ اکر اختصار
 رقم کر مضامین رخصت بھی چند
 کہ دل مثل سیلاب ہے بے قرار
 وہ سن کہ جس سے ملیں راحتیں
 وہ حاکم جو تھا عادل روزگار
 وہ سردار جس کے کہ در سے کبھی
 نہ محروم اٹھا کوئی امیدوار
 غریبوں پہ احسان امیروں پہ لطف
 اب ایسا کہاں صاحب با وقار
 اودھ بعد تاراج اک دشت تھا
 ہوا فیض سے اس کے پھر نوبہار

وہ مجرم جو مایوس تھے زیست سے
 قصور ان کے بخشے گئے بار بار
 رہا کون باقی وہ صاحب غرض
 نہیں جس کے نخل تمنا میں بار
 فدا آن پر اور آن کے الطاف پر
 یہ ”کرنیل ایٹ“ ہیں جو نام دار
 الہی رہے عمر و دولت سدا
 یہ جب تک کہ ہے ہستی روزگرا
 بڑھے اور بھی اوج و اقبال میں
 ملے دشمنوں کو دل داغ دار
 کہاں تک یاں لطف و الطاف ہوں
 زیادہ ہے قید سخن سے شمار
 سری پرورش کا جو آیا خیال
 ہوئی صورت مطیع نام دار
 وہ احسان کہے جن کی کچھ حد نہیں
 کہاں تک ادا شکر ہو بار بار
 تمنا تو یہ تھی کہ تا زندگی
 جدائی کسی دم نہ ہو آشکار
 رہوں یوں ہی ممنون احسان سدا
 مگر حیف اے گردش روزگرا
 وہ آنکھیں کہ جن سے یہ دیکھوں ہوں لطف
 وہ سامان رغصت سے ہوں اشک بار
 وہ دل جس میں لب رہز تھا جوش شوق
 وہ جاں تھی محبت سے جو بے قرار

انہیں یہ نظر آئی شکل سفر
 بہ جز آہ و افسوس کیا اختیار
 اللہ ہی بس اب ہے یہی آرزو
 کہ جس دم چلیں صاحب باوقار
 ترا سایہ فضل ان پر رہے
 تجھے سونپتا ہوں سرے کردگار
 ہر آئیں مرادیں جو کچھ دل میں عین
 موافق رہے دور لیل و نہار
 بہت جلد تشریف لائیں یہاں
 کہ دل دوستوں کے ہوں بھر نوبہار
 رئیس و امیر آگے بھر نذر دیں
 سنبی کوس شادی کے غل ہار ہار
 قدم سے ملیں آنکھیں احباب دوست
 خوشی سے ملیں صاحب نام دار
 ٹھہر اے قلم ختم مطلب ہوا
 دعا لکھ ہمیشہ رہے اقتدار!

(مثنوی تاریخ)

خاتمة الطبع تذکرہ ”سراپا سخن“

میر حسن علی حمیدہ صفات
 لطف رکھتی ہے ان کی ہر عبارت
 صاحب ’خلق‘ ، جامع اوصاف
 صورت آئینہ طبیعت صاف
 نثر بھی بے نظیر ، نظم بھی خوب
 دونوں فن ان کے خالق کو مرغوب
 ایک دن ان کے دل میں ہوں آیا
 شعرا کا کلام منگوایا
 فکر صافی سے اس میں دی قریب
 شکل پیدا ہوئی عجیب و غریب
 واہ کیا تذکرہ کہ جس کی دھوم
 ہند کے ملک سے گئی تا روم
 اک جہاں کو پسند دل آیا
 ایسا بھایا کہ بھر نہ کچھ بھایا
 تذکرے اور بھی ہیں یہ ہے اور
 شائق اس میں اگر کریں گے غور
 حظ وافر اٹھائیں گے کیا کیا
 لطف نو اس میں پائیں گے کیا کیا

سچ تو یہ ہے کہ جتنے ہیں استاد
 ہے ہر اک کا نئی طرح ایجاد
 سو وہ سب اس میں آشکارا ہے
 ادب آسوز ہر اشارا ہے
 جو اسے دیکھے از تہ دل
 چند دن میں ہو شاعر کامل
 لطف پیدا کرے کلام اس کا
 ملک و اطراف میں ہو نام اس کا
 دولت لازوال مہیاں ہے
 جلد لے لو متاع ارزاں ہے
 اب قلم اور رنگ لاتا ہے
 اک فسانہ نیا سناتا ہے
 صاحب مطبع اودھ اخبار
 با دل شاد و طبع گوہر ہار
 یوں مؤلف سے گرم شوق ہوئے
 اب تو کچھ ہم بھی بخود ذوق ہوئے
 لائے تذکرہ کہ وہ چھپ جائے
 رونق طبع بھی مزا دکھلائے
 سن کے ایسا کلام برجستہ
 وہ اٹھا لائے جلد سرستہ
 جب وہ آئی ملاحظے میں تمام
 انکساف نظر ہوا انعام
 شکل مضمون بہت پسند آئی
 ہر سخن نے ہمار دکھلائی

کیوں نہ ہو ، قنبرداں کنہاں ایسا
 واقعی سہریاں کنہاں ایسا
 جس کا شہرہ ہے تا بہ حد جہاں
 شوق بابوس میں ہے ہر انسان
 خاصہ گردن جھکا برائے سلام
 لکھ جناب نول کشور ہے نام
 'خلق و عدل و عطا و جود و کرم
 ایک ہے ایک ہے قزوں ہر دم
 الغرض بگد سیر حکم ہوا -
 کہ بہت جلد چھاہہ ہو اس کا
 حکم مالک ہے تھے جو سب مالوف
 اہل کار اس میں ہو گئے مصروف
 خوش نویس و مصنف عالی
 ایک ساعت نہ رہ سکے خالی
 قُرب ماہِ رجب تمام ہوا
 چھپ گیا تذکرہ یہ نام ہوا
 سہرہ تاریخ کلک مضمون ہار
 لکھ رہے اب عزیزۃ اشعار
 (۱۳۷۷ھ)

(۱)

مثنوی تاریخ تولد فرزندان ارجمند، منشی نول کشور

ز مے طالع منشی با کرم
 مایون نژاد و مبارک شیم
 درین سال فروخته و نیک فال
 خداداد بورے به آن خوش خصال
 به میلاد آن اختر پر ضیا
 بے سال کردم ز دل التیجا
 چنان در خیال سعید آمده
 چه سهر درخشان بدید آمده

(۹) ۱۲۴۸ھ

قطعات تاریخ (فارسی)

قطعه تاریخ بنام امام باڑه حکیم یعقوب

سر عدو به قواش و نویس آن چه بنامد
 دو نیم کن دل آید را که سخت و سنگین است
 چو نصف گشت بکن باز نصف بخصفش را
 امام باڑه بنا گشت، سال او این است

۱۲۶۳ھ

۱ - تاریخ وفات حکیم محمد یعقوب از منشی امیرانده "تسلیم" لکهنوی :

خامه تسلیم سال بهر وفاتش نوشت

هائے ارسطو زمان، وائے فلاطون سخن

* ۱۲۸۵ھ

(کلیات تسلیم "نظم ارجمند") مطبع نول کشور ص ۳۶۲ -

(۲)

قطعه تاریخ "مثنوی ناله تسلیم" (امیر الله تسلیم)

چون نظم نمود این قصائد
نقازه کل من ز باغ تعلیم
گفتیم نسیم سال تصنیف
"فریاد به جال فکر تسلیم"

۱۳۶۹ هـ

(۳)

قطعه تاریخ بنام مسجد و ضی علی خان

چون جناب و ضی علی خان را
حق عطا کرد ، خلق و همت و جود
در سخاوت کرم این کرم
مثل او در جهان نه همت و نه بود
شیعه پاک و جان نثار حسین
بنده خاص حضرت معبود
مسجد شکفته از نور نظر پاکدشت
بذل زر کوفه و نو بنا فرمود
جلوه گیر شد ، چو سجده گاه الام
گشت راضی رسول و حق خوشنود
بهر تاریخ سال ، گفت "نسیم"
"اهل دینی چه امر خیر نمود"

۱۳۶۹ هـ

(۴)

قطعة تاریخ وفات جناب غفران مآب حاجی
محمد مصطفیٰ خان صاحب مہتمم مطبع مصطفائی

رحمت حق لا تعد بر روح آن مغفور باد
واقعی چون مصطفائی خان ، اندرین عالم کجاست
عابد و پرہیزگار و باذل و احسن خصال
داشت این اوصاف باہم ، کر ولی گویم بجات
شوق کعبہ ناگہاں بیتاب فرمود و رہود
شد قدم بوس و بہ رخصت پامے عزمش بر نجات
بعد چندے جان مشتاق جناں سرطان گرات
با طہور عرش اعظم ، ہم مقام و ہم نواست
سال رخت را چنین گفتا ہوا خواہش ”نسیم“
آن زمین ، ہم آہاں ، کان جا قیام مصطفائی ست

۱۲۷۰ھ

(۵)

قطعة تاریخ فرزند محمد عبدالرحمان خان صاحب
مہتمم مطبع نظامی

فضل حق ہوئے بہ خان صاحب بداد
سیم و زر ہارید و ہر کس یافت مفت

۱۔ ”مصطفائی“ کے اعداد ”۲۲۹“ ہیں ، مکتوبی لحاظ سے مصطفائی
میں یا ہے اور تلفظ میں ”الف“ اس لیے کہ مصطفائی کا الف حرف روی واقع
ہوا ہے۔ الف سے اعداد ۱۲۶۱ پر آمد ہوتے ہیں لیکن نسیم نے تاریخ کوئی
کے اصول کے مطابق ۱۲۷۰ ”بی“ کے لحاظ سے صحیح نکالے ہیں۔ (مرتب)

دہدہ وا در ہزم عشرت دوستان
مدعی را طالع بیدار خفت
خواست چون سال ولادت را "نسم"
"نہ جبین و خوب رو فرزند" گفت

۱۲۷۱ھ

(۶)

قطعة تاریخ طبع دیوان میرزا مہدی علی خان صاحب

تخلص قبول

میرزا مہدی علی خان "قبول" استاد وقت
طبع شد دیوان او ، تاریخ ما کفتم سے
'صاد' و 'دال' و 'نون' 'ہے' 'زے' 'الف' 'وے' 'ہا' و 'زے'
چون 'نوند' (۱۰) جمع کف و لام ، و 'ہے' 'شد' و 'او' ، ی
یک ہزار و دو صد و ہفتاد و دو تاریخ شد
کردمش آغاز صاد و ختم آن ، ہر دال ، فے

مثنوی تاریخ طبع دیوان قبول

شعر	مثنو	عروض	مثنو	شعر
۳۰۰	پوری خامه مضمون فکر	۱۰	سکنا بد ازل بے قرار	۲۰۰
۳۰۰	پوری حسنه احوال قبول	۳۰	چرخ فیض و باده جهان حصول	۲۰
۲۰۰	پاد نازد از خم لیل و نهار	۱۰۰	بک نظر تمام چو بر حال زار	۱۰۰
۱۰	پست دم وقت فکر رسا	۲۰	بام فلک و هم چو قد سر به پا	۲۰
۱۰	پوری طبع و ز طبع رسا	۱۰	باله کچیننه ذهن و ذکا	۱۰
۳۰۰	پاسی محمود و زدل من سفر	۲۰۰	خواهی تاریخ زنده جلوه گر	۶۰۰
۳۰	پاش زلم و من سخن اوستاد	۳۰	خوایم و مزده کافش بناد	۶۰۰
۶۳۹	+	۶۳۹		
۱۲۷۲				

$$۱۲۷۲ = ۳۹ + ۱۲۳۳$$

۱ - مثنوی از ملهم تاریخ ترجمه ملخص تسلیم ص ۷۱ ، ۷۲ مطبع مطبع العلوم مراد آباد -

(۸)

قطعة تاریخ کد خدائی فرزند نواب شرف الدولہ بہادر

نیست در عالم کریم ، اکنون دگر
جان فدایت ، امے وزیر نامورا
ختم شد ، جود و سخا پر ذات تو
چون مصیبت پر من خستہ جگر
امے خوشا وقتی کہ بعد از مدتی
رسم شادی آمدہ پیش نظر
تا ابد محفوظ نوشاہ و عروس
بگذرد در خوش دلی شام و سحر
سال شادی عرض می سازد "نسم"،
باد زیبا صحبت شمس و قمر

۱۲۷۳ھ

قطعة تاریخ طبع زاد شاعر جادو بیان استاد زمان

محمد اصغر علی خان متخلص بہ "نسیم"

قدامے منشی والا ہم ، رئیس زمان
کہ ہر بشر بہ جنابش بہ خواہش احسان
بہ فیض حاتم وقت و "نول کشور" بہ نام
ہزار گونہ ز لطفش بہ جسم و جان العام

۱۔ گلستان مطبوعہ مطبع نول کشور کان پور اگست ۱۸۸۰ء کے
آخری صفحہ ۱۲۳ پر ایک قطعہ تاریخی (مثنوی) نسیم کا فارسی
میں درج ہے جس سے ۱۲۷۷ھ برآمد ہوتے ہیں۔

ز نور چہرہ و تا ہا تمام عالم تاب
 چو روئے سہر نہ از شام خواستگار نقاب
 نغان بہ لب بہ حجاب بشر ملک آمد
 گر غلط نہ کتم اختر از فلک آمد
 چو صبح روشن و چون شام پردہ پوش جہان
 چو جسم ظاہر و چون روح از نظر بہان
 اشارتے شدہ روزے بہ عالم دوران
 الیم صحبت خاص و شریک در احسان
 کہ آئے پگانہ عالم فقیہ عالی جاہ
 ترصد آن بہ گلستان رسد چو فیض نگاہ
 جدا شوند صحیح و غلط کہ شد باہم
 گمر بہ بند کہ فرصت زمانہ دارد کم
 بہ نام خویش کہ ہادی علی ہویدا شد
 نظر نما بہ ہدایت کہ ذوق پیدا شد
 چو حکم یافت فقیہ زمان عمل فرمود
 وہ دراز بہ یکا گردش قلم پیچود
 بہ بچند صبح کتابے چو سہر تابان شد
 ز حسن حاشیہ گنجے بہ جیب و دامان شد
 بہ دہر غفلت افتاد و شائقان در جوش
 صدائے مشتریان ہر طرف "فروش فروش"
 بہ بندہ نیز بے قید سال حکم رسید
 نہادہ شد سر تسلیم و عرض گشت ہدید
 چہ خوب مصرع تاریخ یافت نو ایجاد
 باب طبع گلستان بہار تازہ داد

[قطعہ تاریخ وفات خواجہ وزیر] از جناب مرزا اصغر
علی خان صاحب دہلوی نسیم تخلص

خواجہ وزیر شاعر ہے مثل روزگار
جان داد و بر زبان جہاں رقت ہائے ہائے
در جوش غم نسیم بہ تاریخ فکر شد
تحریر شد ، سخنور کامل ہمدرد و امے

۱۲۷۰ھ

(دفتر فصاحت صفحہ ۱۳ ، ۱۲۹۳ھ مطبع مصطفائی پد خان طبع دوم)

قطعہ تاریخ طبع دیوان وزیر (موسوم بہ دفتر فصاحت)

شریف و کامل و پکتائے وقت ، خواجہ وزیر
چو آفتاب کلاش منور و تابان
ہند خلق شد آیات طبع والایش
زمان زمزمہ ہا عندلیب ہندستان
چکیدہ انجہ زککش دم خیال سخن
اسیر دام مضامین شدند پیروجوان
بہ سال طبع دلم ، امے "نسیم" ایما کرد
ہکو کلام وزیر است لایق شاہان

۱۲۷۲ھ

(دفتر فصاحت ص ۲۶۳ مطبع مصطفائی پد خان ۱۲۹۳ھ)

تاریخ در نظم مثنوی طبع زاد استاد کامل فن ،
 شهنشاه اقلیم سخن ، هم پایه کلام ، میرزا اصغر
 علی خان صاحب نسیم

یا تم چون مصرع تاریخ در دور و مل
 وقت وزن اسم زائد افتاد اندر خلل
 دو الف تخفیف شد از اول خا بعد لام
 ماند از اخلاق خلق محسنی ترکیب نام
 بحر فیض خالق نفعی داشت ، حکم طبع داد
 خاطر عالی جناب منشی والا نژاد
 واقعی اکنون نظیر او نه باشد در زمان
 روی او خورشید و عکسش بر فراز آسمان
 شهباش در چار اطراف جهان سر در کشید
 حسرتی جا کرد بر دل هر که احسانش نه دید
 همت و خلقتش بسا افزون ز تجویز خیال
 خامه سرگردان و مضمون را سمنای کمال
 لطف او چون وصف من هرگز نه گنجد در گمان
 مدعی تا عمر دیگر هم کند گر امتحان
 الغرض اوصاف ذاتش را بگو انجاسی نه بود
 بحر تاریخ که ذکرش شد خیالم در کشود
 یا تم اعداد سال هجریش چون بے خلل
 خوش رقم کردم چهانا در کتابی بے مثل

- ۱- تفریظ از منشی امیرالله تسلیم لکهنوی
- ۲- قطعات تاریخی از اصغر علی خان نسیم دهلوی
- ۳- قطعات وفات نسیم دهلوی از متفرق شعرا
- ۴- خاتمة الطبع
- ۵- قطعات تاریخی طبع کلیات نسیم
- ۶- تشریحات

تقریظ از منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی

نسیم انفاس افلاکیان ایسے چمن آرا کے گل توحید سے
 نکلتے فروش ہے کہ جس نے تختہ خاک کو لالہ رخاں سبزہ رنگ
 سے دامن گچین بنایا ۔ شمع منیل آہ خاکیان ایسے چار پیرا کے
 رباحین تحسید سے نالہ در آغوش ہے کہ جس نے گل خورشید
 کو طرہ دستار افلاک فرمایا ۔ چمنستان سخن آبیاری نعت آس
 سرچشمہ ہدایت سے شاداب ہے کہ جس کے زلال بشارت ”چنات
 تجری من تحتہ الانہار“ نے تشنگان وادی ارادت کو میراب کیا ۔
 گلستان معانی آب جوی منقبت آس رنگ طراز نبوت سے ”سبزہ“ ہے کہ
 جس کے غل نمنا کو باغبان قدرت نے آبشار ”انا اعطیناک الکوثر“
 سے آب دیا ۔ صدر نشین مسند ”قاب قوسین او ادنیٰ“ سرور عالم
 محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ثمر نورس شاخ قلم
 گل نشانی درود آل اطہار ہے کہ جن کے فیض قدم سے حدیقہ
 خزان رسیدہ عالم نے مرتبہ سخن فردوس کا پایا ۔ برگ و بار
 گلہں زبان ستائش صحابہ کبار ہے کہ جن کے حسن تدبیر نے
 خیابان ہدایت کو خار ضلالت سے پاک فرمایا ۔ آوارہ کوی ناکامی
 نام آور عالم گم نامی خار چین گلشن طبع سلیم شیخ امیر اللہ تسلیم
 ارباب سخن کی خدمت میں التماس آرا ہے ، چہرہ شاہد مضمون نو
 سے نقاب کشا ہے ؛ یعنی ۱۲۳۴ ہجری میں شاعر رنگین بیان ،
 نکتہ ور رشک ”حبیبان“ ، ہم ہایہ قلسی وکیم جناب میرزا محمد اصغر علی
 خاں نسیم ، ابن نواب آغا علی خان قاجار ، شاگرد جناب حکیم محمد موسیٰ
 خاں اسکندہم اللہ فی فرادیس الجنان ، خطہ پاک دہلی سے لکھنو
 میں تشریف فرما ہوئے ۔ غلغلہ شبوا بیانی آوازہ نکتہ دانی بلند ہوا ،

اکثر صغار و کبار و امراء روزگار فیض یاب تلمذ حضرت والا ہوئے۔ ہر طرف شاعری کی دھوم ہوئی، معاملہ بندی کی حقیقت معلوم ہوئی۔ فصاحت نے سب کی زبان پر زہر کھایا، بلاغت نے زمین شعر کو آہان بنایا۔ واقعی چستی بندش میں کچھ کلام نہیں، زوائد کا کبھی نام نہیں، با این همه خدام والا کو کبھی ترتیب دیوان کا خیال نہ آیا، بہ سبب وارسہ مزاجی اور عالی ہمتی کے کچھ فراہم نہ فرمایا۔ ہر بارے جگر صورت دل پریشان ہو گیا، صفحہ عالم سے مثل خیال باطل بے نشان ہو گیا۔ کئی مشوہاں موزوں فرمائیں، کوئی ناکام رہی، کسی کا پتا نہیں۔ ایک جلد ”الف لیلہ“ کی باقی رہی۔ نظر ثانی کی نوبت نہ آئی، چھپ گئی۔ آخر کو ۱۲۸۲ ہجری میں چہار دہم ماہ رمضان المبارک کو دار فانی سے برخاستہ خاطر ہوئے۔ حرم حرم عالم جاوداتی میں لبیک گویاں حاضر ہوئے۔ ہر ایک کی زبان پر ”اللہ و انا الیہ راجعون“ آیا شعرو سخن کو خاک پر سر، داغ پر دل پایا۔ اکثر شاگردوں دوستوں نے تاریخیں وفات کی موزوں فرمائیں۔ ذیل تحریر ہذا میں سمت انراج ہائیں۔ الحال امیر اعظم رئیس معظم افسر ملک معانی، فرمان فرماے کشور سخن دانی، جناب نواب محمد تقی خان بہادر دام اقبالہ ابن نواب صادق علی خان ابن نواب اصغر علی خان ابن نواب محمد علی خان بہادر سالار جنگ سرد اللہ مضجعہم نے کچھ کلام پرچہ پرچہ جاہجا سے فراہم کیا، بکمال شوق و سعی نہایت ایک دیوان ترتیب دیا کہ استاد مغفور کا بعد وفات کچھ یادگار رہے، بے نشان ہو کر بھی چندے نشان برقرار رہے۔ مطبع مصطفائی میں چھپنے کی اجازت دی، مصارف کی کفالت کی۔ اللہ تعالیٰ ایسے رئیس باہمت اور شاگرد استاد پرست کو سعادت ازلی عطا فرمائے۔ کولین میں ترقی جاہ و دولت سے سرفراز و ممتاز رکھے۔ آمین یا رب العالمین۔

قطعات تاریخ وفات

از جناب تدبیر الدوله مدبر الملک منشی
میر مظفر علی خان بهادر جنگ اسیر
تخلص شاگرد غلام همدانی مصحفی

میرزا آن که بود کشور دهلی وطنش
صاحب علم و زبان دان و خردمند و فهم
رفت از دار فنا جانب فردوس برین
باد در مرتبه قرب خداوند علم
سال تاریخ وفاتش قلم کرد رقم
شد به حوران ارم از چمن دهر نسیم

۵۱۲۸۲

از منشی آغا علی صاحب تخلص شمس شاگرد جناب
قاضی محمد صادق خان اصغر

نسیم دهلوی اصغر علی خان شاعر نامی
چو از دنیا روان شد جانب جنت به صد عزت
تاریخ وفاتش گفت شمس این مصرع موزون
نسیم دهلوی جان نسیم گلشن جنت

۵۱۲۸۲

از نتایج طبع سید کاظم حسین صاحب تخلص تنویر
شاگرد جناب میر علی اوسط صاحب رشک

نسیم دهلوی (آن) عندلیب گلشن فکر
به باغ خلد روان شد چو شبیم سحری

چو بود شاعر رنگین کلام و رنگین طبع
 پریده بلبل روحش شد از حیات ببری
 چو هام شد خبر مرگ او به گلشن دهر
 ز بلبلان سخن شد غروش نوحه گری
 سر بکا زده تاریخ گفتم اے تنویر
 نسیم شد به هوا داری ارم سفری

*۱۲۸۲

از فتاح طبع نواب محمد تقی خان صاحب تخلص افسر
 شاگرد نسیم دهلوی

چو اصغر علی خان استاد کامل
 سوے خلد رفتند زین دار فانی
 دم تکر افسر ہے سال رحلت
 نوشتم ز ملک سخن شد معانی

*۱۲۸۲

از نتائج طبع علی محمد خان صاحب تخلص ولی شاگرد
 نواب ظفر یاب خان صاحب

چو اصغر علی خان سوے خلد شد
 خزان دیدہ شد باغ شعر و سخن
 ولی بہر سال وفات نسیم
 بگو ہائے استاد ملک سخن

*۱۲۸۲

طبع زاد فدا علی صاحب عیش شاگرد جناب
میر کلو صاحب عرش

رفت ہے ہے نسیم در جنت
بود استاد نکتہ دان شاعر
عیش بنوشت سال در معجم
مرداے وای خوش بیان شاعر

*۱۲۸۲

از نواب فضل علی خان بہادر عرف لاڈلی صاحب
تخلص شوق ابن نواب ذکاء الدولہ بہادر

چون نسیم دہلوی یکتاے عصر
زہں جہاں رخت سفر پرست ہاے
سال رحلت شوق خستہ دل نوشت
اوستاد ما ز دنیا رفت وای

*۱۲۸۲

از نتائج فکر میرزا مرتضیٰ بیگ عرف مچھو بیگ
صاحب تخلص عاشق شاگرد نسیم دہلوی

شد جانب خلد اوستادم عاشق
شاہنشہ اقلیم معانی ام آہ
ہائے تاریخ انتقالش فرمود
شاعر بی مثل بود اناللہ

*۱۲۸۲

طبع زاد مولوی باسط علی صاحب تخلص شوکت
شاگرد نسیم دہلوی

حیف نسیم دہلوی سوئے جاناں ہوئے روان
صرصر مرگ سے ہوا خشک نہال شاعری
شوکت خستہ دل ہیں سال وقات اب لکھو
آہ جہاں سے آئے کیا آج کمال شاعری

۸۱۲۸۲

طبع زاد لالہ خیراتی لال صاحب تخلص شگفتہ
شاگرد نسیم دہلوی

مثل نکبت نسیم استاد
گلزار جہاں سے جل بسے دے
لکھی تاریخ اے شگفتہ
استاد و شفیق و مہرباں ہاے

۸۱۲۸۲

بلبل گلزار سخن شادی لال چمن شاگرد نسیم دہلوی

چوں ز حکم خدائے پاک نسیم
یافت ناکہ بیاغ جنت جاے
از سر درد اے چمن بنویس
وایے بے استاد کشم وایے

۸۱۲۸۲

از نتیجہ طبع شیخ محمد حسین صاحب تخلص لال
شاگرد نسیم دہلوی

چون نسیم سخن ور کامل
زین جهان الم نزا رفته
سال رحلت ملال محزون گفت
وای استاد من کجا رفته

*۱۲۸۲

از مرزا اصغر علی بیگ صاحب تخلص گوهر
شاگرد نسیم دہلوی

آج دنیا سے نسیم دہلوی
لے گئے تشریف اے دل ہائے ہاے
یہ لکھی گوهر نے تاریخ وفات
شاعر ۔۔ مثل و کامل ہائے ہاے

*۱۲۸۲

—————

خاتمة الطبع

حمد بے نہایت ایسے سخن آموز ازل کو سزاوار ہے کہ جس نے دو "حرف کن" سے مطلع کونین کو موزوں فرمایا اور نعت بے غایت ایسے افصح عرب و عجم کو لائق ہے کہ جس نے حشو اصنام سے بیت کعبہ کو خالی کیا ، صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم - اور مثبت بے شمار آن رکن رکین خلافت ، مربع نشین چار بالمش امامت کو زیبا ہے کہ جو مانند چار مصراع رباعی کے باہم جیب و داماں تھے - ہمیشہ نظم و نسق دین متین و بلند آوازگی شرع مبین میں عرق افشاں تھے -

بعد حمد و نعت کے مژدہ چمن آرایان معانی کو ، نوید بخل ہندان سخن دانی کو کہ آج کل آب یاری لطف باری سے نسرین خیابان فکر متبی ، گل سرسید مقال رنگیں ، اعنی دیوان ہلبل گلستان رنگیں بیانی ، نغمہ سرانے نکتہ دانی ، ہم ہایت قدسی و کلام ، جناب غفران مآب میرزا محمد اصغر علی خان صاحب دہلوی تخلص نسیم ، شاگرد حکیم محمد موسیٰ خان اسکنہم اللہ فی فردا پس الجنان ، آب شار سنگ صنعت کار پردازان مطبع مصطفائی سے ماہ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۵ ہجری - میں شاداب ہو کر گل دستہ بزم سخن و ران جہاں نکبت فروش مشام معنی پروران زماں ہوا - فی الواقع یہ مختصر ایک حرف ہے دفتر کمال ہے ، نقطہ فرد ہے دیوان خیال ہے - ہر چند اس کے مؤلف نے سعی بلیغ فرمائی لیکن تدبیر کام نہ آئی - کہیں سے کلیات میسر نہ ہوا ، کسی طرح فراہم مجموعہ اہتر نہ ہوا - یاروں نے کمی کی ، نہایت بخل طبعی

کی ، بہ قول نعیم : مصرع

غیر ممکن ہوا نکمہت برباد کا

ناچار اسی قدر جمع ہونے کو غنیمت سمجھے ، سرمہ چشم بصیرت
سمجھے ، تاریخی طبع کی دوستوں ، شاگردوں نے سوزوں فرمائیں
خاتمے میں سمت اندراج ہائیں ۔

قطعات تاریخ طبع کلیات نسیم دہلوی

(۱)

از میرزا مسلم شیرازی تخلص مبتلا

حمد للہ طبع شد در مطبع شخص کرم
ابتدا دیوان استاد سخن سرزا نسیم
بارک اللہ ، مرحبا ، از طبع گوهر زائے او
لوحش اللہ ، سفته فکر او چہ خوش در بتم
از سواد حرف شعرش دیدہ می یابد ضیا
معنی مضمون دہد جان بر تن عظم ریم
دلبرے تاریخ او برسید ، گفتم مژدہ باد
”طبع کردید اے نگارم تازہ دیوان نسیم“

۵۱۲۸۵

(۲)

از میر وزیر نور تخلص شاگرد میرزا محمد رضا برق

چہا عہدہ جو دیوان نسیم دہلوی شاعر
ہوا سال بنائے طبع کا سر کو سرے سودا
جن میں صبح دم میں جو بے گل گشت جا نکلا
صدا دی عندلیبوں نے ، کروائے نور فکر اس جا
طبیعت تھی جو آمادہ سری رنگیں یانی ہر
تو اوراق گل تر ہر کہے اشعار کچھ انشا
گل مضمون چنے میں نے جو گل زاو معانی سے
گل تازہ دم نکر سخن ہاتھ آئے ہی کیا کیا

شکفته صورت غنچه هو تاریخی کوئی مصرع
 کہا دل نے "کھلا باغ نسیم دہلوی اچھا"

۸۱۲۸۵

(۳)

از منشی محمد امداد حسین صفیر لرخ آبادی شاگرد بحر

طبع چون گردید دیوان "نسیم" خوش بیان
 کرد مضمون دل آویزش آسون سامری
 مصرع تاریخ او گفته "صفیر" خستہ حال
 آئندہ شد گلشن فکر نسیم دہلوی

۸۱۲۸۵

(۴)

از میرزا باقر حسین بلیغ فرخ آبادی شاگرد صفیر
 فرخ آبادی

بہر دیوان نسیم خوش فکر
 بلب طبع چہ سالش جوان
 گوش کن حرف کہ گفت ست بلیغ
 کل کل زار معانی کوئی

۸۱۲۸۵

(۵)

از منشی احمد حسین عرف منشی امیر اللہ تخلص تسلیم
شاگرد رشید نسیم دہلوی

خدا کے فضل سے یہ انتخاب دفتر معنی
نہایت حسن سے چھپ کر قریب ختم آیا ہے
عجب جوبن ہے جدول پر ، عجب عالم ہے حرفوں پر
کہ ہر نقطہ ، دل ارباب معنی کا سوہدا ہے
بیاض و سطر دونوں دل رباعی اہل بینش میں
سیدی ہے رخ سلمیٰ ، سیاہی زلف لیلیٰ ہے
تصور پا نہیں سکتا ، سراوج بلاغت کو
زمین شعر کو بھی آسماں گویا بنایا ہے
ادا ، شوخی ، نزاکت ، لطف ، حسن بندش مضمون
بتاؤں ہم نشین کیا کیا کہ ان شعروں میں کیا کیا ہے
خیال آیا ہے تاریخ آئے تسلیم جب مجھ کو
کہ اکثر یہ دل مضطر کا اپنے خاص شیوا ہے
منا مصرع یہ استاد ازل کے منہ سے بے منت
چھپا دیوان کہ تصویر معانی کا سراپا ہے

۱۲۸۵ھ

(۶)

از منشی اشرف علی اشرف شاگرد نسیم دہلوی

جو طبع گشت بہ فضل خدائے بے ہمتا
کلام شاعر عالی وقار و رشک کلیم

نمود فکر بے سال او دل اشرف
خرد بگفت ریاض کلام ہاک نسیم

۱۲۸۵ھ

(۷)

از نواب محمد تقی خان تخلص افسر شاگرد
نسیم دہلوی

طبع چون گردید این دیوان ہاک
از کرم ہائے خداوند کرم
فکر افسر از بے تاریخ آن
گفت "زیبا گبین باغ نسیم"

۱۲۸۵ھ

(۸)

از شیخ فدا علی تخلص عیش شاگرد میر کلو
تخلص عرش

چہا دیوان ، نسیم موجد طرز فصاحت کا
کہ جو تھے غیرت فردوسی و سعدی و خاقانی
ہر اک مصرع غزل کا سرو گل زار معانی ہے
چار طبع رنگیں ہے ، خجل گل ہائے بستانی
نئے مضمون ، نئے معنی ، نئی بندش ، نئی لفظیں
سراہا ہر غزل تصویر ہے ، کہتا ہے یہ "ہانی"

حروف معجزہ میں ”عیش“ نے تاریخ یوں لکھی
چھپا کیا ہی کلام دل کش استاد لاثانی

۱۲۸۵ء

(۹)

از منشی گوبند پرشاد ”فضا“ شاگرد
منشی مینٹو لال ”زار“

طبع شد چون کلام بلبل عند
از عنایات بے نیاز قدیم
سال طبعش ”فضا“ چنیں پنوشت
”اس شگفتہ، گل بہار نسیم“

۱۲۸۵ء

(۱۰)

از منشی جوالا شنکر تخلص ”امیر“ شاگرد
”نسیم“ دہلوی

چھپ چکا، فضل خدا ہے آج ارشاد ”نسیم“
جس کا ہر مصرع ہے رنگینی میں لعل ہے بہا
روئے اندیشہ ہے ہر سال تاریخ اے ”امیر“
”مطلع خورشید ہے“ ہاتھ نے یہ مجھ سے کہا

۱۲۸۳-۱۲۸۵ء

(۱۱)

از حکیم فخرالدین حسین تخلص ”فخر“ شاگرد ”تسلیم“

جب یہ مرقع شعر کا ، تیار چھپ کر ہو چکا
خوبی کو جسکی دیکھ کر رنگ آڑ کیا ”مائی“ کا ہے
کی جستجو تاریخ کی ، یوں ”فخر“ نے مصرع لکھا
اے دل چھپا دیوان یہ ، ہم فکر خاقانی کا ہے

*۱۲۸۵

(۱۲)

از شیخ محمد حسین تخلص ”ملال“ شاگرد نسیم دہلوی

ہوا طبع دیوان استاد کا
جسے کہتے ہیں اہل فن ، مستند
لکھو سال تاریخ تم اے ”ملال“
چھپا دفتر بے مثال اہد

*۱۲۸۵

(۱۳)

از مرزا اصغر علی بیگ تخلص ”گوہر“ شاگرد
نسیم دہلوی

چھپا جب یہ دیوان راحت فزا
نسیم سخن سنج آزاد کا
لکھا کلک ”گوہر“ نے مصرع سال
نتیجہ یہ ہے فکر استاد کا

*۱۲۸۵

(۱۴)

از میر عطا حسین تخلص ”نیر“ شاگرد عبداللہ خان
”مہر“

واہ کیا خوب یہ چہا دیوان
جس سے روشن ہوا، چراغ ”نسیم“
طبع کا سال آس کی، اے ”نیر“
کہے دیوان ہے ہا کہ باغ ”نسیم“

*۱۲۸۵

از حسین مرزا تخلص ”ثریا“ شاگرد عبداللہ خان
”مہر“

اے ”ثریا“ نہیں کلام ”نسیم“
نور آئینہ ضمیر ہے یہ
لکھ جی اس کی طبع کی تاویخ
”واہ دیوان بے نظیر ہے یہ“

*۱۲۸۵

تشریحات

(۱) لہجہ نے اتحاد رمل اور خبن کی مثال میں مصرع ثانی پیش کیا ہے : ”فاعلاتن فعاتن فعاتن فعاتن“ - صہبائی اسے رمل مشن خبنون مشعث مقصور قرار دیتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں : ”صدر“ سالم ہے اور ”ابتدا“ اور ”حشو“ دونوں مصرعوں کے خبنون اور عروض اور ضرب مشعث مقصور یعنی فاعاتن میں سے حرف متحرک ”وتد“ کا بسبب تشعیث کے گرا اور دونوں سبب ”قصر“ کے گر کر ما قبل اس کا ساکن ہو کر فاعات یا فالات باقی رہا ۔ اس کو فعاتن سے بدل کر لیا ۔ اور عروض اور ضرب میں فعلن سکون عین یا کسرہ عین سے یا فعات کسرہ عین سے بھی درست ہے۔“ (ترجمہ حدائق البلاغت ، ص ۱۳۱ ، مطبع منشی نول کشور)

رمل مشن خبنون کی مثال صہبائی نے یہ دی ہے :

یار کا چہرہ رخشاں ہے دلا رشک دہ گل
فاعلاتن فعاتن فعاتن فعاتن

منشی مظفر علی اسیر لکھنوی ”فاعلاتن فعاتن فعاتن فعاتن“ کو رمل مشن خبنون مقصور قرار دیتے ہیں اور مثلاً یہ مصرع پیش کرتے ہیں :

باغ دانش ز سحابِ کرمت ہست نصیر

رمل مشن خبنون محذوف کی یہ مثال دی ہے :

کاش پیش از ملک الموت رسد نامہ برے
فاعلاتن فعاتن فعاتن فعاتن

رمل مشن مخبون کی وضاحت میں یہ مصرع ہے :

خندہ' برہاکی دامن زلیخا دارد
فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلا

آگے جا کر رمل مشن مخبون کی مثال میں یہ مصرع ملتا ہے :

مگسے نیز نہ خواہم کہ کند سایہ بران لب
فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلاتن

(شجرة العروض ، ص ۳۸ ، ۳۹ ، مطبع نول کشور)

نجم الفنی بھی رمل مشن مخبون فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلاتن
دوبار قرار دیتے ہیں اور وضاحت کرتے ہیں :

”یہ سب ”خبن“ کے حرف دوم ساکن سبب خفیف کا
گر کر بجائے ”فاعلاتن“ ”فعلاتن“ رہ گیا ۔ اگرچہ یہ وزن
”بحر کاسل“ مقطوع سے مشتبہ ہے ، اس لیے کہ اس کا رکن ”قطع“
کے بعد ”متفاعل“ جس کو ”فعلاتن“ سے بدل لیتے ہیں مگر
اس وزن کا ”رمل“ میں شاہد کو فنا پتر ہے کیوں کہ ”رمل“
میں فعلاتن بدل کر نہیں آتا ہے ۔ ۔ ۔ اور رکن اول سالم بھی
آتا ہے اور یہ دلیل ہے اس بات پر کہ ارکان شش حرفی
ارکان اصلی دائرے میں نہیں ہیں بلکہ سیاعی کی فرع ہیں ،
اس لیے کہ جب اکثر ارکان سداسی ہائے گئے اور ایک سیاعی ،
اور سیاعی سے زحاف ”خبن“ کی وجہ سے سداسی بنتے ہیں ،
تو معلوم ہوا کہ ارکان سداسی دائرے میں دراصل سیاعی ہیں ۔

۱۔ اول الذکر مصرع خندہ الخ سہو کتاتہ ہے اور یہ مثال

رمل مشن مخبون محذوف مسکن کی ہے ۔ (فائق)

ہم جن عروضیوں نے ”رمل سالم“ اور ”رمل مخبون“ کو علاحدہ علاحدہ بحر قرار دیا ہے یہ اُن کی رائے تحقیق کے خلاف ہے۔ مثال :

میں شہید اُس لبِ لعلیں کا ہوں ہم دم مرے خوں سے
سنگ ریزوں میں بھی ہو لعلِ ہلخشاں کی سی رونق
ہم سے جاں باز بھی ہے کوئی بشر دیکھیں تو جاننا
رکھ دے اُس تیغِ جفا کے تلے سر دیکھیں تو جاننا

پہلے شعر کے عروض و ضرب میں فعلاتن ہے اور دوسرے شعر میں فعلیاں ہے۔

(بہر الفصاحت ، ص ۱۹۸)

اب رمل مشن مخبون مشعت مقصور کی بحث ملاحظہ ہو :
”فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلاتن“ یہ سکون عین دوبار بہ سبب
خبس کے فاعلاتن سے فعلاتن رہ گیا اور تشعیت سے مراد یہ ہے
کہ ”وتد مجموع“ کے پہلے حرف متحرک کو اور ایک قول
کے موافق ”وتد مجموع“ کے دوسرے حرف متحرک کو
گرا دینا اور ایک قول کے مطابق ”وتد مجموع“ کے ساکن کو
گرا کر اُس کے ماقبل کو ساکن کر دینا اور ایک قول کے مطابق
اول فاعلاتن میں ”خبس“ کر کے پھر وتد مجموع کے حرف
اول کو ساکن کر دینا۔ پس ”فاعلاتن“ سے فالاتن یا فاعلتن
یا فاعلتن بہ سکون لام یا ”فعلاتن“ بہ سکون عین رہا۔ اور
بہ سبب قصر کے فون گر کر ”فالات“ یا ”فاعات“ یا ”فاعلت“
بہ سکون تا ولام بہ فعلات بہ سکون عین مشعت مقصور ہوا۔
اس کو فعلاتن ساکن العین سے بدل لیا۔ خواجہ نصیر الدین
محقق طوسی کے قول کے موافق فعلاتن کو مشعت مقصور نہیں

کہہ سکتے اس لیے کہ یہاں خبن لازم ہے ۔ پس ”فعلاتن“ خبنوں کو مسکن و مقصور کیا ہے ۔ مثال :

نظیر :

یہی دل ہے کہ ہوا تھا نہ کبھی بھی غم ناک
وہی دل ہے کہ ہوا تیغ قضا سے صد چاک

رمل مشن خبن مقصور ۔ فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان ۔ عین کے کسرے سے دوبار ۔

غالب :

تہش دل نہیں ہے رابطہ خوفِ عظیم
کششِ دم نہیں ہے ضابطہ جبرِ ثقیل

(بحرالقصاحت ۱۹۸ ، ۱۹۹)

مذکورہ بالا آرا سے رمل مشن خبنوں کے جو اور بھی زحافات نسیم نے برتے ہیں وہ واضح ہو جاتے ہیں ۔

(۲ تا ۶)

رکن اول مصرع اول را ”صدر“ گویند و رکن آخر مصرع اول را ”عروض“ و رکن اول مصرع دوم را ”ابتدا“ و ”مطلع“ و رکن آخر مصرع دوم را ”ضرب“ و ”عجز“ و ہر رکن کہ در میان این ہر چہار ارکان باشد آن را حشو نامند ۔

(ص ۲۸۵ غیاث اللغات مطبع نول کشور)

(۷ و ۸) ”تحقیق“ و ”تخنیق“

یہ بھی جاننا چاہیے کہ زحافات تین قسم کے ہیں ؛ ایک وہ جو بیت میں سب جگہ آتے ہیں اور وہ یہ چھ ہیں : خبن ۔ طے قبض ۔ کف ۔ خبل ۔ شکل ، مکر کف اور شکل اور خبل

”عروض“ و ”ضرب“ میں نہیں آتے ۔ یہ زحاف چوں کہ کسی خاص مقام سے خصوصیت نہیں رکھتے ، اس وجہ سے ان کو عام کہتے ہیں ۔ دوسرے وہ کہ صدر و مطلع سے مخصوص ہیں اور باقی ارکان میں نہیں آتے اور وہ پانچ ہیں : خرم ، ظلم ، خرب ، شتر ، ثرم ، مگر استعمال عرب میں یہ پانچوں زحاف صدر و مطلع سے مخصوص ہیں ۔ اہل فارس و ریختہ نے ان کو کسی مقام سے مخصوص نہیں رکھا ۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی ”خرم“ و ”ظلم“ کو ”عروض“ و ”ضرب“ میں بھی استعمال کر جاتے ہیں ۔ البتہ جس وقت ”حشو“ وغیرہ میں ”خرم“ کرتے ہیں تو اُس وقت ”خرم“ نہیں کہتے ، ”تختیق“ کہتے ہیں اور رکن کو بجائے ”اخرم“ کہنے کے ”تختیق“ بولتے ہیں ۔ اور ”تختیق“ خائے نقطہ دار اور نون کے ساتھ کلا کھوٹنے کے معنی میں ہے ۔ ”حدائق معجم“ میں اسی طرح لکھا ہے ۔ لیکن علامہ نقش بند نے ”شرح خزرجیہ“ میں خائے مہملہ اور ہائے موحده کے ساتھ بیان کیا ہے اور ”تختیق“ کے معنی جمع کرنا ہیں اور اس صورت میں رکن کو ”محبق“ کہنا چاہیے ۔ مگر مشہور خائے نقطہ دار و نون ہی سے ہے ۔ اور باقی چار زحافوں کا نام بھی نہیں بدلتے ۔ پس اہل فارس و ریختہ کے استعمال میں بجائے چو زحاف کے گیارہ زحاف عام ہیں ۔

تیسرے وہ جو عروض و ضرب سے مخصوص ہیں اور باقی ارکان میں نہیں آتے ، اور وہ تیرہ ہیں : قطع ۔ حذذ ۔ اذالہ ۔ ترفیل ۔ خلع ۔ وقف ۔ کسف ۔ صلم ۔ قصر ۔ حذف ۔ تسبیخ ۔ بتر ۔ تشعیث ۔ پچھلی دونوں قسموں کے زحاف خاص کہلاتے ہیں ۔“

(بحر الفصاحت ، ص ۱۶۵ ، از نجم الغنی خان)

(۹)

خرم - بہ فتح خاے معجمہ و سکون راے مہملہ - لغت میں اس کے معنی اونٹ کے نتھنے میں حلقہ ڈالنے کے ہیں اور اصطلاح میں مراد ہے اسقاط حرف اول و تد مجموع سے جو رکن کے اول میں واقع ہو -

(بحر الفصاحت ص ۱۴۲ از نجم الغنی خاں)

خرم - بالفتح و راے مہملہ - شکستن پرہ بینی اسقاط حرف اول از و تد مجموع کہ در رکن آید -

(۱۰)

خرم * بالفتح و زائے معجمہ - حلقہ در بینی شتر وغیرہ کردن یک حرف یا دو یا سہ یا چہار حرف زیادہ کردن در اول مصراع کہ در تقطیع شمار نہ کنند و ابی مخصوص (بہ) اشعار عرب است و در فارسی ہم قدا یک حرف آورده اند - استعمال متاخرین نیست - (شجرة العرض ، ص ۲۲ ، مطبع نول کشور از مظفر علی اسیر نیز دہکھیے غیاث اللغات ص ۲۴۳ مطبع نول کشور)

(۱۱)

”روی“ راے مہملہ کے فتح اور واو کے کسرے اور ہاے معروف سے ، لفظ کے آس حرف آخر کو کہتے ہیں جو مصرع یا بیت کے آخر میں واقع ہوا ہو ، اور یہ حرف مکرر آتا ہے اور قافیے کی بنیاد اسی پر ہوتی ہے - اور یہ حرف اکثر اصلی ہوتا ہے

جیسے 'امیر کے اشعار میں حرف میم - کبھی حرف زائد کو بھی
اصلی کے حکم میں کر لیتے ہیں مثلاً :
مرزا محمد تقی خاں ہوس :

مزروع میں ہے میرے خشک سالی

جو (ن) کوئی صدف ہو در سے خالی

(بحر الفصاحت ص ۲۸۳ از نجم الغنی خاں مطبع نول کشور ۱۹۲۶ ع)
(مرتب)

وقت رفتار ہے زر ریز عجب قیض قدم

نقش پا راہ میں بن جاتے ہیں دینار و درم

(بحر الفصاحت ص ۲۸۳)

ضمیمہ (۱)

نسیم کے دیوان میں جو قصائد ہیں وہ صرف مدحیہ ہیں۔
 نسیم کے حمد اور نعت اور منقبت کے قصائد اس دیوان میں نہیں
 پائے جاتے ہیں۔ نسیم کا پورا کلام طبع نہ ہو سکا اس لیے قیاساً
 یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ان موضوعات پر ضرور قلم
 اٹھایا ہوگا۔ موجودہ قصائد کی تقسیم بمدوحین کے لحاظ سے
 اس طرح ہے :

۱۔ دو قصائد در مدح واجد علی شاہ اختر۔ ۶۹ اشعار کا
 پہلا قصیدہ :

بیرہن میں ہے مرا شاہد مضمون پنہاں
 دائرہ مثل گریبان ہے تو کاغذ داماں

۷۲ اشعار کا دوسرا قصیدہ :

بہر ترتیب سخن دو حرف بھی ممکن کہاں
 لفظ کی ترکیب کو محتاج ہے حسن بیان

۲۔ چھ قصیدے نواب شرف الدولہ مظفر الملک محمد ابراہیم
 خان بہادر مستقیم جنگ کی مدح میں ہیں۔ اول قصیدہ
 ۸۲ اشعار کا ہے۔ اس کا مطلع ہے :

کیوں نہ گنجائش مضمون میں نظر آئے خلل
 مختصر جیب ابد، تنگ ہے داماں ازل
 قصیدہ دوم ۸۳ اشعار کا ہے جس کا مطلع ہے :

شوخیوں کوئی ہے کیا کیا دم دیدار نظر
شرم کہتی ہے مجھے گی مری عصمت کیوں کر
قصیدہ سوم (۲۲ اشعار) میں اس طرح مدح سنجی کرتے
ہیں :

برشتگی ہے نگہ میں ، یہ گرم ہے جو بن
فروغ عارض کل ہے فنیۃ روشن
قصیدہ چہارم (۲۴ شعر) کا مطلع ہے :
کہاں ہے ایک طرح پر یہ دور لیل و نہار
کہہی ہے شام مصیبت ، کہہی ہے صبح بہار
قصیدہ پنجم (تعداد اشعار ۲۴) میں مدحت طرازی کا
آغاز اس مطلع سے ہوتا ہے :

دیکھ تو رفعت افسون بتان طرار
رشتہ قوس کی پہنی ہے فلک نے زلزار
قصیدہ ششم (تعداد اشعار ۵۵) کا مطلع اول یہ ہے :
بعد مدت فکر کا کرتے ہیں ہم آج امتحان
ایک ساعت اے فلک بن جا خدا را مہربان

۳۔ ظفرالدولہ معتبرالملک — مرفیع المزلت نواب علی اصغر
خان بہادر ناصر جنگ اصغر ، شاگرد آتش کی مدح میں دو
قصیدے کہے ہیں ۔

اول کا (۲۴ شعر) مطلع ہے :
کثرت عیش سے یہ بے خبری ہے ہر دم
کہ فراموش ہیں جو یاد تھے گردوں کو ستم
دوسرے قصیدے (۲۲ شعر) کا مطلع اولین ہے :
یہ رفعت کلام کسی کے لیے کہاں
ہر زادہ خیال ہے ہم راز آسمان

۴۔ ایک قصیدہ نواب امیر الدولہ بہادر ابن نواب رکن الدولہ

بہادر کی مدح میں ہے (۲۷ شعر)۔ مطلع ہے :

تھریر کا وقت آگیا ، لکھ نام اقدس اے قلم

نواب امیر الدولہ عالی مرتبت والا ہم

۵۔ سرزا وصی علی خاں کی مدح میں دو قصیدے شامل

ہیں۔ پہلے قصیدے (۴۴ شعر) کا مطلع ہے :

ذرا تو چین دے اور دل تجھے خدا کی قسم

کہ اور فکر میں ہے آج خاطر برہم

دوسرے قصیدے (۲۵ شعر) کا مطلع اول یہ ہے :

ہمار آئی ، کھلے ہیں غنچے ، زمردیں ہے چمن کا سامان

وظیفہ گل ہے ان دنوں میں ، ترانہ عنذلیب نالان

۶۔ ایک قصیدہ نواب حضور محل (مبتوعہ بادشاہ

اودھ ، واجد علی شاہ) کی مدح میں ہے (۲۶ اشعار)۔

نسیم کو حضور محل سے شناسائی تھی اور واجد علی

شاہ کے حضور میں پہنچنے کی پیش گوئی بھی کر چکے

تھے ، اس لیے طالب امداد ہیں۔ مطلع اول ہے :

مانند شانہ ہے خلشوں پر جو روزگار

حاصل ہے مثل زلف مجھے طول انتشار

۷۔ دو قصیدے ایسے ہیں جو نسیم نے منشی نول کشور

کی فرمائش پر کرنل ایس۔ اے۔ ایٹ کمشنر لکھنؤ

کی مدح میں لکھے ہیں۔ نسیم اُس وقت منشی نول کشور

کے مطبع میں ملازم تھے اور انہوں نے مالک مطبع

کی فرمائش پر انگریز حاکم کی مدح میں منشی جی

کے جذبات ظاہر کیے ہیں۔ تاریخ نادر العصر (مطبوعہ

۱۸۶۳ع) سے یہ دو قصیدے بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔

۱۔ واجد علی شاہ : بہ نوابان اودھ میں اہم شخصیت کے مالک گذرے ہیں۔ اردو نثر اور نظم میں ان کی تالیفات کو اہم مقام حاصل ہے۔ قدرت نے شاعری کا جذبہ و دبعت کر کے انہیں رئیس سے زیادہ شاعر اور ادیب بنا دیا۔ شعر اور ادب کی چاشنی کے ساتھ موسیقی سے بھی دلی لگاؤ تھا، اس لیے ان کے دربار میں شعرا اور موسیقاروں کا اجتماع رہتا تھا۔ رہیں منزل تیار کر کے اردو ڈراما شاہی اسٹیج سے پیش کر کے اس فن کو ترقی دی۔

کمپنی کی ریشہ دوانیوں نے واجد علی شاہ کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ ریاست کے نظم اور نسق میں حصہ نہ لیں اور وزیر اودھ ریزیڈنٹ کے اشارے پر چل کر بد نظمی کو رائج کرے۔ آخر اس بد نصیب نام نہاد بادشاہ کو ۷۔ فروری ۱۸۵۶ء کو معزول کر کے کلکتے میں نظر بند کر دیا گیا۔ ۱۴۔ فروری ۱۸۴۷ء کو مسند اودھ پر بیٹھے تھے اور نو سال بعد معزول ہوئے۔ ۲۱۔ ستمبر ۱۸۸۷ء (۳۔ محرم ۱۳۰۵ھ) میں کلکتے میں انتقال کیا۔

درباری شعرا میں اسیر، برق، قلق و تحیرہ کو مقام اختصاص حاصل تھا۔ نسیم نے قصیدے پیش کر کے اس زمزمے میں شامل ہونے کی کوشش کی مگر کوئی ذریعہ ایسا میسر نہ آیا کہ وہ درباری شعرا میں نہ سہی وظیفہ باب شعرا ہی میں شامل ہو کر نکر معاش سے آزاد ہو جائے۔

۲۔ شرف الدولہ محمد ابراہیم خان : یہ ظہیر الدولہ کے حقیقی بھائی تھے۔ جب ظہیر الدولہ سفارت پر سرفراز ہوئے تو انہوں نے محمد ابراہیم خان کو دکن سے بلایا۔ یہ چپلا طوائف کو لکھنؤ سے لے کر دکن میں مہاراجا چندو لال کے ملازم تھے۔ وہاں سے آکر دارویشی کوٹھی پر مامور ہوئے۔ جب مستظم الدولہ کا رمضان ۱۲۵۳ھ مطابق ۲۵۔ دسمبر ۱۸۴۷ء

کو انتقال ہوا تو ظہیر الدولہ کو جنرل لو کی سفارش پر محمد علی شاہ نے عہدہ وزارت سپرد کیا۔ یہ دو ماہ چند دن وزارت کے فرائض انجام دے کر ماہ ذی الحجہ ۱۲۵۳ھ مطابق فروری مارچ ۱۸۳۸ع عالم بالا کو روانہ ہو گئے۔ بادشاہ نے منور الدولہ کو خلعت وزارت سے سرفراز کیا۔ چند ماہ بعد اہل دربار کی مخالفت سے تنگ آ کر بادشاہ سے سفر حج کی اجازت لی اور منور الدولہ نے مع مرزا وصی علی خان حج کو جانا چاہا۔ مرزا وصی علی خان بہانہ کر کے رہ گئے۔ منور الدولہ روانہ ہو گئے، مرزا وصی علی خان لکھنؤ سے نکالے گئے۔ کان پور پہنچے۔ اب بادشاہ نے عہدہ وزارت تو شرف الدولہ کو نہ دیا لیکن مرزا ولی عہد کا ڈپٹی (پیش دست) مقرر فرمایا۔ دس ہزار ماہوار مقرر ہوئے۔ انہوں نے ملک کی آمدنی بڑھائی۔ مہاراجا بال کرشن دیوان کو موقوف کر کے منشی الملوک راجا رتن سنگھ کو دیوان بنایا۔ ۵۔ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ شب شنبہ مطابق ۱۶۔ مئی ۱۸۳۲ع محمد علی شاہ نے انتقال کیا۔ ۱۷۔ مئی ۱۸۳۲ع کو امجد علی شاہ مسند نشین ہوئے۔ محمد علی شاہ نے جو وصیت نامہ لکھایا تھا اس کی دفعہ ہفتم میں شرف الدولہ اور عظیم اللہ خان کو معتمد اور خانہ زاد قدیم ظاہر کیا تھا اور وثیقہ داروں کے مشاہرے خزانہ رزیڈنٹی سے معرفت شرف الدولہ اجرا ہونے کی خواہش کی تھی۔ اس سے ان کی خصوصیت بادشاہ مرحوم سے ظاہر ہوتی ہے۔ امجد علی شاہ نے شرف الدولہ کو علاحدہ کرنا چاہا۔ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ وجہ تعصب مذہبی اس عہدے پر نہ رہ سکیں گے۔ دو ماہ کئی دن اسی تذبذب میں گذرے۔ رزیڈنٹ نے بادشاہ پر واضح کر دیا کہ اس امر میں بادشاہ مختار ہیں۔ ۱۱۔ رجب ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۔ اگست ۱۸۳۲ع روز پنج شنبہ دوپہر کو، بعد

برخاست کاغذ (کذا) نواب امین الدولہ کو خلعت پیش دستی عنایت
ہوا۔ شرف الدولہ اس سے پیش تر سمجھ کر گھر چلے گئے تھے۔
نسیم نے ایک قصیدے میں نائب وزیر کی حیثیت سے شرف الدولہ
سے خطاب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو :

اے جناب شرف الدولہ وزیرِ ذی جاہ
جان و دل میرے فدا کیوں نہ رہیں شام و سحر
آلہوین قصیدے میں بھی وزیر اور ناظم ہندوستان کی حیثیت
سے مدح کرتے ہیں :

حامی دین محمد عاشقِ نامِ خلیل
آبرو بخش وزارت، ناظمِ ہندوستان

ان قصیدوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۱۸۳۸ ع اور ۱۸۴۲ ع
کے مابین شرف الدولہ کی مدح میں کہے گئے ہیں۔ نسیم نے یہ
قصیدے دہلی سے کہہ کر بھیجے ہوں۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔
لکھنوی امرا اور بادشاہ اودھ کی تعریف میں جملہ قصائد کہے
گئے ہیں اس لیے ۱۲۵۴ھ تا ۱۲۵۸ھ نسیم کی موجودگی لکھنؤ میں
ثابت ہے۔ شرف الدولہ اقتدار سے کبھی محروم نہ ہوئے۔ تحریک
آزادی کی جنگ کے ایام میں جو حکومت اودھ میں قائم ہوئی تھی،
اس میں بھی شرف الدولہ کو مجبور کر کے شامل کیا گیا
اور مولوی احمد اللہ شاہ نے اودھ چھوڑتے وقت ان کو غدار سمجھ
کر قتل کرا دیا، جس کا ذکر تاریخ اودھ میں بھی ہے۔ شرف الدولہ
امور سلطنت ہی کے ماہر نہ تھے بلکہ شعر و سخن سے بھی دلچسپی
تھی اور نواب عاشور علی خاں کے تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔
چنانچہ تذکرۂ سراپا سخن میں ان کا تعارف اس طرح کرایا گیا
ہے : ”وزیر اعظم محمد علی شاہ نواب شرف الدولہ منتظم الملک محمد
ابراہیم خان بہادر مستقیم جنگ خلیل تخلص خلف عبد الحکیم باشندہ

لکھنؤ ، صاحب دیوان ، شاگرد رشید نواب عاشور علی خان بہادر ۔

مثل تدریو سرخ ہیں آس سیم تن کے پاؤں

یا لالہ شکفتہ ہیں رشک چمن کے پاؤں“

(سراپا سخن ، صفحہ ۳۵۷ ، ۳۵۸ نیز تذکرۂ نادر صفحہ ۶۳) ۔

ان کے قتل کا واقعہ غلام حیدر صغیر شاگرد رشک نے مشہور

آئین اختر معروف بہ ظفر نامہ (صفحہ ۱۹۳) میں نظم کیا ہے :

شرف تھا جو نائب ملک زادے کا

آسے اس نے بے جاں کیا بے غطا

صاحب توارخ اودہ نے (جلد دوم ، صفحہ ۴۵۸) ۲ شعبان

۱۱۲۷ھ (مطابق ۱۸ مارچ ۱۸۵۸ع جمعرات) تاریخ قتل لکھی ہے

اور شیخ بہادر علی شجاعت کا قطعہ تاریخ نقل کیا ہے ۔ آخری شعر

یہ ہے :

بہ دل چاک رقم کرد شجاعت تاریخ

شد سیہ پوش حرم از الم ابراہیم

۳ ۔ نواب علی اصغر خاں : غائب بہ ظفر الدولہ معتبر الملک

رفیع المنزلت ناصر جنگ ، ظہیر الدولہ کے داماد تھے ۔ اصغر تخلص

تھا ، آتش سے مشورۂ سخن کرتے تھے ۔ ان کی مدح میں دو

قصیدے لکھے ہیں ۔ کلیات منیر میں منیر لکھتے ہیں :

”آخر قائد توفیق دست گیری کردہ بہ الجمن فرخ نشین

امیر سخور ، قدر افزائے اہل ہنر ظفر الدولہ علی اصغر خاں

بہادر رسانید و اعانت آن عالی ہمت مراہم اطمینان

معاش بر دل ریشم نہاد و ہے بر نیامد کہ التفات

ملازمان نواب معین الدولہ سید باقر علی خان بہادر ظفر

جنگ خلف ثالث نواب معتمد الدولہ مرحوم از بار گراں

دین سبک دوش فرمودہ از لکھنؤ بہ کان پور آوردہ در

ظل رات خویشم جا داد ۔“

(کلیات منیر ، صفحہ ۳ ، م مطبوعہ مطبع نگر ہند لکھنؤ)
نواب علی اصغر خاں کے بارے میں تواریخ اودھ سے یہ ظاہر ہوتا
ہے کہ انتزاع سلطنت اودھ کے بعد واجد علی شاہ کے ہمراہ کلکتے
گئے تھے ۔ صاحب سخن شعرا (صفحہ ۳۳) کا بیان ہے :

”اصغر قتلص ظفر الدولہ معتبر الملک رفیع الاسرا نواب علی
اصغر خاں بہادر ناصر جنگ وزیر ابوظفر بہادر شاہ جنت
آرام گاہ بادشاہ دہلی ۔ خلف رشید مولوی علی اکبر شاگرد
خواجہ آتش داماد نواب ظہیر الدولہ غلام یحییٰ خاں بہادر
وزیر مجد علی شاہ بادشاہ اودھ ۔ وطن ان کا کشمیر ، مولد و
مسکن لکھنؤ ، کلکتے میں آ کر بہت روزوں تک رہے ۔
آخرش ۱۲۷۶ھ کی گیارہویں ذی قعدہ کو انتقال کیا ۔ ہر
دو زبان فارسی و اردو میں شعر بہت خوب کہتے تھے ۔
راقم کے دوستوں میں تھے ۔ صاحب مثنوی و دیوان گذرے ۔
راقم نے ان کے انتقال کی تاریخ کہی ہے :

چون علی اصغر شد از دنیا سوے ملک عدم
شد دلِ نساخ محزون را ز بس ریغ و الم
شد بہ یک مصرع دو تاریخ این چنین اے جان زار
شبۂ ذی قعدہ ہے ہے ، آہ درد و ہائے غم

۱۲۷۶ھ

۱۲۷۶ھ

مکملہ کلام یہ ہے :

بتا نہ کوچہ گیسو میں ہے نہ پہلو میں
کھیں بتاؤ مجھے بھر کہاں ہے دل میرا
وہ زند ہوں مجھے دستِ سب سے بیعت ہے
مریدِ حضرت پر مغاں ہے دل میرا“

نسیم دہلوی سے ان کے روابط شعر و شاعری کی وجہ سے مربوط نظر آتے ہیں۔ نسیم نے ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے :

تحریر کا وقت آگیا لکھ نام اقدس لے قلم
نواب امیر الدولہ ، عالی مرتبت ، والا ہم
عنوان قصیدہ یہ ہے :

”قصیدہ در مدح نواب امیر الدولہ بہادر ابن نواب رکن الدولہ۔“ غالباً امیر الدولہ سے مراد میر مہدی ملقب بہ امیر الدولہ ہیں جو واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے ابتدائی عہد ریاست میں تین دن قائم بہ وزارت رہ کر ہندوؤں کے معبد گرانے کے الزام میں معزول ہو کر نظر بند ہوئے اور نواب علی تقی خان خلعت نائب وزارت سے ۱۹ - رجب ۱۲۶۳ھ مطابق ۹ - جولائی ۱۸۴۷ع کو سرفراز ہوئے (تواریخ اودھ ، جلد دوم ، صفحہ ۱۹)۔ اس کے بعد امیر الدولہ خانہ نشین ہو گئے۔ ان کے انتقال کی تاریخ نہ معلوم ہو سکی۔ نسیم نے قصیدہ ان کے دور اقتدار میں ۱۸۴۷ع کے لک بھک کہا ہوگا۔ جب ۲ - مارچ ۱۸۵۶ع کو واجد علی شاہ لکھنؤ سے بہ سمت کان پور روانہ ہوئے۔ امیر الدولہ سید مہدی علی خان عرف امیر الامرا اگرچہ خانہ نشین بلکہ معتوب تھے ، روز بد سمجھ کر روانہ ہوئے اور پھر آئے ، کسی نے خبر بھی نہ لی۔

(تواریخ اودھ ، جلد دوم ، صفحہ ۱۶۲ ، ۱۶۰)
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قصیدہ امیر الدولہ علی حسین کی مدح میں کہا گیا ہو جن کا ذکر لارڈ کیٹنگ گورنر جنرل کے دربار لکھنؤ (۲۴ - اکتوبر ۱۸۵۹ع) کے سلسلے میں تواریخ اودھ میں ہے۔

اس کے بعد درجہ سوم فاٹ سائیٹ صاحب سکریٹری چیف کمشنر

آٹھے ۔ نواب ممتاز الدولہ امیر الدولہ علی حسین ، شمس الدولہ
ہسر نواب رکن الدولہ محمد حسین خاں ، محمد عباس داماد رکن الدولہ
یہ سب اسی طرح آگے گئے اور ہر ایک سلام کر کے اپنی
کرسی لکٹ پر جا کر بیٹھا ، کس واسطے کہ یہ سب ہوتے ، نواسے
شاہی درجہ سوم کے تھے ۔

(تواریخ اودھ ، جلد دوم ، صفحہ ۳۶۴ ، طبع سوم ، مطبع
نول کشور ۱۹۰۷ء)

سرزا وصی علی خاں قدیم امراے اودھ سے تھے ۔ وزارت
کے امیدواروں سے ان کے خصوصی روابط رہے اور ہر وزیر کے
مزاج میں دخیل رہے اس لیے رزیڈنٹ متعینہ لکھنؤ کو ان سے
ہمیشہ اندیشہ رہا ۔ آدمی جوڑ توڑ کے تھے ۔ کبھی کبھی
ریزیڈنٹ سے صفائی بھی ہو گئی مگر بار بار مخالفت کی وجہ سے
انہیں لکھنؤ چھوڑنا پڑا ۔ تواریخ اودھ میں ان کا ذکر متعدد
مقامات پر ہے :

”تقریبات میں چائے ہانی وغیرہ کا انتظام اکثر اودھ کی
ریاست کی طرف سے انجام دیتے رہے ۔ چنانچہ جب لارڈ ہارڈنگ
گورنر جنرل کان پور آئے (آخر ذی قعدہ ۱۲۶۳ھ ، آغاز نومبر
۱۸۴۷ء) تو چائے ہانی کا انتظام سرزا وصی علی خاں نے کیا ۔ اس
صلے میں خلعت بھی ہایا ۔ سرزا وصی علی خاں نے گورنر جنرل کو
اپنے مکان پر بلا کر طوائفوں کا ناچ بھی دکھایا تھا ۔“ (جلد دوم
صفحہ ۳ تا ۴ ، تواریخ اودھ ، ج ۲) آخر دراندازیوں سے رزیڈنٹ
نے انہیں شہر سے نکلوا دیا ۔ سرزا وصی علی خاں نے شاہی کتاب خانے
کی کتابیں الٹ کی نظر کر کے سفارشی چٹھی رزیڈنٹ کے
نام قیام لکھنؤ کی لکھوائی ، آخر پھر لکھنؤ آ گئے ۔ گنگا بخش
زمیندار تعلقہ بیٹانی مجرم کو دھوکے سے گرفتار کر کے رزیڈنٹ کی

خوشنودی حاصل کی (۲۵ - اگست ۱۸۵۰ ع) - مصنف تواریخ اودہ کا بیان ہے :

”سرزا اس کارروائی سے بہت نازاں تھے مگر سوائے بدنامی کے اس کا ٹمرہ کچھ نہ ہوا - بہت تعجب ہے کہ ایسا مومن ، نماز گزار ، دین دار ، مجالس عزا میں ہزارہا روپیہ صرف کرنے والا ، مرتکب ایسے قصاص بے عمل کا ہو اور پھر اس کا حاصل بھی نہ دیکھے - خلاصہ اس پر چند روز گذرے تھے کہ سرزا ایک خاص مرض لاعلاج میں گرفتار ہوئے ، یعنی حلق سے کوئی چیز نہیں اُترتی تھی اور روز بروز بلکہ ساعت بہ ساعت منحنی اور سوکھتے جاتے تھے - مگر اجل اور انتقام نے نہ چھوڑا ، سر گئے - اسماعیل گنج کی حویلی اپنی میں دفن ہوئے ، اب وہ سارا محلہ داخل سڑک ہو گیا -

(تواریخ اودہ ، جلد دوم ، صفحہ ۷۹ تا ۸۱)

دیوان اسیر (صفحہ ۴۷۸ ، ۴۷۹) میں یہ قطعہ تواریخ وفات

وصی علی خاں ہے :

چو خان ذی شان ، ز دار امکاں بہ باغ فردوس شد خراماں

بہ ماتم خاں بہ جملہ امکاں یکیت نالاں ، ذکر ہریشان

قلم بہ تاریخ اشک ریزاں ، نوشت مصرع بہ تازہ عنوان

حب یزداں ، حبیب ہاکاں ، حمد ایماں ، وصی علی خاں

اس قطعے کے مصرع آخر سے ۱۲۷۱ ہ برآمد ہوتے ہیں -

دیوان اسیر میں پہلا ہندسہ مشکوک ہے - غالباً ۵ یا ۸ ہے -

اس کی تردید یا تائید مشکل ہے - تواریخ اودہ میں ۱۲۷۱ ہ

تک کے واقعات میں سرزا وصی علی خاں کا ذکر ملتا ہے - نواب

حضور محل جن کی مدح میں نسیم نے قصیدہ لکھا ہے ، ان کا

تفصیلی حال کسی کتاب میں نہیں ملا ۔ صرف واجد علی شاہ اختر کی تالیف مثنوی ”بہر مختلف“ میں دو شعر ان کے حال میں ملے ہیں ، ملاحظہ ہو :

خطاب بہ نواب حضور محل صاحبہ :

ہے یہ ہندوہویں زوجہ اے گل فام
نہ کھلا ہے کہاں یہ ماہ کمام
پہلے ”نواب“ اور ”حضور“ ہو بعد
پھر ”محل“ اور ”صاحبہ“ اے سعد

(صفحہ ۸ ، مثنوی بہر مختلف ، مصنفہ اختر)

واجد علی شاہ کی ازواج سے اولاد کی جو تفصیل تواریخ اودھ میں دی گئی ہے ، اس میں بھی ان کا ذکر نہیں ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی اولاد اس محل کے بطن سے نہ تھی ۔ انتزاع اودھ کے بعد یہ لکھنؤ میں رہیں اور واجد علی شاہ کو کلکتے میں ان کے بارے میں کسی قسم کی اطلاع نہ ملی ۔ اس لیے اپنی لاعلمی کا اظہار اشعار مذکورہ بالا میں کیا ہے ۔ نسیم اس محل سے باخبر ہیں اور ان کو بعض امور ایسے بتائے تھے جو نسیم کے قول کے مطابق پورے ہو گئے اور شاہی تقرب حاصل ہو گیا ۔ یہ قصیدہ ۱۲۶۸ کے لک بھگ کہا گیا ہے ۔

ضمیمہ (۲)

(مثنوی) سرور ولادت حضرت خاتم الرسالت

از

مرزا محمد اصغر علی خان نسیم دہلوی مرحوم

بہ فرمائش

مرزا محمد مرتضائی عرف مرزا مچھو بیگ عاشق

شاگرد نسیم

ارادہ کچھ دل آگاہ میں ہے
 سخن آغاز بسم اللہ میں ہے
 دیا کس کے قلم نے نقطہ خاک
 کہ جس کا دائرہ ہے دورِ افلاک
 لکھے ہیں جا بہ جا کیا نقش جسمی
 جہاں ہے صورت فردِ طلسمی
 دوائر گردِ مطلب حلقہ زن ہیں
 حجابِ روحِ حیوانی بدن ہیں
 زہے خوش مستی استادِ کامل
 نہ کھینچی ایک مد خطِ باطل
 خوشا ترکیبِ پیوند مصفا
 نہیں اصلاح کی باقی کہیں جا
 حروفِ حیرتِ باہم رقم ہیں
 تسلسلِ زانقائے بیش و کم ہیں
 میرا ہے یہ دفتر ہر زبان سے
 کہ ہے تحریر کلک امتحان سے
 ہم نقطوں سے ہیں سو سو معانی
 مبصر سے امیدِ قدر دانی
 ملے جب باد و خاک و آتش و آب
 بنے کچھ اور ہی صورت کے اسباب
 عناصر نے وہ حسن اپنا دکھایا
 خداوندِ دو عالم کو خوش آیا

خصوصاً جلوہ روئے چہرہ
 نظر ہر سون رہی سوئے چہرہ
 یہی اکثر مگر یہ منتخب ہیں
 ظہور آفرینش کے سبب ہیں
 یہی ہیں سرورِ اولاد آدم
 یہی ہیں باعثِ بنیادِ عالم
 وہ عابد تھے کہ معبود آشنا ہیں
 پسندِ خلق، محبوبِ خدا ہیں
 لکھا لکھتا ہوں اس جا ایک قصا
 مصنف کو، غرض ایجاد سے کیا
 نسیم آئی نہایت راہ دشوار
 سنبھل اے محو مطلب ہاں خبردار
 دعا کر آرزو شرما رہی ہے
 طبیعت ولولہ دکھلا رہی ہے

مناجات

الہی درد دے میرے سخن میں
 کہ عزت پائے خیلِ الجمن میں
 بڑھوں بحرِ ہزج میں چند اشعار
 پسندِ خاطرِ احباب و اغیار
 چھکا میناے دل لا جامِ ساقی
 اجازت مانگتا ہوں ہوشِ باقی
 لحاظِ توبہ واعظ آٹھا دے
 اچھوتی دونوں عالم سے ہلا دے

میسر ہو وہ خواب غفلت انگیز
 نہ سنئے حشر کا بھی شور برخیز
 دکھائے نیند بیداری کے سامان
 رہوں مطلب سے میں دست و گریبان
 نہ آئے ہوش ، غیر از جوش مجھ کو
 مبارک باد نوشا نوش مجھ کو
 اُترتے ہیں مضامین آسمان سے
 ترشح ہوں میں ابر داستان سے
 کہ جس دم صورت آدم بنائی
 مکان عنصری میں روح آئی
 بہار گلشن جنت میں تھی سیر
 بہ اطمینان دل با مجمع خیر
 ملا سامان عشرت سے جو آرام
 بچھایا آرزو نے ناگہاں دام
 تعلق کا مزا گردش میں لایا
 تھی آغوش دیکھی دل بھر آیا
 خیال وصل نے جا کی بغل میں
 کجی قسمت کی لائی اور ہل میں
 کمال بے قراری سے دعا کی
 مقابل ہائی صورت دل ربا کی
 ملاں حوا ، کئی تکلیف دوری
 نیاز و ناز نے بخشی حضوری
 بڑھے جب ہم دگر لطف ملاقات
 آٹھا ابلیس ہر صرف آفات

تحمل سے درجنت پہ آیا
 تحمل سے فرشتوں کو سنایا
 اجازت دو' اگر سیر جنان کی
 نظر آجائے کیفیت یہاں کی
 بہت مدت سے خدمت آشنا ہوں
 ادب آموز حرف مدعا ہوں
 جفا لازم نہیں ہڈی وفا میں
 ستم زیبا نہیں رسم رضا میں
 تعلق کے تعلق سے لبھایا
 بچے تعلیم سر سب نے جھکایا
 ہر آیا مدعا حسن بیان سے
 گزر پایا وفاے دوستان سے
 کہا حوا سے گندم کھائیے آپ
 یہ تحفہ ہے نہ کچھ شک لائیے آپ
 رضا ہاتی جو افسوں دغا سے
 فراموشی ہوئی حکم خدا سے
 در آیا قہر کا دائہ شکم میں
 بیہنسا مرغ ہوس دام ستم میں
 ملک بولے نکل جلدی یہاں سے
 غضب نازل ہے تجھ پر آسماں سے

۱ - اصل میں میں 'دی' ہے اور اس کو سنگ ساز نے 'دو' بتانے
 کی کوشش کی ہے جو ناکام رہی ہے - 'دو' غور سے دیکھو
 تو نظر آتا ہے - (مرتب)

یہ کہہ کر دفعتاً پھیٹکا زمیں پر
 رہے آدم غم فرقت سے مضطر
 ہکارے روکے رہے پہلوے یار
 کہا شیطان نے اے آدم ! خبردار
 کہاں جاناں کہاں تو ، دھیان کیا ہے
 وہ مقہور عذاب کبریا ہے
 مگر ہے ایک تدبیر ملاقات
 بتا دوں ہاں اگر مانے سری ہلت
 وہی کہا تو بھی جس سے آفت آئی
 ہوئی پہلو کو پہلو سے جدائی
 نکل فردوس سے جا سوئے دل دار
 محفوظ زندگی بے یار دشوار
 ہجوم شوق مطلب پر لے آیا
 ریاض خلد آنکھوں کو نہ بھایا
 کیا جو دشمن جاں نے کہا تھا
 چھٹا مسکن غضب کا سامنا تھا
 دکھایا اور ہی قسمت نے ساماں
 زمین دشت یا خار مغیلاں
 لبوں سے نالہ "انسوس باہم
 زباں پر آہ اشک آنکھوں سے ہرئم
 نفس کرتا تھا ہیہم کار خنجر
 خراش آرزو سے زخم دل پر
 کبھی جوش فراق یار جانی
 کبھی پیش نظر غم کی کہانی

کبھی انسانہ مافی زبان پر
 نگہ حسرت سے سقف آسماں پر
 بڑھا اس درجہ ضعف ناتوانی
 نفس نے استخوان پر کی گرانی
 یہی برسوں رہا حال بریشاں
 نہ پایا داد رس کوئی جز افغان
 کمال بے قواری سے ہکارے
 کوئی اب ہے جو کام آئے ہمارے
 مرے مالک! بس اب وقت کرم ہے
 بدن سے روح مشتاق عدم ہے
 خطا پھر پھر عفو کر دے
 مصیبت دور کر ایذا اٹھالے
 کیا جو کچھ ہشتانی اٹھائی
 بڑی تکلیف ، نادانی اٹھائی
 یہ کہتے تھے کہ آئی ایک آواز
 دعا نے کر لیا ایجاب سے ساز
 زباں پر تیری ایسا نام آیا
 برائے مغفرت جو کام آیا
 بھلا اس راز سے واقف ہے کیوں کر
 بتا اے آدم بے تاب و مضطر
 گزارش کی زمان سیر افلاک
 نظر کرتا تھا جس جا میں جگر چاک
 یہی اسم مبارک دیکھتا تھا
 ہسان نور تابندہ ہویدا

ہزری کا نشان اس دم سے پایا
وسیلہ جان کر ہاں ذکر آیا
کہا ! بخشی خطا بہر ہمد
ہڑہ اب صلّ علی بہر ہمد
یوں ہی سب انبیاء نے بسر کی
ہڑی مشکل تو حضرت پر نظر کی

قصہ زن یہودی کا اور دیکھنا حضرت کو خواب میں

روایت اور گزری ہے نظر سے
خبر لکھتا ہوں صادق کی خبر سے
کہ تھا بغداد میں تبار زردار
سخاوت پیشہ و ممتاز و سردار
فداے نام مولائے دو عالم
نہایت محترم ، ازہیں مکرم
بہ غایت نیک سیرت صاحب مال
بسا خوش رو ، بڑا منجیدہ احوال
طبیعت کو تعلق اتذاقا
زبان زد مشغلہ صلّ علی کا
انیس ذکر آن حضرت شب و روز
کہاں شوق ہے دل مائل سوز
زمان مجلس مولد وہ ذی جاہ
ہم کر صحبت اشخاصی دل خواہ

۱ - مطابق اصل متن ہے - 'اتقا کا' ہونا چاہیے - سہو کتابت
معلوم ہوتا ہے - (مرتب)

طعام نو بہ نو تیار کرتا
دہن کھانوں سے ، دامن زر سے بھرتا

اعزہ پر بھی تاکید یہم
متاع قیمتی ہو صرف بے غم

نہ جامے آ کے سائل در سے محروم
نہ آٹھیں سرد حاجت مند مغموم

قضا را اک یہودی ہم مکاں تھا
بہم سقف و برابر آستان تھا

زن و فرزند سے محفوظ ، خرسند
سر دنیا ، نہ پرواے جگر بند

کسی دن اس کی زوجہ نے یہ ہوجھا
کہ اس محفل میں ہے انبوء کیسا ؟

کہا شوہر نے میلاد نہی ہے
مسلمانوں کو راحت اور خوشی ہے

یہ سن کر سو رہی وہ نیک اختر
ہجوم ذوق سے بے تاب و مضطر

نصیبا تھا ترقی خواہ اس کا
جکایا لیند نے دکھلا کے جلوا

ہوئی غافل جو شوق مدعا سے
حضوری مل گئی بخت رسا سے

جب آیا چہرہ روشن نظر میں
تمنا نے دیا نشتر جگر میں

متاع صبر نے رغبت طلب کی
 زبان شاکی رہی رسم ادب کی
 تصور عمو حیرانی، یہ کیا ہے
 ہکاری آرزو، نور خدا ہے
 سر دیوانگی خاطر میں آیا
 ہوائے دید میں مطلب پھلایا
 ہوس ساکت رہی عرض سخن میں
 پڑا قفل ادب پہلے دہن میں
 خلش بر آئی آخر بے قراری
 کہا رورو کے اے محبوب باری
 یہاں تشریف لانے کا سیب کیا
 ہوا ارشاد کیوں اس کا عجب کیا
 نہیں مطلوب کو طالب سے انکار
 ہلاتا ہے ہمیں یہ مرد تجار
 محبت نے عجب رتبہ دکھایا
 قدم ایسے نبی کا گھر میں آیا
 توسل ہے سراسر دام الفت
 جی ہے رونق انجام الفت

آغاز قلم کے حال کا

آٹھ اے ساقی، کہاں تک خواب آرام
 جھکتی ہے طبیعت، لا، کوئی جام

ہلا شیشہ کہ دل لہرا رہا ہے
 ہجوم شوق کچھ سمجھا رہا ہے
 فراغ خود فراسوشی ہوس ہے
 توقف ایک لمحے کا برس ہے
 ارادے ہیں جو عرض با ادب کے
 سخن لیتا ہے دوسے میرے لب کے
 نہیں بے شرح مطلب دل کو تسکین
 گلے ملنے لگے مجھ سے مضامین
 زباں پر لذت اظہار آئی
 عنان توسن خاطر اٹھائی
 نسانوں سے ، حدیثوں سے ، خبر سے
 مکرر اس طرح گزرا نظر سے
 کہ جب خلقت ہوتی خالق کو منظور
 بہ آئین "خوش و با حسن دستور
 جدا کر ایک حصہ نور ذاتی
 ہم تھے جس میں سب حسن صفاتی
 ہمد نام رکھا اور پکرا
 کیا آغاز مقصد کا اشارا
 ہوئے موجود اک "کن" میں دو عالم
 ملا ہر شے میں وہ نور معظم
 پھر اس کے بعد فرصت دی قلم کو
 کہ لکھ حالات ہستی اور عدم کو

رقم اس نے کیا جتنے نبی ہیں
 عزیزِ بارگاہِ حق ہی ہیں
 انہیں ہے حکمِ دعوتِ سوسے اسلام
 ہر آئیں گے دعا ہے اُن کے سب کام
 جسے مقبول دل اُن کا ہے کہنا
 آجے جنت میں ہے لاریب رہنا
 مخالف کے لیے دوزخ ہے موجود
 نہیں اس کو امیدِ فضلِ معبود
 ہر امت کے لیے ایسا ہے لکھا
 جب آیا نامِ حضرت کا تو ٹھہرا
 ندا آئی قادیبِ خامہ اس جا
 ہد کا بہت اعلیٰ ہے رتبا
 وہ محبوبِ خدائے دو جہاں ہے
 وہ مقبولِ زمین و آسمان ہے
 ہمیں ہے دوست کی خاطر بھی درکار
 لکھ امتِ عاصی و خالق ہے غفار

بیانِ شادیِ حضرت آمنہ کا اور پیدا ہونا
 حضرت رسول مقبول کا

یہاں سے اب قلم کو ہے روانی
 دکھاتی ہے طبیعتِ نوجوانی
 بیان ہوتا ہے سامانِ ولادت
 ہوئی ہے فکرِ جولانِ حسبِ عادت

کہ چند اشخاص تھے قوم عرب میں
 معزز ، محترم ، ممتاز سب میں
 خصوصاً وہب ، نامی ایک سردار
 نہایت نرم دل ، سنجیدہ اطوار
 عطا کی تھی آسے خالق نے دختر
 نظیر مہر و رشکِ ماہ انور
 پدر نے آمنتہ بخشا انہیں نام
 ہلیں آغوشِ مادر میں بہ آرام
 بلوغ سن ہوا جس دم ہویدا
 سرِ شادی نے ہر خاطر میں کی جا
 نضارا ایک دن تھے جمع احباب
 بندھے اسباب شادی کے کچھ اسباب
 کہا ناکہ عبدالملک نے
 ہمیں گھبرا یا فکر و عجب نے
 بہ دل ہے عقدِ عداقت منظور
 خدا کا فضل ہو جائے تو کیا دور
 سنا جس دم بہ قدرت کا اشارا
 کیا وہب معزز نے گوارا
 سوال مدعا آیا زباں پر
 تقرر پا گیا طرزِ جہاں پر
 مناسب دیکھ دن ، شادی کی ٹھہری
 خوشی سے خانہ آبادی کی ٹھہری
 جب آئی گھر میں وہ نور جہاں تاب
 بنا کاشانہ خلوت گاہِ آداب

ہر از چندے کسی شب نور بزدان
 آتر ہشت پدر سے ہو نروزان
 رہا مسکن گزیں خلوت سرا میں
 ہر اوقات کی یاد خدا میں
 توقف تھا جو تقدیر ازل میں
 چہا خور نوشینے تک حمل میں
 سفر بیا ہوئے جب روز مشکل
 قریب آیا طلوع ماہ کامل
 ولادت کا جو کچھ سامان دکھا
 یہاں سے رنگ انسا نے کا بدلا
 نہیں ہے خاطر شاعر سے ایضاد
 جناب آمنہ کرتی ہیں ارشاد
 کہ وضع حمل کا جو وقت آیا
 عجب سامان قدرت نے دکھایا
 ہوئیں پیدا صدائیں خوف انگیز
 جگر ہانی ہو ، ایسی ہیبت انگیز
 ہڑی (بڑھی؟) وحشت طبیعت میں زیادہ
 تھیر سے تھی بستر پر افتادہ
 کہ اک سرخ سفید آیا مقابل
 ہند خاطر و مرغوب ہر دل
 ملے ہال اس نے کچھ نیرے شکم سے
 ملی تسکین اندوہ و الم سے
 رہی باقی نہ بے تاب نہ وہ درد
 بنا پھر سرخ سے ہم صورت مرد

زیادہ ماہ سے حسن درخشاں
 قد و قامت میں سر سے پا تک انساں
 لبالب نور سے اک جام روشن
 دیا مجھ کو، کہا اے پاک دامن
 اے لے ، بادۂ اطہر بھی ہے
 سرور خاطر مضطر بھی ہے
 ہوا میں نے بہ حکم مرد کامل
 ہوئے سرور باہم سینہ و دل
 پکڑا پھر وہ مرد نور پھر
 بہ اسم اللہ ، بسم اللہ ، پھر
 زمیں پابوس کی ہے آرزو میں
 فلک ہے دور سر کی جستجو میں
 پس از اتمام حرف خواستگاری
 ہوا طالع وہ نجم حکم ہاری
 آٹھا غل ہر طرف صلّ علی کا
 پھرا رخ اور جانب مدعا کا
 تمنا مدح ہر مائل ہوئی ہے
 برائے نذر کچھ مائل ہوئی ہے

قصیدہ در مدح جناب سرور کائنات

شفا مشتاق ہے ہر صاحب آزار
 قضا ہر فرض ہے تعظیم بیار

بہ رفعت ہر سر دیوانگی ہے
 قدم زنجیر کو سمجھا ہے دستار
 ندا کرتی ہے رحمت مجھ کو لے لے
 یہاں سنتے نہیں گوش غریدار
 ہوا ہے کچھ تو اطمینان حاصل
 پکڑ بیٹھے جہنم میں گنہ گار
 ملک مند غاصیوں کا تک رہے ہیں
 انہیں میل نظر اک لحظہ دشوار
 ہمکنے ہیں سوئے آغوش جنت
 بغل پروردگان مرکز خار
 سمنا سے سمنا ہے بغل گیر
 پسے جاتے ہیں با ہم بحر دیدار
 ہٹو، سر کو، فرشتے کہہ رہے ہیں
 ہوئے ہیں گوش کر مشتاق دیدار
 گھر کتنا ہے ادب ہر چند سب کو
 مگر بے ناپی خاطر سے ناچار
 جگر دل لے کے ہاتھوں پرے نذر
 جلے آتے ہیں آفت کے ہمک حواری
 ہزاروں آرزوئیں ہا بہ گل ہیں
 تصور بن گیا ہے چشم بیدار
 فلک مائل ہے بابوس^۱ زمیں کو
 مزاج خاک ہے رفعت طلب کر

۱۔ اصل میں ”گھر کیا“ غلط ہے ، تصحیح قیاس کی گئی۔ (مرتب)

۲۔ اصل متن میں ”بابوس“ ہے تصحیح قیاس کی گئی۔ (مرتب)

یہ عالم ہے کہ از خود ظلمت کفر
 دل اسردہ ہے مثل صبح ییاز
 پھرت کا سنا ہے نام جب ہے
 شیطانی ہیں اسیر دام زناار
 نکوں ہیں لات و عزلی ہر مجدہ
 ہوئی ویراں پرستش گاہ کفار
 ہر اک بت خانہ بن کر طوق لعنت
 گلوے مشرکیں میں ہے گراں بار
 صدا دیتا ہے ہر (سو؟) کوس اسلام
 کہ آیا دین حق کا آج سردار
 شرف کونین کو بخشا قدم ہے
 نہ کیوں صل علی کا ہو سزاوار
 زہے رفعت کہ اوج عرش اعظم
 رہا ہابوس کا برسوں طلب گار
 شب معراج میں حاجت روا کی
 جنہیں تھی آرزوے شوق دیدار
 خدا را ، اے شہنشاہ دو عالم!
 دکھادے مجھ کو بھی چہرے کے انوار
 اٹھا دے کلفت کونین کا خوف
 کہ ہوں ادنیٰ غلام خاص سرکار
 زمین قبر ہر دم روبرو ہے
 نہیں رکھتا وسیلہ میں گنہ گار
 چڑھائی فوج عصیان کی ہے مجھ پر
 بچا لے اے سرے محبوب غفار

بہ شکل آبرو ، تر دامنِ ہے
 گنہ کارم ، گنہ کارم ، گنہ کار
 کیا شق القمر جس طرح شاہا
 برائے امتحان خیل کفتار
 خدا را نامہ اعمال کر چاک
 بہ حق اہل بیت و آل اطہار
 نسیم اب عرض مطلب سے ہو خاموش
 نبی شافع ، خدائے پاک غفار

اظہار بعضے حال حضرت کا

زبان خامہ کو اب شانہ کردوں
 کہ سلجھانی مجھے ہے زلف مضمون
 طبیعت نو عروسی پر ہے مائل
 حیا آمیز شوخی کا ہوں سائل
 ہمساز رسم مبارک باد ہر دل
 فسانہ اور ہے سننے کے قابل
 کہ عبدالمطلب مرد خوش اطوار
 ہوئے اس راز سے جس دم خبردار
 کمنائے تصدق میں وہ آئے
 بہت سامان شادی ساتھ لائے
 کیا پہلے طواف جسم اطہر
 پھر اس کے بعد خبرات مکرر
 نظر جب چہرہ روشن پہ پہنچی
 تجلی نور کے دامن پہ پہنچی

نظر آنے جو سر ہر سوے شب رنگ
 طبیعت کا ہوا کچھ اور ہی ڈھنگ
 لگے قربان ہونے کو جو آتی
 سیاہی مردم دہدہ نے ہائی
 بڑھا ہر ہر مڑہ کو جوش افسوس
 کہ ہوں مثل نظر کس طرح پابوس
 جہیں نے مہ جبینی وہ دکھائی
 فدا جس سے ہر سامان خدائی
 وہ پیشانی کہ نور ایزد پاک
 بنور جس سے روئے خاک و افلاک
 وہ دونوں گوش باہم ایسے تابان
 کہ عاشق لائے ہر نذر ایمان
 یقیناً حلقہ جان و دل زار
 نہ چھوٹے آرزو ہو کر گرفتار
 یہ کس نقاش نے تھا نقش کھینچا
 ہوئے کونین اک جلوے میں شیدا
 خم' ابرو نے ہر گردن پہ خم کی
 کہ سر نے جھک کے تسلیم قدم کی
 کشش ایسی کھینچیں دل ہائے عالم
 ملک ہوں بندہ تعظیم آدم

۱۔ یہ مصرع اصل متن میں اس طرح ہے۔ مفہوم واضح نہیں،
 اگر مصرع اس طرح ہو :
 خم ابرو پہ ہر گردن نے خم کی
 تو مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ غالباً سہو کتابت ہے۔ (مرتب)

الف کی شکل بن کر حسن خالق
 ہوا انداز پر بیٹی کے عاشق
 بسان شمع ایسی جلوہ گر تھی
 مہنا دل سے مشتاق سفر تھی
 نظر آئے اگر مڑکوں کی تیزی
 رہے آنکھوں سے ہر سون اشک ربڑی
 وہ آنکھیں جن میں قدرت کے اشارے
 میسر ان کو خالق کے نظارے
 وہ لب جو بخش دیں عیسیٰ کو اعجاز
 رضائے حق سے ہر لحظہ آنہیں ساز
 دہان تنگ قطعہ تھا ازل کا
 کہ لفظ ”کن“ سے کی نقل اس نے اس جا
 زبان تھی یا کہ گویا سطر قرآن
 ادا کرتی تھی جو خالق کے احسان
 زنج کا دور ، دور قاف خالق
 رہے غرق محبت جس میں عاشق
 زمے عارض کہ جن کا جلوہ پاک
 بنادے نور روشن مراکز خاک
 صراحی تھی مٹے عرفاں کی گردن
 نظارے سے نگہ ہو پاک دامن
 وہ بازو صورت انگشت قدرت
 ہویدا کثرت خوبی میں وحدت
 وہ سینہ تھا کتاب آفرینش
 سراسر انتخاب آفرینش

نہ سینہ سے تا قرب حد ناف
 بہ شکل آفتاب اک حسن شفاف
 نشان ناف کا جو دعیان آیا
 هجوم آرزو کا حلقہ پایا
 کمر ظاہر میں تھی لیکن کہاں تھی
 فقط تحریر قدرت درمیاں تھی
 کمر سے تا قدم تھا حال ایسا
 ہوا محبوب حق، آگے کہوں کیا
 سراپا دیکھ عبدالعطلب نے
 نہ دی فرصت جو فرحت نے طرب نے
 لیا آغوش میں رسم ادب سے
 پکارا سب عزیزوں کو عجب سے
 کہا لو دیکھ لو خورشید ایمان
 نہ لینا نام یوسف بھول کر ہاں
 یہ وہ فرزند عالی مرتبت ہے
 گنہ گاروں کو بخشش کا سبب ہے
 گئے کہے میں لے حضرت کو ہا شوق
 فزون تھا چشم و دل کا دم بہ دم ذوق
 مجد نام رکھ کر بھر نہ کی بات
 بڑھے یہ چند اشعار مناجات

مناجات

اللہی ہوں ادا کس منہ سے احسان
 ترے محبوب پر صدائے دل و جان

یہی آغاز و ختم ہر نبی ہے
 یہی ہے انتصار جن و انس
 یہی ہے دافع کفار عالم
 یہی ہے شافع ہر صاحب ایمان
 اسی کی شان میں آیا ہے لولاک
 شریعت کا یہی ہے سہر تابان
 اسی پر منحصر ہے بخشش خلق
 اسی کے واسطے نازل ہے قرآن
 یہی ہے خسرو اولاد آدم
 یہی ہے بادشاہ دین و ایمان
 اسی پر ناز ابراہیم کو تھا
 اسی سے فخر تھا موسیٰ کو ہر آن
 خبر داؤد نے دی تھی اسی کی
 رہا دیدار کا عیسیٰ کو ارمان
 یہی ایسا ہے عالی شان و شوکت
 کہ جس کا ذکر کرتے تھے سلیمان
 بشارت دی تھی یونس نے اسی کی
 کہ ہوگا اک نبی شایان قرآن
 کھلا ہم پر بہ نور جان وہی ہے
 وہی ہے ہاں وہی ہے شک نہیں ہاں
 خداوند! طفیل ذات محبوب
 مجھے بھی کر دل و جان سے مسلمان
 روا کر آرزوئیں سہل و مشکل
 بہ حق مصطفیٰ امے مالک جان

عذابِ قبر سے محفوظ رکھنا
 کہ تیرے دوست کا ہاتھ آیا داماں
 شفا دے جو مریض جاں بہ لب ہیں
 عہد کے لیے خلاقِ دوراں
 بچالے رنجشِ قحط و وبا سے
 عطا کر التفاتِ دین و ایمان
 عطا کر اپنی راہِ خاص مجھ کو
 رہیں محفوظ از اغوائے شیطان
 صلات و صوم کی ہمت عطا کر
 نہ ہوں نا حشر کے دن ہم ہشیاں
 عدو کو خوار رکھ جس طرح کافر
 ذلیلِ دین و دنیا ہیں ہر اک آن
 بچالے قہرِ ظالم سے خدا یا
 کہ تیرے دوست پر لایا ہوں ایمان
 عطا کر آبرو اہل جہاں میں
 معزز مجھ کو سمجھیں جن و انساں
 نہ پہنچے خسروِ ظالم سے تکلیف
 نہ پہنچے مدعی سے رنجِ ہنماں
 فراغت کا سبب ہو جائے ایسا
 رہے دن رات ہر عشرت کا ساماں
 عزیز و اقربا خویش و برادر
 دل و جاں سے رہیں ممنون احساں

اللہی ختم ہر آئی مناجات
ہزیرا کر سمناے دل و جان

روایت دیگر

روایت اور مجھ کو یاد آئی
ادا کرتا ہے خامہ آشنائی
جناب آمنہ کرتی ہیں یوں نقل
یہ دل سن لو اگر ہو صاحب عقل
کہ آئے تین شخص اک روز ناکہ
منور شکل سب کی صورت ماہ
کسی کے ہاتھ میں ابریقی ہائی
کسی نے طشت کی صورت دکھائی
زمرّد کا تھا وہ طشت منور
جڑے تھے یش قیامت اُس میں گوہر
زُہبی پر اُس نے جس دم طشت رکھا
ہوئی فی الفور اک آواز پیدا
کہ چاروں کو نے ہیں اطراف دنیا
جسے چاہے اُسے لے یا سمنا
یہ سن کر ہاتھ جو حضرت نے رکھا
نظار پہنچی تو جوف طشت میں تھا
بکّارا کہنے والے نے یہ کہہ کر
مبارک آپ کو کعبے کا ہو گھر
پرستش گاہ اہل دیں ہے بے شک
نہ پہنچے گا یہاں شیطان مردک

پھر اس کے بعد مرد ثالث آیا
 حریری جامہ نو تھا وہ لایا
 لیا آغوش میں حضرت کو یک بار
 برائے غسل کرنا تھا وہ تکرار
 دیا جب سات نوبت غسل ہم
 ہوا پھر اور تاباں سہرا عظم
 اسی جامے کو حضرت پر اڑھایا
 ہروں کے نیچے پھر اپنے لیے آیا
 رہے تا دہر زیر سایہ ہر
 حبیب حق شفیع روز محشر
 پھر اس کے بعد لایا پر سے باہر
 بہ گوش پاک کی باتیں مکرر
 نہیں اس راز مخفی سے خبردار
 کسی صورت نہیں آگاہ زہار
 ہوا ختم روایت اس کہ اس جا
 لکھوں تاریخ پیدائش کا قصا
 ہوئے ہیں متفق جمہور اس پر
 کہ تھی وہ بارہویں تاریخ ہجر
 سپینہ تھا ربیع الاول خاص
 اسی پر ہے یقین چند اشخاص
 مقرر دن نوشنے کا وہی تھا
 ہوئے جس وقت پیدا شاہ والا

کیا تاریخ کا بھی ختم اس جا
رضاعت کا بھی لکھے حال سارا

رضاعت

رقم کرنا ہے ہوں راوی مکرر
ہیا حضرت نے پہلے شیر مادر
بھر آخر میں ثویبہؓ نے دیا شیر
ہوئے ہیں اس میں قول چند تحریر
سعادت یہ حلیمہ نے تھی ہائی
زہے قسمت کہ خدمت ہاتھ آئی
بہت روزوں رہی وہ دایہ خاص
دکھایا ہر طرح سے حسن اخلاق
اگر لکھوں جان کچھ اس کا قصا
تو ہو اس مختصر میں طول پیدا
لہذا حال مجمل لکھ دیا ہے
زمانہ اختصار مدعا ہے

روایت اعجاز حضرت

تجربہ سے ہوئے جس دم سر فراز
ہوئے چونستھ ہزار آخر تک اعجاز
ہمیشہ ایر کا تھا سایہ سر ہر
ہلایا سنگ ریزوں کو مکرر

کیا شق القمر اکہ دم زدن میں
 عجب تھا کافروں کی اہمن میں
 نہ رکھا قامت بالا نے سایا
 خرد نے نور وحدت اس کو پایا
 شجر گویا ہوئے وقت شہادت
 ہوا اس طرح اکثر حسب عادت
 اسی صورت سے باقی بھی سمجھ لو
 اگرچہ چشم بینا ہے تو دیکھو
 نبوت سے نبی جتنے ہیں دم ساز
 ہرے دو تین ظاہر آن سے اعجاز
 مگر حضرت کی وہ حرمت ہوئی ہے
 ہزاروں کی جہاں نبوت ہوئی ہے
 نسیم اب روک لے طبع رسا کو
 آٹھادے ہاتھ عرض مدعا کو
 خدا وندا ! طفیل نام حضرت
 عنایت کر مجھے اپنی محبت
 رہوں تکلیف جسمی سے سدا پاک
 بہ حق سرور دین شاہ لولاک
 فراغِ دنیوی حاصل ہو ایسا
 کہ ہر حاسد کو ہو اک داغ پیدا
 فزونِ عمر میں ہو جائے کچھ اور
 کہ تا تیری طلب میں ، میں کروں دور

احبا کو مرے دل شاد کر دے
 عدو کو عاقبت ہر یاد کر دے

بہ ختم آغاز افسانہ محمود
 بہ زلف خامشی شانہ محمود

حرف آخر

اس نسخے کی ترتیب کے وقت مرتب کے پیش نظر نسخہ ہائے طبع اول اور طبع دوم 'کلیات نسیم' دہلوی رہے ہیں۔ 'دفتر شگرف' اس کا قاری نام ہے، اس لیے عام قارئین کے لیے یہ نام اجنبی معلوم ہوتا ہے۔

مرتب نے اس کا نام 'کلیات نسیم' رکھا ہے اور اس کی ترتیب بھی بدل دی ہے۔

نسیم کے قطعات تاریخی نول کشور ہریس کی بہت سی کتابوں میں ملتے ہیں۔ جو کتابیں دوران مطالعہ نظر آئیں ان کے مشمولہ قطعات تاریخی کلیات ہذا کے آخر میں اضافہ کر دیے گئے ہیں۔ اور ایک مثنوی سرور ولادت حضرت خاتم الرسالت بھی، جو مرزا بھپو بیگ عاشق نے نسیم کے مرتے کے بعد طبع کرائی تھی، شامل کردی گئی ہے۔ یہ مثنوی بعد میں دست یاب ہوئی اس لیے حرف آخر سے پہلے جگہ دی گئی ہے۔ نسیم کی الف لیلہ منظوم (جلد اول) علیحدہ داستان کا جزو ہے اس لیے اسے شامل کلیات نہیں کیا گیا ہے۔

ضروری حواشی بھی مختصراً شامل کر دیے گئے ہیں۔ اس طرح یہ مرتبہ نسخہ کلیات نسیم دہلوی پہلے اور دوسرے ایڈیشن سے افادیت میں بڑھ جاتا ہے۔ مقدمہ پہلے طبع ہو چکا تھا، اس کے بعد بعض شاگردوں کے حالات مزید معلوم ہوئے، اس مرحلے پر ان کا اضافہ ممکن نہ تھا۔ آئندہ ایڈیشن پر سوانحی، قدحے میں مزید، معلومات مہیا ہو سکیں گی۔

۱۳ - جولائی ۱۹۶۶ ع

کلب علی خان فائق

بھاس ترقی ادب - ۲ - کلب روڈ - لاہور